المشرقی



ڈاکٹر محمد عظمت اللہ بھٹی

المشرقی

علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی اور اُن کا عہد

ڈاکٹر محمد عظمت اللہ بھٹی

نام کتاب ——— "المشرقی" (جلد اول

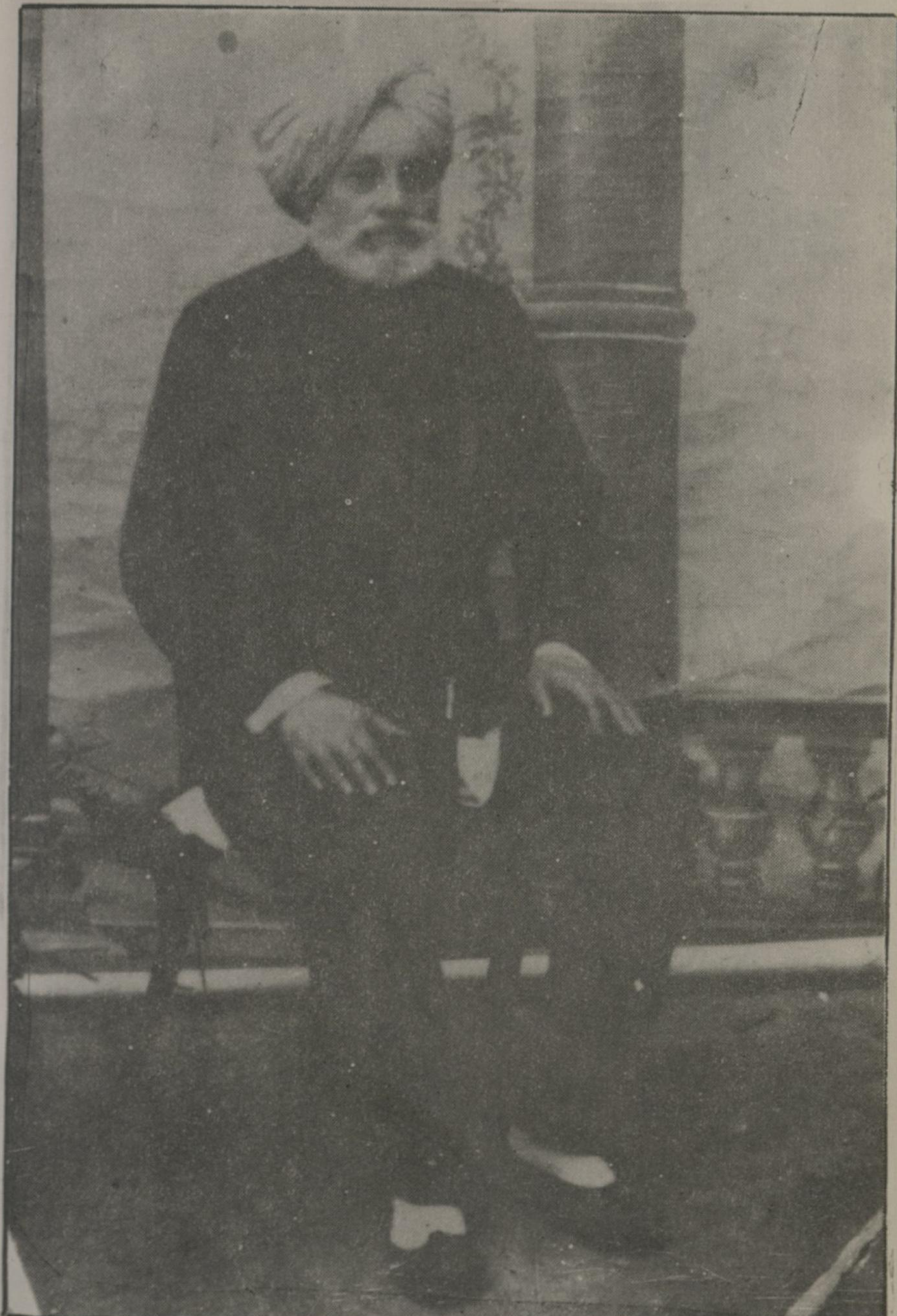
مطبع ——— کمبائن پرنٹرز، گارڈی ٹرسٹ بلڈنگ

نیپئر روڈ، لاہور

ناشر ——— المشرقی ریسرچ اکیڈمی گجرات (پاکستان)

قیمت ——— [redacted] روپے





خان عطاء محمد خان



کرائسٹ کالج کیمبرج۔ جہاں حضرت علامہ مشرقیؒ زیر تعلیم رہے۔



حضرۃ علامہ عنایت اللہ خان المشرقی رحمۃ اللہ علیہ

ایم اے (پنجاب ۱۹۰۶ء) ایم اے کیمبرج)، بی ایس سی، بی ای، بی او ایل، ایف آر ایس اے (۱۹۲۳ء) ایف
ایس اے، ایف جی ایس (پیرس)، ایف آر آئی پی ایچ (بذریعہ دعوت)، آئی ای ایس (مستعفی ۱۹۳۰ء)، رینگلر فونڈیشن سکالر،
بیچلر سکالر (کرائسٹ کالج) چار (اوّل درجے وغیرہ کے) ٹرائی پوس، پنجاب اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے ریکارڈ توڑے
پرنسپل اسلامیہ کالج، سینٹرل ٹریننگ کالج؛ حکومت ہند محکمہ تعلیم کا اوّل انڈر سکرٹری (۱۹۱۶ء)؛ ممبر دہلی یونیورسٹی بورڈ؛ ایک
ریاست کے وزیر اعظم کی پیشکش (۱۹۱۳ء)؛ سفارت کی پیشکش (۱۹۳۰ء) سر کے خطاب کی پیشکش (۱۹۲۱ء)؛ صدر میتھمیٹکل
سوسائٹی، مصنف تذکرہ شہرۂ آفاق محققین کی رائے میں "قومی تعمیر کا انتہائی کامیاب قانون"؛ "الٰہی معاشرت کا بے خطا گلستان"
مذہبی تحریرات کے لق ودق صحرا میں واحد نخلستان "یادگار شاہکار" (رائل سوسائٹی آف آرٹس) (۱۹۲۴ء)، مندوب اعلیٰ موتمر خلافت
قاہرہ (۱۹۲۶ء)، بانیٔ خاکسار تحریک (۱۹۳۰ء)؛ مندوب فلسطین عالمی کانفرنس صدر ورلڈ فیتھس کانفرنس (۱۹۳۶ء)
گولڈ میڈلسٹ ورلڈ سوسائٹی آف اسلام (پہلے حاصل کرنے والے صرف مصطفٰے کمال پاشا صدر
جمہوریہ ترکیہ و رضا شاہ پہلوی صدر جمہوریہ ایران)۔ ممبر انٹرنیشنل کانگریس آف اورینٹلسٹس
(لائیڈن) (۱۹۳۱ء)۔ بانیٔ اسلام لیگ، مصنف حدیث القرآن (۱۹۵۱ء)، مصنف تکملہ تذکرہ (اوّل)



جانِ جہاںؐ تو تھا ہی، معاً مجھ پہ چھا گیا!   جانے کی جا کہاں تھی، سو دل اس پہ آ گیا

پہچان کیا سکے گی مجھے، پست ہے نظر   قرنوں کے بعد بھی کوئی سمجھا تو "پا گیا"

جاؤں نگاہیاں سے میں تو دل پُر سکوں کے ساتھ   عیشِ گناہ میں "فتنۂ حق" میں مچا گیا

اے مہلتِ زمانہ! نہ کچھ کر کے دیکھ لے   ہونا وہی ہے بس جو میں علناً بتا گیا

کچھ فلسفی نہیں ہوں کہ لڑھکوں اِدھر اُدھر   سیدھے ستون میں حق کے زمین پر لگا گیا

اتمامِ قولِ ربّ تو ہے، تعمیل ہو نہ ہو!   میں سب سچائیوں کو سرِ راہ سجا گیا

صدیوں تلک سمجھ نہ سکو گے جو یوں رہے   اللہ کی بات مشرقیؔ جو کچھ سمجھا گیا

حضرت علامہ مشرقیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

۲۷۔ اگست ۱۹۶۳ء (بمطابق ۷۔ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ) بروز منگل شب ۹ بجکر ۵ منٹ پر خاکساروں کے عظیم المرتبت قائد ملت اسلامیہ کے مونس و غم گسار "تذکرہ" کے نامور مصنف، عظیم اسلامی عسکری تنظیم خاکسار تحریک کے بانی، عصر حاضر کے شہرہ آفاق سکالر، عظیم حسابدان، مایہ ناز سائنس دان، نقیب فطرت الحاج علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی علیہ الرحمتہ اس عالم فانی میں ۷۵ برس ۲ دن کا سفر زیست ختم کر کے را ہگرار عالم جاودانی ہوئے تو ریڈیو پاکستان نے رات پونے دس بجے اپنے پروگرام روک کر ہوا کے دوش پر جب یہ روح فرسا اور جگر پاش خبر نشر کی تو پرستاران مشرقی کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ ہر دل سوگوار اور ہر آنکھ اشک بار تھی۔ اخبارات نے اگلے روز سیاہ حاشیوں میں صفحہ اول پر تاریخ کی یہ اہم ترین ماتمی خبر جلی حروف میں شائع کی۔ اندرون و بیرون پاکستان خاکسار مجاہد اور ہمدرد و معاون سب اپنے عظیم اور محبوب قائد کے آخری دیدار کے لئے جانب لاہور چل پڑے۔ ۲۹ اگست کو بادشاہی مسجد اور حضوری باغ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ حد نگاہ تک سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ ان میں خاکسار بھی تھے اور عام لوگ بھی۔ یہ سب اسلامیان عالم کے اس جلیل القدر رہنما کی زندگی بھر کی جدوجہد کو خراج تحسین پیش کرنے آئے تھے۔ نماز جنازہ کے بعد اسی سہ پہر کو انہیں ان کی وصیت کے مطابق ادارہ علیہ ہندیہ کے مرکزی دفتر کی گراؤنڈ میں لاکھوں سوگواروں کے ہجوم میں بہتے ہوئے آنسوؤں اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا گیا۔ یہ وہ تاریخی مقام تھا جہاں علامہ المشرقیؒ نے ایک سادہ اور پر سکون خیمہ میں بیٹھ کر برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کو منظم کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ بیدار کرنے کے لے خاکسار تحریک کا آغاز کیا

تھا۔ اخبارات میں خصوصی مضامین اور سفر آخرت کی جھلکیوں کی اشاعت نے نئی نسل کو مضطرب کر دیا۔ سب کو اس مرد عظیم کے حالات زندگی اور جهد حیات سے متعلق تفصیلات جاننے کو مضطرب کر دیا۔ سب اس مرد عظیم کے حالات زندگی اور جهد حیات سے متعلق تفصیلات جاننے کے لیے بیتاب و بے قرار تھے لیکن مارکیٹ میں ایسی کوئی تصنیف موجود نہ تھی جو ان کی علمی تشنگی کو دور کر سکے۔ ان حالات میں میں نے اس فریضہ کو انجام دینے کا عزم کیا اور چند ماہ کے اندر اندر ایک تعارفی کتاب "المشرقی" کی صورت میں منصہ شہود پر آگئی۔ اشکوں کی سیاہی سے مرقوم اس کتاب کی توقع سے بڑھ کر پذیرائی ہوئی۔

میری اس تصنیف کے کم و بیش ۲۷ برس بعد کچھ دوستوں نے اس میدان میں پیش رفت ضرور کی لیکن وہ تشنگی دور نہ ہو سکی جو تاریخ کے طالب علموں کے قلب و ذہن میں موجود تھی۔ ہاں، ۱۹۸۵ء میں حکومت پاکستان کے قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد کی طرف سے اے ڈی مضطر کی مرتبہ کتاب "خاکسار تحریک اور آزادی ہند" نئی نسل کی معلومات میں اضافہ کا باعث ضرور بنی لیکن ایک مکمل اور جامع تصنیف کی ضرورت ہنوز باقی تھی جس کے ذریعے علامہ المشرقی" کے انداز تفکر، کردار و عمل جدوجہد اور مقاصد حیات کے تمام گوشوں سے نئی نسل کو روشناس کرایا جائے اور تاریخ کے چہرے پر پڑے ہوئے نقاب الٹ کر انہیں اصل حقائق سے آگاہ کیا جائے۔

میں نے اپنی تصنیف المشرقی (۱۹۶۳ء) کی اشاعت کے ساتھ ہی ان خطوط پر آغاز کار کردیا تھا لیکن کچھ ذاتی مجبوریوں اور پھر میاں بشیر احمد صدیقی مرحوم کی ذاتی او رخصوصی دعوت پر جریدہ "الاصلاح" کی ادارت کی ذمہ داریوں کے باعث اشاعت کا کام معرض التواء میں پڑا رہا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی رہی اور اب میں نے محترم حمیدالدین احمد ابن علامہ المشرقی" اور دیگر احباب کے مسلسل اصرار پر اپنی تمام تر مصروفیتوں سے قطع نظر کئی برسوں سے جمع کردہ مواد کے مسودات کو از سر نو ترتیب دینا شروع کردیا ہے۔ پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے اور باقی جلدیں وقتاً" فوقتاً" آپ کے سامنے آتی رہیں گی۔ ان کے مطالعہ سے یقیناً آپ یہ محسوس کریں گے کہ معلومات اور دستاویزی حوالہ جات سے

مزین اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے جو اس رجل عظیم کو بہ حیثیت ایک انسان نہ صرف اپنی تمام تر عظمتوں کے ساتھ پیش کرتی ہے بلکہ وہ پیش آمدہ مشکلات و موانعات کے خلاف جملہ انسانی توانائیوں سمیت مصروف جدوجہد نظر آتے ہیں۔ ان کی جہد حیات کے تمام واقعات صحیح تاریخی تناظر میں مجتمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ علامہ المشرقی" کی حیات و خدمات پر ایک فکر انگیز، تجزیاتی، محققانہ اور جزئیات نگاری سے بھرپور تصنیف ہے جسے مصنف نے کئی سال کی محنت شاقہ، طویل تحقیق اور انتھک کاوش کے بعد سپرد قلم کیا ہے۔ یہ تصنیف علامہ المشرقی" اور ان کی سیاست کو سمجھنے کے لئے لکھی جانے والی تحریروں سے نہ صرف اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے بلکہ علامہ المشرقی" اور ان کی خاکسار تحریک کے بارے میں مزید تحقیق کی راہیں اجاگر کرنے کا باعث ہوسکتی ہے۔ اس تصنیف کا مقصد ان غلط فہمیوں کو بھی دور کرنا ہے جو بعض اہل قلم نے قصہ چہار درویش کی طرح رنگینیاں پیدا کرنے کے لئے پھیلا رکھی ہیں۔ ان لوگوں کے مبلغ علم کو عریاں کرنا بھی مقصود ہے جو تاریخ آزادی پاک وہند کو مسخ کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بتانا بھی پیش نظر ہے کہ تاریخ قوموں کا حافظہ ہوتی ہے اور جو قوم اپنی تاریخ بھلا دیتی ہے گویا اپنے حافظے سے محروم ہوجاتی ہے۔ تاریخ قوموں کی آبرو ہوتی ہے اور جو قوم اپنی تاریخ سے بیگانہ، غافل اور لاتعلق ہوگی وہ دنیا کے نقشہ پر کبھی نقش دوام بن کر نہیں رہ سکتی۔ علامہ المشرقی" کی جدوجہد ایک مکمل تاریخ ہے جو اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی تمام تر تاریخی تفصیلات ترتیب دی جائیں جس سے نہ صرف ہم آگاہ ہوں بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے ریکارڈ کی صورت میں محفوظ ہو سکیں۔

تاریخ کی یہ سب سے بڑی بد نصیبی ہے کہ اقتدار جس کے ہاتھوں میں آیا اس نے اپنی مرضی و منشاء کے مطابق اسے ترتیب دے لیا۔ حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے واقعات کو توڑ مروڑ کر اس طرح پیش کیا گیا کہ صحیح اور اصلی جدوجہد گردوغبار کی دبیز تہوں میں دب کر رہ گئی۔ علامہ المشرقی" کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ قلم فروش قلم کاروں نے پردہ نگاری کے کسی معشوق کی خوشنودی کی خاطر قرون اولیٰ کے نبویؐ اسلام کے غلبہ اور نفاذ کے اس علمبردار اعظم کی جہد زیست کو سبوتاژ کرنے کی خوفناک سازش کر ڈالی کہ یہ طریق عمل انگریزوں، ہندوؤں اور خود بعض مسلمانوں کے نزدیک پسندیدہ

نہ تھا انہوں نے المشرقیؒ کے خلاف کردار کشی کی مہم چلائی۔ نئی نسل کو اصل حقائق سے غافل و بے خبر رکھنے کی سازش کی۔ تاریخ کی آڑ میں اور تاریخ کے نام پر ایسے ایسے لوگوں کو منظر عام پر لانے کی سازش کی گئی، جن کا قومی جدوجہد سے ادنیٰ سا تعلق نہ رہا تھا۔ اس نا انصافی پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے "عصائے کلیم" کے غیر جانبدار مصنف چوہدری محمد شریف سلیمی (ثمر گجراتی) ایڈووکیٹ کو اپنے دیباچہ میں لکھنا پڑا۔ "افسوس کہ آج تک دنیا ہر صاحب ہوش کو دیوانہ ہی کہتی آئی ہے خواہ وہ علامہ محمد اقبالؒ ہوں یا علامہ عنایت اللہ خان المشرقیؒ ہوں۔ خوش قسمتی ہے علامہ محمد اقبال کی کہ دنیا نے ان کے مقام کو کچھ سمجھ لیا ہے لیکن وائے حسرت کہ علامہ عنایت اللہ خان المشرقیؒ جیسے بلند کردار اور راست گو انسان کو دنیائے اسلام نے خاص طور پر ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں نے آج تک نہیں سمجھا اور نہ ہی علامہ موصوف کے اعلیٰ و ارفع مقام کا صحیح تعین کر سکے ہیں۔ حالانکہ مغربی دنیا نے علامہ عنایت اللہ خان المشرقیؒ کو ایک بلند پایہ سکالر اور مفکر اسلام قرار دیا ہے"۔

یہ تاریخ پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ محض سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق تاریخ کے نام پر پیش کیا جائے۔ تاریخ کی دیانت دارانہ تدوین ایک بہت مشکل کام ہے اور یہ شرف بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ تاریخ نویسی کی اہمیت اور تقدیس کو ملحوظ خاطر رکھ سکیں۔ اگر یہ لوگ لغزشوں کا شکار ہو جائیں تو قومی فکر میں پختگی اور مثبت رویہ کی بجائے غلط فہمیوں، غلط سوچ او رذہنی انتشار جنم لیتے ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ علامہ المشرقیؒ کے ساتھ برسوں سے مجرمانہ تغافل برتا گیا اور ان کے خلاف یگانوں بیگانوں نے کذب و افترا کا وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا جسے پڑھ کر عقل ہنستی ہے۔ علم روتا ہے اور انصاف محوحیرت ہے! آج ایسے ایسے ماہرین نظر آتے ہیں جو ایک چٹکی تو کیا چٹکلے میں تاریخ بدل ڈالتے ہیں، لیکن تاریخ کی عدالت میں حقائق کے سوا کوئی گواہ نہیں ہوتا۔ تاریخ اپنے فیصلے بڑی بے رحمی سے وقت مقررہ پر صادر کر دیتی ہے چاہے کسی فرد کو پسند ہوں یا کسی قوم کو ناگوار گزریں۔ ان فیصلوں سے گریز بھیانک تباہی اور خوفناک بربادی کی شکل میں منصہ شہود پر آتا ہے۔ ایسی تباہی جو افراد کو گمنام اور ایسی بربادی جو قوموں کو خس و خاشاک کر دیتی ہے۔ ہوش کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو آج پوری قوم مستقبل گریز عادت کی وجہ سے وقت کی عدالت کے سامنے کھڑی ہے۔

اگر اب بھی ہوش مندی' جرات' دیانت اور عزم و استقلال کا مظاہرہ ہو تو ماضی کی غلطیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

علامہ المشرقی" ------ مغربی حکمت و فلسفہ کی تمام پیچیدگیوں سے کماحقہ آگاہ تھے۔ عربی' فارسی اور اردو ادبیات کے بہترین رمز شناس تھے۔ وہ مادی علوم میں عالمگیر شہرت کے مالک اور قرآن حکیم کے مفسروں کے سرتاج اور عالمان حدیث کے سرکردہ تھے۔ انہوں نے "تذکرہ" کی یادگار زمانہ تصنیف کے ذریعے خالق کائنات کا حقیقی منشاء و مقصود مسلمانوں تک پہنچایا۔ وہ اپنی زندگی میں انتہائی غور و خوض کے بعد ایک حتمی نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ انسانی زندگی میں خدا کے قانون کے سوا کسی اور قانون کی کارفرمائی وجہ جواز نہیں رکھتی۔ عالم فطرت میں تمام عالموں کے لئے اگر کوئی قانون سرچشمہ رحمت ہو سکتا ہے تو وہ قرآن و حدیث ہی کی تعلیمات پر مبنی لائحہ عمل ہے۔ علامہ المشرقی" نے "تذکرہ" سے لے کر "تکملہ" تک ہر مسلمان مرد و عورت کو ایک ہی نقطہ سمجھایا کہ وہ نہ صرف خود اپنی زندگی میں قرآن حکیم کی تعلیمات پر کاربند ہوں بلکہ اس عالم آراء قانون فطرت کو ساری دنیا میں رائج اور عملاً نافذ کرنے کے لئے کمربستہ ہوں۔ غلبہ اسلام کا قرآنی پیغام علامہ موصوف کے نزدیک ایک ابدی صداقت ہے۔ انہیں یقین تھا کہ قرآن کے سرچشمہ ازلی سے سرشار ہونے والے افراد ہی قوموں کی امامت کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دے سکتے ہیں۔

علامہ المشرقی" کو رہنمایان عالم میں ایک منفرد اور خصوصی مقام حاصل ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس دور کے کسی رہنما میں بھی فکرو عمل کی مشترک خصوصیت نہیں ملتی۔ مارکس' اینجلز اور روسو ایک نئی دعوت فکر دے سکتے ہیں۔ لیکن اس فکر کو ایک جیتے جاگتے انقلاب کی صورت عطا کرنے کے لئے ان کی قوموں کو کسی لینن' ٹرانسکی اور سٹالن کا انتظار کرنا پڑا۔ نامق کمال ترکوں کی خوابیدہ روح کو اپنے قلم سے زندگی کی حرارت دے سکتا تھا لیکن انہیں میدان جنگ کے خوفناک دھماکوں میں لاکر سرکف کھڑا کرنے کے لئے کسی کمال اتاترک کی ضرورت تھی۔ نیٹشے کا فلسفہ جرمنوں کے سینوں میں ایک نئی آگ بھڑکا سکتا تھا لیکن انہیں عالمگیر جنگ کی ہولناکیوں سے ٹکرانے کا اعزاز ہر ہٹلر کی قسمت میں لکھا تھا۔ اقبال نے ہندو سامراج کے اندیشہ ہائے دور و دراز میں مسلم انڈیا کا تصور پیش کیا اور چوہدری رحمت علی نے "پاکستان" کا نام پیش کر

کے نیا راستہ دکھا دیا لیکن اس مملکت کو محسوس و مشہود پیکر عطا کرنے کے لئے محمد علی جناح کی وکالت اور دس کروڑ مسلمانوں کے تعاون اور قربانیوں کی ضرورت تھی۔ یہ زعمائے کرام یا تو حکیم انقلاب کی حیثیت رکھتے تھے یا پھر سالاران انقلاب کی۔

لیکن علامہ المشرقی " بیک وقت ایک داعی انقلاب اور سالار انقلاب کا منصب رکھتے تھے۔ انہوں نے پہلے "تذکرہ" کے ذریعے ایک فکری و ذہنی انقلاب کی دعوت پیش کی اور پھر اسے ایک عسکری انقلاب کے پیکروں میں ڈھالنے کے لئے مردانہ وار میدان عمل میں اتر آئے اور اپنے سارے علمی کارنامے اور اعزازات کو اس طرح جھٹک کر ایک طرف رکھ دیا گویا ان سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے انقلابی افکار کو اس طرح عملی پیکروں میں سمو دیا کہ ان کے فکر و عمل کے اجتماعی خاکے میں خط امتیاز قائم کرنا ممکن نہ رہا۔ چشم فلک نے گردش لیل و نہار کے درمیان شاید ہی کبھی ایسا منظر دیکھا ہو کہ جو شخصیت ایک دن علمی بارگاہوں میں عالمگیر عظمت و شہرت کے پرچم اڑاتی نظر آئی تھی چند سال بعد وہ بیلچہ اٹھائے گندی نالیاں صاف کر رہی تھی اور کوئی بھی یہ باور نہیں کر سکتا تھا کہ دنیائے علم کا فاتح اعظم جس نے صرف چوبیس برس کی عمر میں مشرق و مغرب کی جامعات میں اپنی علمی وجاہت کے جھنڈے گاڑ کر ایک دنیا کو انگشت بدنداں کر دیا تھا' اس راہ قلندر کو بھی اختیار کر سکتا ہے۔

یہ عظیم سالار انقلاب زندگی کے آخری سانس تک قوم کے غلبہ و عروج کی جنگ لڑتا رہا اور ہمارے لئے کردار و عمل کا بیش بہا خزینہ چھوڑ گیا جو اب پوری ملت کی متاع عزیز ہے اور زندگی کی آئندہ منزلوں پر اس سے نشان منزل کے طور پر بہت کچھ کام میں لایا جاسکتا ہے اور اسی کی نشاندہی کرنا زیر نظر تصنیف کا مقصود و منتہا ہے۔ خدا کرے ہماری قوم اس سے کماحقہ استفادہ کرنے کے قابل ہو سکے۔

۳۱/ اکتوبر ۱۹۹۳ء ڈاکٹر محمد عظمت اللہ بھٹی

۳۰ سال قبل

المشرقی (نقش اول) کی تمہید

قومی کردار کا فقدان کسی ملت کی ہلاکت اور تباہی کا نشان اول ہے قومی کردار چراغ کا تیل ہے۔ چراغ اس وقت تک چراغاں رہتا ہے جب تک تیل اس میں موجود رہتا ہے۔ بعض اوقات چراغ میں تیل ہونے کے باوجود ہوا کا کوئی تند و تیز جھونکا اسے بجھا دیتا ہے بظاہر اس کی روشنی ختم ہو جاتی ہے لیکن فی الحقیقت اس کی روح نور ختم نہیں ہوتی۔ اسے ماچس دکھانے سے لو پھر روشن ہو جاتی ہے گویا بجھ کر بھی سینہ میں نور کی طاقت زندہ رکھتا ہے۔

بعینہ یہ حالت اس قوم کی ہے جس کے پاس ایک روحانیت انگیز لائحہ عمل موجود ہو لیکن کسی کرشمہ باطل کے اعجاز سے اس کی طاقت منتشر ہو چکی ہو۔ ان حالات میں دیانت دار رہنما قوم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے تمام انسانی ذرائع بروئے کار لاتا ہے۔ قوم کو اس کے اصل مقام سے آشنا کراتا ہے اور اسے اپنا فرض ادا کرنے کے لئے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کرنے کی سعی وجہد کرتا ہے۔ ایک ایک فرد کے ذہن نشین کراتا ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنی اپنی صفات اور اختیارات کے باوجود ایک مخصوص ضابطہ حیات کا پابند ہے۔ اس پر مذہب' ثقافت' معاشرت اور معیشت کی طرف سے کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ اسے کچھ ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں جنہیں پورا کرنا اس کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ فرمان نبوتؐ ہے کہ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص جوابدہ۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے افعال کی نیکی اور بدی کا ذمہ دار ہے۔ غلطیوں اور کوتاہیوں۔ بدعنوانیوں اور خطاؤں کا جوابدہ ہے۔ فرد اگر نیک دیانت دار اور سچا ہو تو معاشرہ یقیناً اس کا اثر قبول کرے گا اور یہ اثر قومی مزاج میں رچ بس جائے گا۔ اس لئے اجتماعی اصلاح سے پہلے انفرادی اصلاح لازم ہے۔ یہ سب کام ضمیر کی روشنی میں انجام پا سکتے ہیں۔ ضمیر ایک گھنٹی ہے جو انسان کو ہر لحظہ اور ہر گھڑی نیکی اور بدی کے ہر موڑ پر خبردار کرتی ہے۔

جس قوم کے افراد کی ضمیریں زندہ ہوتی ہیں ان کے اعمال بھی درست ہوتے ہیں

کیونکہ ضمیر انسان کے اعمال پر سب سے بڑی نگران ہے۔ ضمیر ہی انسان کو خدا کے حکموں کی پابندی سکھاتی ہے۔ جب تک کسی قوم کی ضمیریں زندہ رہتی ہیں۔ قوم کے اعمال خدا کے بنائے ہوئے رستے پر لگتے ہیں اور ہر فرد اپنے اپنے مقام سے آشنا رہتا ہے اور جب ہر فرد اپنے اپنے درجات سے واقف ہو جاتا ہے جو قدرت نے اس کے لئے مقرر کئے ہیں تو انسان کی زندگی بے حد دلفریب پاک اور صاف ہو جاتی ہے۔

ہے بشر میں اک ضمیر' آواز جس کی ہے جرس
قافلے سارے کو ہے اک رحمتہ للعالمین (المشرقی")

جب تک کسی قوم کی ضمیریں زندہ رہتی ہیں قوم اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ اصولوں پر گامزن رہتی ہے اور انعامات خداوندی سے مالا مال رہتی ہے۔ دنیا کے لہو و لعب میں مبتلا انسان شاید اس حقیقت سے غافل ہیں کہ یہ دنیا عمل اور جدوجہد کی جگہ ہے۔ غفلت سستی اور کاہلی کی یہاں قطعاً" کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ دنیا میں فاطر زمین و آسمان نے جو ہزاروں سچائیاں پیدا کر رکھی ہیں عبرت کے لئے ہیں۔ بے مقصد اور بے مطلب ہر گز نہیں۔ یہاں ہر وہ شے انعام خداوندی کی حقدار ہے جو فرمانبردار ہے۔ ہر مخالف اور نافرمان جو سکون دامن کو فنا کر دینے کے لئے سرگرم ہے۔ نظام خداوندی میں رخنہ اندازی پیدا کر کے اپنا الو سیدھا کرنے کا خواہاں ہے' من گھڑت اور فرضی باتوں کو اللہ تعالیٰ کا قانون کہہ کر انسانوں کو غلط راہوں پر لگا کر عزت افزائی چاہتا ہے۔ خلق خدا کو سیدھی راہوں سے ہٹا کر اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے' کسی عنوان کامیاب نہیں ہو سکتا۔ قانون فطرت کی رو سے اس کا مٹ جانا اٹل ہے کسی سرکش کو قانون خدا سے فرار نہیں ' یقیناً اس کی سزا اسے ملتی ہے تمام کائنات پر قہار و جبار خدا کی عظیم الشان اٹل بادشاہت کے مقابل بڑی سے بڑی دنیاوی حکومت بھی بے حقیقت ہے۔ قرآن کے اوراق ایسی صدہا قوموں کی مثالیں پیش کرتے ہیں جنہوں نے رب دو جہان کے قوانین سے روگردانی اختیار کی اور ذلت و گمراہی کے غار میں گر کر نابود ہو گئیں۔ کائنات عالم کا ذرہ ذرہ کتاب قدرت کا روشن باب ہے جو انسانیت کے تاریک گوشوں میں فکر و نظر کی قندیل چراغاں کر رہا ہے۔

اسلام نے اپنے پیروؤں کو مراتب علیا کے لحاظ سے عرش پر پہنچا دینے کے زریں اصول پیش کئے جن پر عمل کرنے سے اخلاق فاضلہ کے اعتبار سے رشک ملائکہ بنا

جاسکتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق پر آج بھی اسلامی معاشرے کے دامن میں کردار کی تعمیر و عظمت کے بے شمار پھول دل و نگاہ کی تروتازگی کے لئے موجود ہیں۔ یہ ملت کی اساس ہیں اور قوم اس پر عزت و وقار کے شیش محل تعمیر کرسکتی ہے۔

قرآن مقدس نے اسلام کو عالمگیر اور جہان بان کرنے کے لئے تالیف قلوب کی سیاست سکھائی اسی پر عمل کرنے کی وجہ سے اسلامی بادشاہوں نے ہندوستان میں اپنی سلطنت کی بنیادوں کو بارہ سو برس تک مضبوط رکھا۔ اور مغلوں نے جب تک خدائی انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑا' خدا نے ان کی حکومت کو ایک ہزار برس تک نہ چھیڑا۔ رعیت یکساں خوش حال تھی۔ مسجدوں کے پہلو بہ پہلو مندر بھی تعمیر ہوئے۔ ہندو اپنے مسلمان حاکم کو دیوتا مانتے تھے اور جب تک بادشاہ سلامت جھروکہ میں بیٹھ کر درشن نہیں دیتے تھے ہندو رعایا اپنے روز مرہ کے کاروبار شروع ہی نہ کرتی تھی۔ دریائے جمنا کے کنارے ہندو مردوں اور عورتوں کا جم غفیر اشنان کر چکنے کے بعد جھروکہ کی طرف نظریں اٹھائے بے تابی سے منتظر رہتا تھا کہ کب درشن ہوں اور واپس جائیں کوئی شخص نہائے بغیر درشنوں میں شریک نہ ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو دن بھر کے لئے انتہائی بدقسمت سمجھتا اور کاروبار میں ضرور نقصان اٹھاتا تھا۔

مگر جب شاہان مغلیہ نے انصاف ہاتھ سے دے دیا۔ فسق و فجور اور شراب و زنا ان کی گھٹی میں پڑ گئی تو ان کی ہر دلعزیزی ختم ہو گئی۔ رعایا بددل ہو گئی۔ دہلی کے لال قلعہ میں فرشی شطرنج پر مہروں کی بجائے عورتوں کی ہار جیت شرمناک طریقہ پر ہونے لگی اور اس رسوا کن حرکت سے شیطان لعین بھی شرما گیا۔ خدائی غیرت بھڑکی۔ خدائے قہار و جبار نے ان لوگوں کی بد اعمالیوں کے صلہ میں اپنی آہنی گرفت سے انہیں منہ کے بل گرا دیا اور کسی دوسری قوم کو کئی ہزار میل دور سے لاکر مسلط کردیا۔

مغلوں کی اپنے دور اقتدار میں تالیف قلوب کا سب سے موثر نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۵۷ء کے آخری انقلاب میں ہندوستان کی اسلامی فوجوں کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی فوجوں نے بھی ابو ظفر بہادر شاہ کو تخت دہلی پر بٹھانے کے لئے ہزاروں جانیں دیں۔ خون کی سیاہی سے صفحہ زمین پر لکھ کر ابدالاو تک ثابت کردیا کہ مغلیہ سلطنت کا راج باشندگان ہندوستان کے لئے آیہ رحمت تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کم از کم ساٹھ برس تک مسلمان اور

غیر مسلم باہم شیرو شکر رہے اور ایک دوسرے سے بڑی حد تک تعاون کرتے رہے۔
۱۹۰۶ء کے بعد سیاسی پارٹیاں صرف اس لئے معرض وجود میں لائی گئیں کہ برعظیم کی سب ہمسایہ قوموں میں باہمی سرپھٹول ہو اور ان کی طاقت اور قوت کا آخری نشان بھی مٹ جائے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کو مستقل طور پر دبانے کی پالیسی اختیار کرلی' کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں سے حکومت چھنی ہے۔ ان کے دماغوں میں حکمرانی کی بو ہے اس لئے مسلمانوں کو اس قدر کچلا جائے کہ ان میں اقتدار کی دوبارہ خواہش پیدا نہ ہونے پائے۔ اسی لئے انگریز نے ہندوؤں کی ترقی کے مواقع وسیع تر کروئے اور مسلمان پسماندہ رہ گئے۔

جدوجہد آزادی

برعظیم پاک وہند میں انگریزی سامراج کے خلاف روز اول سے ہی سخت قسم کی جدوجہد جاری رہی۔ انگریزی اقتدار سے نجات حاصل کرنے اور انہیں سمندر پار دھکیلنے کے لئے ٹیپو سلطان علیہ الرحمتہ سے لیکر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک ہزاروں لاکھوں فرزندان ملک وملت نے اپنا لہو پیش کیا۔
بیسویں صدی کے اوائل تک کا دور ایک ہولناک سناٹے پر مشتمل تھا اس صدی کے دوسرے عشرے میں ہندوستان میں بے چینی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اس کی ابتداء کا سہرا فرزندان اسلام کے سر ہے۔ مسلمانوں نے ہر محاذ پر اپنے ہم وطنوں کی رہنمائی کی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سید احمد شہید یا پلاسی کی جنگ سے لیکر نیوی کی بغاوت اور بھگت سنگھ تک تمام انقلابی تحریکوں میں مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں وہ ہماری تاریخ کا سنہری باب ہیں۔ ہندو لیڈروں نے محض ذاتی اغراض کے لئے ان تحریکوں میں حصہ لیا اور مفاد حاصل کرنے کے بعد صاف آنکھیں پھیرلیں۔
مسلمانوں نے انگریزی استعمار سے نجات کے لئے اپنی جدوجہد پوری سرگرمی کے ساتھ جاری رکھی۔انگریزوں نے برعظیم کی حکومت مسلمانوں کے قبضہ سے چھینی تھی اس لئے مسلمانوں کو اپنی محرومی یا غلامی کا فطری طور پر سب سے زیادہ دکھ تھا۔ مسلمانوں نے ۱۱۴۵ برس تک برعظیم کے طول و عرض میں بلاشرکت غیرے حکمرانی کی

تھی اس لئے ظاہر ہے کہ وہ غلامی کو کسی عنوان قبول نہیں کر سکتے تھے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو "حریت فکر و عمل" کی دولت سے مالا مال کیا ہے جب کہ دوسرے مذاہب میں "غلامی" سے سمجھوتہ کرلینے کا اذن عام ہے۔ ایک مغربی مفکر لکھتا ہے کہ قرآن میں مسلمانوں کو زندگی کے تمام ضوابط سے آگاہ کردیا گیا ہے لیکن انہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ غلامی میں کس طرح زندگی بسر کریں کیونکہ مسلمانوں پر غلامی کی زندگی "حرام" قرار دے دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے جس خطے میں بھی آزادی کا نعرہ بلند ہوا۔ مسلمانوں نے آزادی چاہنے والی قوم کی غیر مشروط طور پر حمایت کی۔

۱۸۵۷ء کے خونین انقلاب نے ملت اسلامیہ کے آفتاب اقبال کے پھر سے طلوع ہونے کے آثار و شواہد بظاہر نابود کر دیئے۔ یہ امید ختم ہوگئی کہ ملت کے مقدر کا ستارہ پھر کبھی بلند ہو گا اور ملت اپنے کھوئے ہوئے وقار و سربلندی کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرے گی۔ لیکن قدرت کی فیاضیوں کو کون روک سکتا ہے۔ رحمت حق جوش میں آئی اور فلک نیلی فام نے دیکھا کہ ہندوستان کی خشک کھیتیوں کو آزادی کے نعروں سے سرسبز و شاداب کرنے کے لئے امت محمدیؐ کو پہلے تمام انگریز نواز گروہوں سے الگ تھلگ راہوں پر چلانے کے لئے ایک مرد مجاہد میدان عمل میں دیوانہ وار کودا۔ اس نے پچھلی تمام تحریکوں کے پروگراموں کو ناکارہ قرار دے کر مسلمان کو غلبہ اسلام کا نعرہ مستانہ پیش کیا اور قوم کو بتایا کہ رسول خدا کے آزمودہ دین اسلام پر عمل کرنے سے ہی مسلمان پھر سربلند ہو سکتا ہے اس نے تاریخ اسلام کے اوراق پارینہ کو الٹ کر قوم کے سامنے پیش کیا اور اعلان کیا کہ:

مسلمان جب تک سپاہی بنے رہے تمام دنیا کو فتح کرتے گئے' ان میں اخلاق کی بلندی ' نظر کی وسعت ' معیشت کی سادگی ' جفاکشی ' اطاعت امیر سادہ لباس سادہ خوراک صداقت ' طبیعت کی سادگی ' اخلاص ' بھولاپن ' پاکیزگی ' اتحاد عمل سب کچھ صرف اس لئے قائم رہا کہ وہ سپاہی تھے۔ جب آرام کوشی اور نفس پسندی نے ان کو قرآن پر عمل کی بجائے کتابوں کے مطالعے میں لگا دیا' فتح و ظفر کا تمام سلسلہ یکسر ختم ہو گیا۔ تمام اخلاقی بیماریاں ' حسد ' بغض ' ذاتیات ' عیش و عشرت ' تفرقہ ' تنگ نظریاں سب یک بیک آ گئیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ اگلی قومیں لکھنے سے

گمراہ ہوئیں۔ "اس فتنہ کتابت" کی وجہ سے آج مسلمان قرآن کو بالائے طاق رکھ کر بیٹھا ہے، خدا سے صریح دھوکہ کرتا ہے، نفس کو طرح طرح کی تسلیاں دیتا ہے، شرعی حیلے وضع کرتا ہے تمام دنیا کو فریب دیکر اپنی جان کو آرام میں رکھتا ہے۔ مختلف دکانیں سجاتا ہے، فرقہ بندیوں میں مبتلا ہے، قرآن کی صریح تحریف کرتا ہے، مسلم اور ناقابل تاویل آیتوں سے بھی گریز کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ انگریزوں نے جب ہندوستان کو فتح کیا، انگلستان میں ایک مدرسہ نہ تھا۔ قوموں کے بڑے لیڈر دیکھ لو اب بھی کسی یونیورسٹی کے پاس شدہ بی اے، ایم اے اکثر نہیں ہوتے۔ میں خود جب تک تمام اگلا پڑھا ہوا بھول نہ گیا، قوم کی بیماری کو سمجھ نہ سکا۔ "تذکرہ" اس وقت لکھا جب تمام کتابوں سے بے نیاز ہوگیا۔ اس وقت میری میز پر ایک کتاب نہ تھی جو لکھا قلم برداشتہ لکھا اور اسی لئے جو لکھا ہمیشہ کے لئے ایک مستقل اور لازوال حقیقت ہے!"

اس مرد قلندر نے مسلمان کو پھر سے سربلند ہونے کا آسان نسخہ پیش کیا کہ:

"اگر اس دنیا میں اپنی گزشتہ عظمت اور بادشاہت کو پھر لینا چاہتے ہو، اگر آگے چل کر روز قیامت کو کسی قسم کے ادنیٰ ثواب کے منتظر ہو تو قرآن کو خود دیکھ کر نئے سرے سے مسلمان بنو، قرآن خوش قسمتی سے وہ کتاب ہے جس کا آج تک ایک حرف نہیں بدلا، معمولی سا اردو ترجمہ لو جس پر کسی مولوی یا ملا، کسی مفسر یا محدث کی کوئی حاشیہ آرائی نہ ہوئی ہو۔ صرف اس بات کو مدنظر رکھو کہ قرآن حکموں کی کتاب ہے، عقیدوں اور مناظروں کی کتاب نہیں، اس کا ہر حکم اللہ کی طرف سے ہے، اس لئے ہر حکم برابر ہے۔ اس میں صرف نماز اور روزے، حج اور زکوٰۃ ہی کا حکم نہیں بلکہ بہت سے اور حکم ایسے ہیں جو ان سب سے بدرجہا ضروری ہیں، اس میں بیسیوں احکام ایسے ہیں جن کے نہ کرنے کی سزا جہنم ہے۔ جن کے کرنے کی جزا جنت ہے۔ جتنی سخت سزا ہے۔ اتنا ہی ضروری حکم ہے اور اس جرم سے اتنا ہی بچتے رہنا صحیح مسلمانی ہے۔"

بطل حریت علامہ مشرقی کی مجاہدانہ للکار نے خوابیدہ سینوں میں ایک نئی لگن لگا دی۔ مردہ جسموں میں ایک نئی تڑپ پیدا ہونے لگی۔ اس سحر آفرین شخصیت کے مجاہدانہ عزم و عمل نے نہایت ہی قلیل مدت میں پشاور سے راس کماری اور کلکتہ سے رنگون تک ہندی مسلمانوں کے بخت خفتہ کو بیدار کردیا۔ اخوت و مساوات کی ایک بے مثال لہر اوقیاس کے مغربی ساحلوں سے لیکر بحرالکاہل کے مشرقی کناروں تک دوڑا دی اور دول

افرنگ نے پہلی بار یہ محسوس کیا کہ ان کے گلوئے استعمار میں اگر کوئی کانٹا پھنس رہا ہے تو وہ محکوم ہندی مسلمان کا کانٹا ہے اور اس کی ہوس ملک گیری کے لئے یہی نوخیز فتنہ ہے جسے عنایت اللہ خان المشرقی خاکسار تحریک کے نام پر ابھار رہا ہے۔

حکمران قوم نے کسی غلام قوم میں جسمانی زور دیکھنا کبھی گوارا نہیں کیا' علامہ کی تمام تر جدوجہد غلبہ اسلام کے لئے تھی اور یہ ایک ایسا مقصد تھا جس کے حصول کے لئے وہ سمجھتے تھے کہ عام مسلمانوں کو بھی فن حرب اور عسکری انداز سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے بلکہ اس سلسلے میں انہیں پورے طور پر تیار رہنا چاہئے تاکہ اگر تصادم کی صورت پیدا ہو جائے تو مسلمان کو اپنے تیار نہ ہونے کا افسوس نہ رہے۔ اسی احساس کے پیش نظر انہوں نے اپنی تحریک کو قریہ قریہ کوبہ کو پھیلانے اور اس کی بنیادیں مضبوط تر کردینے کی جرات مندانہ سعی وجہد کی۔ ایک مصلح کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مشرقی نے نوجوانوں کے ذہن بدل دیئے۔ ان کے دل و دماغ سے شیعہ سنی وہابی وغیرہ وغیرہ کا احساس ختم کردیا اور انہیں ایک پختہ اور عام مسلمان کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اس سے فرقہ وارانہ عصبیت کی حوصلہ شکنی ہوئی جو یقیناً اتحاد بین المسلمین کے لئے وقت کی سب سے بڑی خدمت تھی۔ تحریک میں شامل ہونے والوں کی ایسی کایا کلپ کی کہ گزشتہ بداطواریوں کی بیخ کنی ہو گئی۔ بڑے بڑے گمراہ اور بد چلن اس تحریک میں شامل ہوئے مگر علامہ مشرقی کی تربیت نے کمال خوش اسلوبی سے ان کی اصلاح کی۔ قوم کی اخلاقی سربلندی کے لئے یہ معمولی کام نہیں تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنے حامیوں میں بے مزد کام کرنے کا جذبہ پیدا کیا جسے حقیقتاً ایک انسانی اعجاز سمجھنا چاہئے۔ معاوضے کے لالچ سے قطع نظر خاکساروں کا وقف علی الخدمت ہونا حضرت علامہ مشرقی کا بہت بڑا سحر تھا۔

وہ لوگ جو یہ پوچھتے ہوئے ادنیٰ سی شرم اور جھجک محسوس نہیں کرتے کہ حضرت علامہ کی زندگی کا مقصد کیا تھا؟ انہوں نے شاید خاکسار تحریک اور اس کے چوبیس اصول اور چودہ نکات کا بغور مطالعہ نہیں کیا ورنہ انہیں علم ہو جاتا کہ خاکسار تحریک کیا تھی؟ تحریک کے چوبیس اصول اور چودہ نکات اس کی عالمگیر سیاست کے صحیح مظہر ہیں مشرقی مسلمانوں کو ان کے حقیقی مقام کی طرف لانا چاہتے تھے جس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہو سکے۔ وہ قوم کو فطرت کی قائم کردہ راہوں پر چلاکر آقائی اور پیشوائی کی بلند ترین

منزل تک لے جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس راہ میں کچھ لوٹا نہیں بلکہ اپنا سب کچھ لٹا کر اسلام کو غالب کر دینے کی عالمگیر جدوجہد کی۔ انہوں نے مسلمان کو برعظیم میں پھر باوقار بنانے کے لئے جہاد بالسیف کا سبق دیا اور بتایا کہ مغل سلطنت کا آخری بے نام و نشان بادشاہ تیمور اور بابر کے تہلکہ انگیز کارناموں کو بھول کر جب ایک ادنیٰ عشق گو اور قافیہ ساز لغو نویس بن گیا تو ایک ہزار برس کے جہاد سے پیدا کی ہوئی عظیم الشان سلطنت ہاتھوں سے کھو بیٹھا۔

مشرقی نے قوم کو اس وقت جھنجھوڑا جب ذہنی عیاشیوں نے اعضاء ہمہ تن شل کردیئے تھے۔ قومی مرثیہ خواں، قومی شاعر، قومی مورخ، قومی مناظر، قومی مبلغ، قومی خادم، قومی واعظ، قومی مفکر، قومی نقاد، قومی ایڈیٹر اور جرنلسٹ۔ قومی صحافی اور مصنف، قومی لیڈر اور رہنما، قوم کو فتح و ظفر کی آخری منزل تک پہنچانے کے لئے قلم اور زبان کی سب جدید ترین قوتیں استعمال کر چکے تھے نامردی اور نامرادی کی اس طاعون میں قوم کے سب نوجوان پل رہے تھے۔ نوجوان ابل رہے تھے کہ ہر طرف زندگی کی چلبلاہٹ ہے قسمت ہنس رہی تھی کہ اس قوم کی سزا یقیناً موت ہے!

انگریزی اقتدار کے اس دور میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے لب کشائی کوئی آسان کام نہ تھا۔ مشرقی نے قوم کو عقل و دانش سے ہی نہیں بلکہ دست و بازو سے بھی اپنے حقوق کی نگہداشت کا درس دیا۔ انہوں نے قوم کو اس کے اصل مقام سے روشناس کرایا۔ نوجوانوں میں عظمت اسلام اور اس کی ضرورت کا احساس پیدا کیا۔ تاکہ وہ اپنی شان رفتہ کے حصول کے لئے مجاہدانہ شکوہ و جلال کے ساتھ میدان میں اتر سکیں اور فرنگی سامراج سے گلو خلاصی کرانے کے لئے اس انداز سے سینہ سپر ہو سکیں کہ ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئے۔

مستقبل کا کوئی انصاف پسند مورخ جب برعظیم کی آزادی کا باب سپرد قلم کرے گا تو لاریب! وہ یہ لکھنے بغیر نہیں رہے گا کہ علامہ مشرقی اور ان کے تربیت یافتہ جانبازوں نے فرنگیوں کو برعظیم سے بوریا بستر لپیٹ کر بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کے دن فرنگی استبداد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عیاں کر دیا کہ مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے اور وہ کسی غیر ملکی حکومت کا غلام بن کر نہیں رہ سکتا۔ ۱۹ مارچ ۴۰ء کے دن خاکساروں نے آزادی وطن کے لئے اپنا لہو دیا۔ گوشت پوست اور خون سے مرکب

گارا آزاد وطن کی بنیادوں میں بھرا اور ثابت کر دیا کہ آزادی خون دے کر لی جاتی ہے اور آزادی وطن کے پودے کی آبیاری بھی خون اور صرف خون سے ہو سکتی ہے۔ ۲۳ / مارچ ۱۹۴۰ء کو یعنی اس واقعہ کے تین دن بعد لاہور میں قرارداد پاکستان کا منظور ہونا اس امر کا مظہر ہے کہ اگر یہ مرد مجاہد سوئی ہوئی قوم کو اس کے تاریخی مقدر سے آشنا نہ کرتا اور فرنگی طلسم غلامی کی زنجیروں کو نہ توڑتا تو آزادی کا سورج کبھی طلوع نہ ہوتا۔

پیش آئندہ حالات کا اندازہ لگاتے ہوئے خاکسار اعظم کی آواز فضا میں گونجی جس میں مسلمان قوم کو احساس دلایا گیا کہ

زندہ قوموں کے افراد اپنے آپ کو فنا کر کے صرف قوم کی حیات چاہتے ہیں' وہ ہلکی سی آواز امیر پر ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بے دھڑک کٹ جاتے ہیں لیکن اپنی قوم' اپنے وطن' اپنی جماعت کی ادنیٰ بے عزتی گوارا نہیں کر سکتے۔ ان کے قلوب زندہ ہیں' ان کے دل نرم ہیں' ان کے دلوں کے اندر خشیت خدا اور خوف قانون خدا کی ایک زماہٹ ہے جو اعضاء کو ہر دم چست اور چالو رکھتی ہے۔ ایک سینوں میں فراخی اور شرح صدر ہے جس کی وجہ سے دلوں کے مساموں سے باہمی محبت' اتحاد عمل' اطاعت امیر کے دریا پھوٹ کر بہتے ہیں۔ ان کے مردوں اور عورتوں' بوڑھوں اور جوانوں میں یکساں احساس موجزن ہے' دنیاوی محبتیں اور جسمانی رشتے اس ربانی احساس کے سامنے ہیچ ہیں۔ علائق کی رکاوٹیں اس کے بالمقابل پانی ہو کر بہ جاتی ہیں' کبر اور غرور' خودغرضی اور فساد' انانیت اور مٹی کے بڑے سے بڑے لات و منات اس قدوسی ماحول میں گر پڑتے ہیں اور خدا اور قوم کی راہ میں شہداء کی موت قوم کو سربسر زندہ کر دیتی ہے۔ جس قوم نے مار کر مرنا نہیں سیکھا اس کی زندگی کیا ہے۔ قوموں کی زندگی دراصل اس کے افراد کی موت کی تیاری میں ہے' جس قدر تعداد مارنے مرنے کے لئے تیار ہے اسی تناسب سے وہ قوم اس دنیا میں سربلند ہے۔"

مشرقیؒ نے قوم کے مسئلے میں کوئی آئیں بائیں شائیں نہیں کی بلکہ عروج کی منزل تک پہنچنے کے لئے سب راہیں مسلمان کے سامنے وا کر دیں۔ آپ سمجھتے تھے کہ مسلمان

اس لئے گر گئے ہیں کہ انہیں ان کے عیب دکھلانے والا کوئی نہیں۔ سب لاطائل مرہم پٹیاں اور بے اثر لیپ لگا کر زخموں کو چھپانے اور مرض کو لمبا کر کے قوم کو لوٹنے میں مصروف ہیں۔ سب کا مقصد اپنی اپنی جماعت سے خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنا ہے۔ مشرقی سچائی کو دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ہر موڑ پر سچائی کا نعرہ بلند کیا۔ سچوں کو اگرچہ دنیا میں دکھ اور پیہم تکلیف سے واسطہ پڑتا ہے لیکن سچائی کے آگے بالاخر شیطان کی کچھ پیش نہیں چلتی۔ مشرقی کو قوم نے سچائی کے بلند کرنے کے عوض میں گندہ دہنی، کفر، بددیانتی، مکاری، فحش گالیاں، فریب دہی اور مہدی اور نبی بننے کی ملامت کا تحفہ دیا لیکن آپ کی جدوجہد میں کوئی فرق نمودار نہ ہوا بلکہ آپ نے جو کچھ کہنا تھا مزید بڑے سکون کے ساتھ کہا اور قوم کو ہلاکت سے بچانے کی جدوجہد جاری رکھی لیکن بدبخت قوم نے اس مرد مجاہد اور محب قوم مسلمان کی پکار کو نہ سنا اور تن آسانی اختیار کر کے ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں اس نافرمانی کی سزا پائی۔

بھارت میں مسلمانوں کی حالت زار

مسلم اقلیت کے ساتھ متحدہ ہندوستان کی اکثریت کا طرز عمل تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی اقلیت کو تواتر کے ساتھ شاید ہی اس طرح پامال کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ جس طرح کہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا۔ مسلمانوں کے خون سے جس بے دردی کے ساتھ ہولی کھیلی گئی اسے نہ زمین بھول سکتی ہے جس نے ان کا خون پیا اور نہ ہی چشم فلک فراموش کر سکتی ہے جس نے یہ ہولناک منظر تماشا کیا۔ فرقہ واریت کی اخلاق سوز تباہ کارانہ سرگرمیوں نے برعظیم کو قتل گڑھ بنا دیا تھا۔ اس قتل عام نے ساری دنیا کو انگشت بدنداں کر دیا۔ ساری دنیا چیخ اٹھی۔ خون مسلم کی ارزانی پر بیرونی دنیا کے لوگ چونک پڑے۔ ہندو نے مسلمان کی بھارت سے بیخ کنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ قدم قدم پر کربلائیں زندہ ہوتی رہیں اور بے گناہ مسلمان ظلم و ستم کا نشانہ بنتا رہا۔ ۱۹۴۷ء اور اس کے بعد کے لرزہ خیز مظالم، جو اہنسا کے علمبرداروں نے ۱۱۴۵ برس تک مسلمانوں کا غلام رہ کر، مسلمانوں پر ڈھائے۔ پوری مسلمان قوم کے لئے سبق

آموز اور عبرت ناک ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اس خونی انقلاب کو تادم مرگ یاد رکھیں اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک مقدس امانت چھوڑ جائیں۔ آپ کا یہ اعتراض غلط ہو گا کہ اس کا نتیجہ خون خرابا ہے۔ خون خرابہ ہمیشہ ظالم کرتا ہے اور مظلوم اس سے سبق سیکھتا ہے۔ آج کشمیر کے پچاسی فیصد مسلمان اور بھارت میں مقیم مسلمانوں کی نجات صرف پاکستانی مسلمانوں کو جنگی اور فوجی بنا دینے میں ہے۔ محسن قوم علامہ مشرقی کا یہ فلسفہ جس طرح آزادی سے پہلے درست تھا آج بھی اسی طرح لازوال ہے۔

شہنشاہ تنظیم علامہ مشرقی آخری سانس تک قوم کو منظم ہونے کی تلقین فرماتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی تیرہ سو برس کی تاریخ گواہ ہے کہ دین اسلام اس دنیا کو خوبی اور خوش اسلوبی سے نبھانا اور اس زمین پر غالب اور اعلون بنے رہنا ہے۔ جلسوں اور تقریروں سے قوموں کی تقدیریں نہیں بدلا کرتیں اگر یہ فارمولا درست تھا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صدہا خطبے آج زبان زد خلائق ہوتے صرف ایک فتح مکہ کا خطبہ ہی موجود نہ ہوتا۔

ایک آخری ملاقات میں خواجہ یثرب کے دین کی سربلندی کے علمبردار مشرقی نے کہا کہ:

> یہ جانتے ہوئے کہ موت و حیات خدا کے ہاتھ میں ہے میں ہمیشہ سے جہاد کا نعرہ لگاتا آیا ہوں اور میں سوچتا ہوں کہ جس مسلمان قوم کا اوڑھنا بچھونا ہی جہاد ہو وہ کسی غیر کا غلام کیسے رہ سکتی ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش غلبۂ اسلام، حصول کشمیر اور ہندوستان کے مسلمانوں اور وہاں کے مقامات مقدسہ کی پوری آزادی ہے مگر افسوس کہ میں اب تک اپنی اس خواہش کو اپنی زندگی میں پورا نہ کر سکا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی اور صحت عطا کی تو انشاء اللہ اپنی جدوجہد جاری رکھوں گا۔

کفر اور ایمان کی جنگ میں مصلحتیں آپ کے نزدیک بزدلی کا نشان تھیں بھارت میں اسلحہ کی زیادتی اور فوج کی کثرت کے متعلق جب پوچھا گیا کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے تو بطل حریت نے گرجدار آواز میں فرمایا کہ

> لاکھوں بھیڑ بکریاں ایک شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ بھارت کے پاس بے شک اسلحہ کی فراوانی ہے مگر اس سے کام لینے کے لئے دل گردہ چاہئے جو

ہندو قوم کے پاس نہیں اور ہمارے یہاں اللہ کے فضل سے ایمان کی قوت موجود ہے اور پھر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ موت و حیات' اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک زندگی ہے کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی اور جب موت کا وقت آ پہنچتا ہے تو وہ میدان جنگ میں بھی آ سکتی ہے اور بستر پر بھی۔ ایمان کی قوت سے مالا مال مسلمان کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

ہائے پاکستان اور کشمیر کا کیا بنے گا

جان جان آفرین کے سپرد کرنے سے چند گھنٹے پہلے' مجاہد حریت اور محب الوطن مشرقی نے جس کی ساری زندگی مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی پر کڑھتے ہوئے گذری اور جس نے زوال یافتہ قوم کو سربلند کر دینے کے لئے پوری زندگی داؤں پر لگا دی آخری الفاظ یہ کہے کہ "ہائے پاکستان اور کشمیر کا کیا بنے گا۔" ان الفاظ سے حضرت علامہ کی اندرونی تڑپ کا اظہار ہوتا ہے جو وہ استحکام پاکستان اور آزادی کشمیر کے لئے اپنے دل میں رکھتے تھے۔

اس مرد مجاہد نے ۹۔ اگست ۱۹۶۳ء کو یعنی عالم بقا کی جانب سفر کرنے سے چند ہفتے پہلے بستر مرگ سے قوم کے نام جو آخری پیغام جاری کیا اس میں قوم کو بدلتی ہوئی بین الاقوامی سیاست میں اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا اور کہا کہ

> صدق دل سے وطن کی حفاظت کے لئے تیار ہو جاؤ اور باہمی اختلافات کو ختم کر کے ایک ہی مرکز پر جمع ہو جاؤ۔ آج اگر تم نے اپنے فرائض سے غفلت برتی تو آنے والی تاریخ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

مقام غور ہے کہ پاکستانی مسلمان نے اس بے مثال قائد کی اس کی زندگی میں کیا قدر کی۔ شاید ہمارا دستور ہی ایسا ہے کہ زندوں کے بالمقابل مردوں سے اظہار عقیدت بدرجہا اتم کیا جائے۔ لیکن وہ دن ضرور آئے گا جب مشرقی کی حکمت چار دانگ عالم میں چل کر رہے گی اور بالآخر بشریہ سمجھنے پر مجبور ہو گا کہ اس کی پناہ فی الحقیقت قرآن حکیم کے عالم آراء ارشادات و تعلیمات میں ہے۔ مستقبل کا مورخ جب غلبہ اسلام کی اس کہانی کو پیش کرے گا تو اسے واضح الفاظ میں بتانا ہو گا کہ اسلام اور وطن کی خدمت

بے لوث اور بے مزد کیونکر اور کس طرح کی جاتی ہے۔ اپنا گھربار پھونک کر اسلام کی سربلندی کا منظر کیونکر دیکھا جاتا ہے، تو یقین رکھیے کہ مجاہد اعظم زعیم مشرق حضرت علامہ مشرقی جیسے عظیم قائد کا نام تاریخ کے اوراق پر تابندہ اور درخشندہ نظر آئے گا۔

زیر نظر صفحات میں میں نے قرون اولی کے نقش جمیل حضرت علامہ مشرقی سے انتہائی عقیدت کے باوجود، غیر جانبدار مصنف کی حیثیت میں موافق و مخالف حالات بلا کم و کاست پیش کر دیئے ہیں۔ کیا عجب کہ نئی نسل اسلام کے اس فرزند جلیل کے واقعات اور مجاہدانہ اطوار سے متاثر ہو کر غلبہ اسلام کی تڑپ دلوں میں پیدا کر کے اسلام کا بول بالا کر دے جس نے تاریخ حریت میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

۱۱۔ دسمبر ۱۹۶۳ء

محمد عظمت اللہ بھٹی

حب الوطنی کی ابتداء اور ایمان کی انتہا

محبان وطن کے سوانح حیات کو پڑھنا' پڑھنے کے بعد خاموش سوچنا' سوچ سوچ کر اعضاء کو آمادۂ عمل کرنا' اور پھر مرنے کے بعد دنیا میں ہمیشہ جینے کے لئے بے رحم زمانے کے ساتھ ایک جانکاہ اور شبانہ روز جنگ کرنا درحقیقت انسانی زندگی کی وہ مبارک منزلیں ہیں جن پر پہنچ کر انسان کا سن رشد و تمیز کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ انسان ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی سننے اور دیکھنے لگتا ہے۔ اس قدر سنتا اور دیکھتا ہے کہ چند برس کے اندر بغیر کسی رسمی استاد کے چلنا پھرنا' اٹھنا بیٹھنا خود بخود جان لیتا ہے۔ اس قدر سمیع و بصیر (فجعلناہ سمیعا" بصیرا) ہے کہ اس ابتدائی علم کے بعد اور مرحلوں تک پہنچتا ہے۔ نئی نئی مشکلات اور رکاوٹوں پر فتح پانے کی سعی کرتا ہے۔ اپنا مقابلہ دوسرے انسانوں سے کر کے ان پر سبقت لے جانے کی دھن رکھتا ہے۔ پیش بینیاں اور پیش بندیاں کرتا ہے۔ آئندہ زندگی کو سدھارنے کی ترکیبیں کرتا ہے۔ دولت جمع کرنے کے ڈھنگ سیکھتا ہے۔ علم حاصل کرتا ہے کہ عزت میں سبقت لے جائے۔ جاہ ڈھونڈتا ہے کہ آرام پائے۔ شہرت کی طلب میں ہوتا ہے کہ نام پائے۔ اونچے اونچے مکان بناتا ہے کہ انگلیاں اٹھیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو علم و خبر کی یہ سب منزلیں فی الحقیقت رشد و تمیز کے درجے ہیں جو انسان کو اپنی آئندہ راحت کی فکر میں منہمک رکھتے ہیں۔ اسی فکر میں اپنے بڑے سے بڑے عمل اور بڑی سے بڑی بدکاری کو اکثر اوقات جائز قرار دیتا ہے۔ لیکن کم نظر اور فرومایہ انسان کے ذہن میں یہ "آئندہ راحت" صرف ایک فوری مستقبل کی راحت ہے! رشد کی انتہا یہ ہے کہ انسان اپنے اس مستقبل پر غور کرے جو بڑی دیر کے بعد پیش آتا ہے۔ جب یہ مستقبل انسان کے سامنے پیش ہو جاتا ہے اس کا ذہن مضطرب ہو جاتا ہے وہ جان لیتا ہے کہ عزت' شہرت' دولت' اخوت سب کے بعد ایک اٹل فنا ہے جس کا باعث بے رحم وقت ہے اور بے رحم وقت کا مقابلہ کرنا انسانی جسم کے بس کی بات نہیں۔ تمیز کا ایک اور بلند درجہ بالاخر اس کو آواز دیتا ہے کہ اگر جسمانی موت کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے زندہ

رہنا ہے تو جسم کو فنا کر کے دوسرے انسانوں کی بہتری میں لگ جاؤ- یہ حب الوطنی کی ابتداء ہے اور ایمان کی انتہا! اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں! (الاصلاح ۲۲ فروری ۱۹۳۵ء)

علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی"

اللہ والوں کی بلندی نظر!

اللہ والے لوگ جب دنیا میں پیدا ہوئے ہیں' دنیا والوں کی تحسین و آفرین سے بلند تر پیدا ہوئے ہیں- ان کے دلوں میں تخیل کی بلندیاں اور نصب العین کی عظمتیں اس قدر کوہ وقار اور جلیل الشان ہوتی ہیں کہ ان کی نگاہیں سفلی صلہ و ستائش کی کسی کمتر سطح پر نہیں جمتیں- خدا کی دوستی کا زندہ اور بلند کر دینے والا خیال ان کو آسمانوں کی چڑھائیوں کی طرف متوجہ کر دیتا ہے- زمین کی سات پستیوں کے بالمقابل آسمانوں کی سات بلندیاں ان کی نظروں میں جم جاتی ہیں- وہ ان ہوش ربا اور زہرہ گداز بلندیوں کی طرف نظریں اٹھائے اٹھتے چلے جاتے ہیں- بلندیاں خود بخود پستیوں کو محو کرتی چلی جاتی ہیں- دنیادار اور زمین پر بسنے والے لوگ از خود چیونٹیوں اور بھنگوں سے کمتر دکھائی دینے لگتے ہیں- وہ کان قاب قوسین او ادنی (۱) کے افق پر بیٹھ کر ملکوت السموات والارض کے نظارے میں محو ہوتے ہیں- ان کا اڑن کھٹولا دل کا وہ چھوٹا سا کرہ اور قلب کا وہ چھوٹا سا مضغۂ گوشت ہوتا ہے جس پر جبرئیل کی وحی' ابراہیم کی نار اور کوہِ طور کا نور آ آکر ٹکرتے ہیں اور سب دنیا' سب ادنے' سب اسفل سے بے نیاز کر دیتے ہیں- لیکن ہاں! اس دل کے اڑن کھٹولے میں جس کی اڑنت ساتویں آسمان اور قاب قوسین کی منزل تک ہوتی ہے- جذب و محبت' رافت و رحمت' خلق عظیم اور خدمت خلق کی ایک کنڈی ضرور لگی ہوتی ہے جو زمین پر بسنے والی عاجز اور بے بس مخلوق کو بیک جست آسمان تک اٹھا لے جاتی ہے-

ہاں! اللہ والے لوگ صرف اللہ کے ہوتے ہیں- ان کی نظر کسی پستی کی طرف نہیں جمتی- وہ کسی ماسوا اور ماوراء کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے- زمین پر بسنے والی

مخلوق کا پست اور گرا ہوا تخیل ان کی بلند ہستی اور شان سے لگا نہیں کھاتا۔ وہ ضرور آسمانوں اور عرش عظیم کے نزدیک بسنے والی مخلوق ہوا کرتے ہیں۔ گوشت، پوست اور ہڈیوں والی دنیاوی اور ادنیٰ مخلوق نہیں ہوتے لیکن ان کی للہیت اور خدا دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس قدر بلند ہونے کے باوجود پھر خلق خدا کی طرف رجوع کریں، پھر گری ہوئی مخلوق کو اپنے ساتھ اٹھا لے جائیں، اپنی بلندی کے ساتھ ساتھ اوروں کو بلند کر جائیں۔ قوموں کو آسمان تک اٹھائیں، بیکسوں کی چارہ گری، بے بسوں کا دارو بنیں۔ مظلوم کے ظلم کو دور کریں۔ آہوں اور کراہوں کو شکرانوں اور واہ واہ سے بدل دیں۔ جب خود خدا کو (معاذ اللہ) مخلوق خدا کے سوا چارہ نہ رہا۔ ہاں، ہاں، جب اس "مخفی خزانے" (۲) کا وجود بھی صرف خلق خدا کی خلقت کے بعد ظہور میں آیا۔ تو پھر خدا والوں کی کیا مجال کہ اپنی بلندی نظر میں ان زمین والے کمینوں اور ادنیٰ لوگوں سے الگ الگ پھریں۔ نہیں، ان سفلوں اور کمینوں کو ان کی تمام کمینگی اور سفلہ پن کے باوجود بلند کر دینا صرف اللہ والوں کا کام ہے!

الاصلاح یکم جنوری ۱۹۳۷ء

علامہ عنایت اللہ خان المشرقی"

۱ یعنی رسول خدا صلعم آسمان کے افق اعلیٰ پر جم کر بیٹھے اور پھر بلند ہوتے ہوتے خدا کے اس قدر نزدیک ہوئے کہ صرف دو کمان کے فاصلے پر بلکہ اس سے بھی نزدیک تر ہو گئے۔ ۲ اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق خدا کہتا ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پھر میں نے ارادہ کیا کہ ظاہر ہو جاؤں پھر میں نے خلقت کو پیدا کیا۔

شجرۂ نسب

دیوان لال محمد خاں (مورث اعلیٰ خاندان)

آپ شہنشاہ ہندوستان اعلیٰ حضرت محی الدین اورنگ زیب علیہ الرحمتہ کے دربار میں بہ عہدہ دیوانی پنج ہزاری سرفراز تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت عالمگیر کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کی جاگیر ملکیت دس ہزار گھماؤں کے رقبہ کی علاقہ ویاڑکی ضلع گورداسپور میں واقع تھی اور ان کے اخلاف سکھوں کے عہد حکومت تک اس پر قابض رہے۔

دیوان اللہ بخش خاں

دیوان لال محمد کی وفات کے بعد ان کے لڑکے دیوان اللہ بخش خاں دربار عالمگیری میں اپنے باپ کے قائم مقام ہوئے اور دکن میں کئی برس تک شہنشاہ ہند اعلیٰ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے ہمراہ رہے۔

دیوان محمد حمید خاں

دیوان اللہ بخش خاں کی وفات کے بعد ان کے بیٹے دیوان محمد حمید خاں کا مذکورہ منصب شاہزادہ معظم کے دربار میں قائم رہا۔

دیوان محمد بایزید خاں

آپ دیوان محمد حمید خاں کے بعد اسی منصب پر بدستور قائم رہے اور کامیاب رہے۔

دیوان محمد احمد خاں

آپ دیوان محمد بایزید خاں کے بعد شاہ عالمگیر ثانی کے عہد میں ایک مدت تک

خدمت کرنے کے بعد خانہ نشین ہو گئے۔ انہی ایام میں رام گڑھیوں کے ساتھ جنگ ہوئی اور جاگیراور زمین سے بے دخل ہوئے۔

دیوان محمد حامد خاں

آپ جاگیر حاصل کرنے کے سلسلہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں لاہور آئے۔ مہاراجہ نے انہیں سردار توشہ خانہ مقرر کر دیا۔ کچھ دیر بعد مہاراجہ کا انتقال ہو گیا اور پنجاب بھر میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہو گیا۔

دیوان کمال الدین خاں

آپ دیوان محمد حامد خاں کے وصال کے بعد بدستور توشہ خانہ کے سربراہ مہاراجہ شیر سنگھ کے زمانے میں رہے۔ آپ نے مہاراجہ سے اپنی ملکیت اراضی علاقہ ویاڑکی (جن میں حمیدپور اور بایزید پور کے گاؤں تھے) کا پروانہ حاصل کیا۔ اسی اثناء میں مہاراجہ کو سندھاں والیوں نے قتل کیا۔

خان عطا محمد خاں

۱۸۴۶ء میں حضرت علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی ؒ کے والد بزرگوار خان عطا محمد خاں ؒ پیدا ہوئے اور اسی سال انگریزی راج پنجاب میں قائم ہوا۔ (دہ الباب ص ۲۵۶)

خاندانی حالات

خان کمال الدین خاں روسائے امرتسر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی اسلامی خدمت، قومی درد اور علم دوستی کی کہانیاں پنجاب کے طول و عرض میں گونج رہی تھیں۔ یتیموں، بیکسوں اور بیواؤں کے لئے ان کا وجود خدائے رحیم کا ایک کھلا انعام تھا۔ انہوں نے سب کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔

مسلمانوں کے چھنے ہوئے تخت و تاج اور حکومت کے حصول کی خاطر جو قومی تحریکیں اندر ہی اندر کام کر رہی تھیں خان موصوف کی دولت ان کے لئے بے دریغ حاضر رہتی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ہیرو جنرل بخت خاں انہی کے اثر سے آزاد فوجوں کی کمان لینے کے لئے تیار ہوا تھا۔ جنرل بخت خاں اور ان کے سرفروش ساتھیوں نے "کمال منزل" کے آراستہ مہمان خانہ کے کمروں میں ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت و آزادی کے خاکے تیار کئے تھے اور یہ کام اس خاموشی سے سرانجام پایا کہ انگریز کے باوا کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ "پان اسلام ازم" کے علمبردار سید جمال الدین افغانی جب کبھی ہندوستان تشریف لائے سیدھے یہاں پہنچے اور جب تک وہ مقیم رہے اسلام کی سر بلندی کے تذکرے "کمال منزل" اور اس کے مہمان خانوں میں گونجتے رہے۔

خان کمال الدین کی وفات کے بعد "کمال منزل" کی تمام قومی مجلسیں اور علمی رونقیں ان کے لخت جگر خان عطا محمد خان کے دم سے قائم رہیں۔ علامہ افغانی اور عطا محمد خان کا باہمی تعلق ماں جائے بھائیوں سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ وہ دنیا کے جس حصے میں بھی ہوتے۔ خان موصوف سے خط و کتابت کا سلسلہ برابر قائم رہتا اور جب ہندوستان تشریف لاتے تو "کمال منزل" کے ہنگاموں میں نئی رونقیں بیدار ہو جاتیں۔

خان عطا محمد خاں

آپ ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۵ء میں وفات پائی۔ آپ کے دو صاجزادے عنایت اللہ خان اور رحمت اللہ خان اور غالباً تین صاجزادیاں تھیں۔ آپ کے اجداد مغلیہ دور حکومت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ ان کی خدمات کے صلہ میں مغل دربار سے جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔ امرتسر اور بٹالہ میں آپ کی جائیداد قریباً پندرہ

لاکھ روپیہ تھی جو وقف علی الاولاد کر رکھی تھی۔ اس جائیداد کا متولی آپ نے عنایت اللہ خاں" کو مقرر کیا تھا جنہوں نے ۱۹۴۷ء تک (جبکہ یہ تمام جائیداد مشرقی پنجاب میں رہ گئی) اس جائیداد کی آمدنی میں سے ایک حبہ اپنے لئے نہیں رکھا تھا بلکہ سب کا سب اپنے متعلقین میں تقسیم کرتے رہے یا جائیداد کے قرضے وغیرہ اس سے ادا ہوتے رہے۔

خان عطا محمد خان ایک بڑے پائے کے مصنف اور ادیب تھے وہ ذوق' غالب' سرسید' جمال الدین افغانی' نواب لوہارو وغیرہم کی صحبتوں میں رہے تھے۔ ان کی تصانیف کے دیباچے عبداللہ العمادی اور ابوالکلام آزاد جیسے مقتدر اشخاص نے لکھے تھے۔ حکومت پاکستان کے شعبہ نشرو اشاعت کی مجوزہ تصنیف "شعرائے عجم" مصنفہ حفیظ ہوشیار پوری میں خان صاحب موصوف کو مشاہیر ادباء کی فہرست میں داخل کیا گیا ہے۔ عنایت اللہ خان نے عربی' فارسی اور اردو کی قابلیت انہی کی زیر سرپرستی حاصل کی۔ انہوں نے اپنی اولاد کو جو عظیم الشان تعلیم و تربیت دی اس کی ایک جھلک عنایت اللہ خان" کی تصانیف میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان علم فطرت (یعنی سائنس) اور علم حساب (یعنی ریاضی) حاصل کرنے سے مکمل انسان بنتا ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں ہر ٹیڑھی شے سے نفرت تھی۔

۱۹۰۳ء میں مولوی شبلی نعمانی پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڑھ نے محترم ابوالکلام آزاد کو جبکہ وہ طالب علمی سے فارغ ہوئے خان عطا محمد خان کے پاس امرتسر بھیج دیا کہ وہ ان کے مستقبل کو اپنی تحویل میں لے لیں۔ چنانچہ مولوی آزاد پانچ سال تک ان کے پاس رہے اور ہفتہ وار "وکیل" کی ادارت میں شامل رہے۔

خان موصوف کے علامہ سید جمال الدین افغانی سے گہرے دوستانہ روابط تھے۔ یہ تعلقات ۱۸۸۴ء سے شروع ہوئے تھے جبکہ علامہ افغانی نے عربی زبان میں ایک اخبار "العروۃ الوثقیٰ" پیرس سے نکالا جس کے اغراض ومقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ "یہ رسالہ مشرقی قوموں کو ان اہم اسباب کی طرف متوجہ کرے گا جن سے ان کی بربادی' کمزوری اور تباہی ہوئی ہے اور ان راستوں کی طرف علی الاعلان رہنمائی کرے گا جن پر چلنا تلافی مافات کے لئے از بس ضروری ہے--- یہ رسالہ مشرقی قوموں کو ان سیاسی حادثات سے باخبر کرے گا جو ان کے متعلق مختلف سیاسی جماعتیں

اختیار کرتی رہیں گی اور ان سازشوں کے انکشاف سے غافل نہ ہوگا جو اتحاد مشرق کے خلاف مختلف اطراف سے کی جائیں گی"۔ ۱۸۹۲ء میں علامہ جمال الدین افغانی جب ہندوستان تشریف لائے تو خان صاحب موصوف کے ہاں امرتسر میں مقیم ہوئے۔ اس وقت سے ۱۸۹۶ء تک جبکہ وہ انگریزی حکومت کے نظر بند برما میں تھے خان صاحب سے ان کی خط و کتابت جاری رہی۔ عنایت اللہ خان" کے پاس علامہ جمال الدین افغانی کے کئی انتہائی طور پر دلچسپ خطوط موجود تھے جو تقسیم ملک کے بعد امرتسر میں تلف ہوگئے۔ عنایت اللہ خان" اپنے بہن بھائیوں میں انتہائی ذہین تھے اس لئے والد بزرگوار ان کو علمی و تعلیمی محافل میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ۱۸۹۵ء میں رام پور کی تعلیمی کانفرنس میں عنایت اللہ خان ان کے ہمراہ تھے۔ اس وقت سرسید احمد خاں زندہ تھے اور اس کانفرنس میں شریک تھے۔ انہوں نے سات سالہ عنایت اللہ خان کو گود میں لے کر پیار کیا۔ لیکن باوجود اس دوستی کے جو خان عطا محمد خان" کو سرسید احمد خاں اور ان کے مصاحبوں سے تھی' انہوں نے پسند نہ کیا کہ عنایت اللہ خاں کی تعلیم علی گڑھ میں ہو۔ سرسید سے خان موصوف کا اختلاف اس امر پر رہا کہ علی گڑھ میں مذہبی تعلیم زیادہ نمایاں کی جائے ورنہ وہ کہا کرتے تھے کہ قوم بے دین ہو جائے گی اور اس کے ناخوشگوار نتائج دس کروڑ مسلمانوں پر نمودار ہوں گے۔ عنایت اللہ خاں" کو تعلیم انہوں نے زیادہ تر عیسائی کالجوں میں اس لئے دی کہ ان کا یقین تھا کہ اس سے مذہب کو پختگی اور ہوگی اور دین اسلام کی خوبیاں ان کے لخت جگر پر اور نمایاں ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ "اولتہ الکرام فی عقائد الاسلام" خان عطا محمد خان کی معرکتہ الارا تصنیف ہے۔ جو کئی ایڈیشنوں میں چھپی۔ اس کے علاوہ "اسلام کی حقیقت" کا ایک بڑا رسالہ ہے۔ رباعیات عطا قریبا ایک سو پچاس صفحات کی ایک اور تصنیف ہے جو کئی لحاظ سے نمایاں خوبیوں کی حامل ہے۔

۱۸۸۲ء میں وائسرائے ہند نے تمام ملک کے لئے ایک تعلیمی کمشن مقرر کیا جس کی رپورٹ خان موصوف نے تیار کی جو یادگار رہے گی۔ سلطان عبدالحمید خان' سلطان ترکی کی مدح میں کئی قصائد بھی ان کی تصانیف میں شامل ہیں جن کے صلے میں سلطان موصوف نے ان کو "تمغہ مجیدیہ" عطا کیا تھا اور ان کو ترکی میں آنے کی دعوت دی تھی۔

ان تصانیف کے علاوہ خان موصوف کے انگریزی اخبارات میں کئی پولیٹیکل مضامین ایسے تھے جن کے باعث بہ حیثیت مضامین نگار ان کی کافی شہرت تھی۔ آپ نے ۱۸۸۰ء میں "زوال سلطنت انگلیشہ" پر ایک دھڑے کا مضمون اردو میں لکھا اور پھر اس کا انگریزی ترجمہ کر کے وائسرائے ہند کو ایک کمشنر ڈویژن مسٹر پرنسپ کی وساطت سے بھیجا۔ مسٹر پرنسپ اس سے پہلے خان موصوف کی فراست اور حق گوئی سے کافی متاثر ہو چکے تھے اور انہوں نے ایک خط میں ان کو لکھا تھا کہ "تم کو وقت سے پہلے کسی شے کے متعلق کچھ کہہ دینے کی فراست خدا کی طرف سے ایک عطیہ ہے"۔ ہاں، تو اس مضمون میں انہوں نے وہ دلائل بیان کئے تھے جن کی وجہ سے کہا تھا کہ "انگریزوں کی سلطنت دیر تک ہندوستان میں نہیں رہ سکتی"۔ یہ دلائل انتہائی طور پر دلچسپ اور مضبوط تھے۔ انہوں نے انگریزوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ہندوستان پر حکومت، مغلیہ بادشاہوں کی فراخ دلی اور فیاضی طبع سے کریں ورنہ رعیت ان سے بگڑ جائے گی۔ یہ تصنیف پرنسپ کو اس قدر پسند آئی کہ اس نے لکھا کہ ملکہ وکٹوریہ کو بھیجنے کے لئے وائسرائے کو بھیج دی ہے! خان موصوف نے ہمیشہ حق گوئی و بیباکی کو آئین جو انمرداں سمجھا اور اپنی اولاد کی بھی انہی بنیادوں پر تربیت کی۔ عنایت اللہ خانؒ نے اس حقیقت کا اعتراف ان خوبصورت الفاظ میں کیا ہے۔

میرا ہر رونگٹا ہے خوشہ چیں ان کی فراست کا
میری سب آگہی جاتی ہے اس مرد شناسا کو (المشرقیؒ)

عنایت اللہ خانؒ کی والدہ ماجدہ

آپ نمایاں خوبیوں کی مالک تھیں۔ ان کا مثیل شاید اس زمانے میں بھی نہ مل سکے۔ وہ تمام عمر پابند صوم و صلوٰۃ رہیں۔ ۱۹۲۸ء تک جبکہ علی گڑھ میں ان کا انتقال ہوا نماز فجر کے بعد روزانہ قرآن خوانی کے علاوہ شاید ایک وقت بھی اپنی نماز قضا کرتے نہیں دیکھا۔ (وہ الباب ص ۲۵۴) وہ آسودہ حال گھرانے کی مالکہ ہونے کے باوجود روزانہ بڑی مدت تک (پرانے رواجوں کو قائم رکھنے کے لئے) چرخہ کاتتی رہیں۔ خوب اچھی طرح اردو لکھ پڑھ سکتی تھیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں سخت گیر لیکن ایک نہایت شفیق ماں تھیں لڑکیوں کی تربیت کا سلیقہ ان کو خاص الخاص تھا وہ گوارا نہ کر سکتی

تھیں کہ لڑکیوں کی آواز اونچی ہو یا گھر میں کوئی ادنیٰ سی لڑائی ہونے پائے۔ اپنی جیب خاص میں سے ہزاروں روپیہ غریب رشتہ داروں کو نہایت احتیاط سے دیتی تھیں تاکہ فضول خرچی نہ ہو۔ عنایت اللہ خان کو انگلستان تک اپنے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھیجتی رہیں۔ انگلستان سے واپس آکر جب عنایت اللہ خان نے چار برس تک شادی نہ کی تو رو رو کر شادی جبراً کرائی۔ آپ بڑی ہوش مند' سلیقہ شعار اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ خان موصوف نے چھوٹی عمر میں ہی' میدان شہرت سر کرلیا۔ ان کے اس شعر میں مرحومہ کا عکس جمیل نمایاں نظر آتا ہے ۔

وہ اماں جاں میری! اللہ اکبر نرمی اور سختی!
مجسم تربیت تھیں اور نمونہ اہل عقبیٰ کا (المشرقی")

علامہ سید جمال الدین افغانی کا خواب

علامہ جمال الدین افغانی جب بھی ہندوستان میں تشریف لاتے تو عنایت اللہ خاں کے والد محترم خان عطا محمد خاںؒ کے ہاں مہمان ہوتے۔ آخری بار جب وہ یہاں دورے پر آئے تو انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک لق ودق صحرا میں وہ کسی نامعلوم منزل کی جانب بڑھے جا رہے ہیں۔ آفتاب آسمانوں سے آگ برسا رہا ہے لو کے تھپیڑے جسم میں زہریلے تیروں کا اثر پیدا کر رہے ہیں۔ شدت پیاس سے زبان خشک ہو رہی ہے۔ گلے میں کانٹے پڑ رہے ہیں اور تکان کی شدت سے ضعف و نقاہت طاری ہے۔ اس عالم میں دور کھجور کے درختوں کا ایک جھنڈ نظر پڑا۔ انتہائی کمزوری کے باوجود وہ بیتابانہ اس جانب بڑھنے لگے لیکن نخلستان سے چند قدم دور ہی سے جب سر چکرانے لگا اور قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا وہ لڑکھڑا کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ یکایک انہیں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا محسوس ہوا اور انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور دیکھا کہ وہ ایک چشمے کے کنارے نرم نرم گھاس پر پڑے ہیں اور چھ سات برس کا ایک حسین و جمیل بچہ ان کے حلق میں پانی ٹپکا رہا ہے۔ انہوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن جلد ہی انہوں نے محسوس کیا کہ نقاہت حد سے زیادہ غلبہ پا چکی ہے اور نبض آہستہ آہستہ ڈوب رہی ہے۔ انہوں نے جواب طلب نگاہوں سے اس بچے کی طرف دیکھا جو اب ان کی پیشانی کو سہلا رہا تھا۔ بچے کے چہرے پر ایک ہلکی سی تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ گویا ہوا:

"سیدی! آپ کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ دنیائے اسلام کی شب تاریک میں جو شمع کم و بیش نصف صدی تک کرنیں بکھیرتی رہی اب اس کی آخری ٹمٹماہٹ ہے۔ لاریب کہ آپ نے جہاد کا آخری حق ادا کر دیا مسلمانوں کے عیاش اور خودغرض حکمرانوں نے آپ کی آرزوؤں کی تکمیل نہ ہونے دی۔ ان بدبختوں نے قدم قدم پر رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر کے آپ کا راستہ روکنے کی سازشیں کیں۔ آپ کے قدموں میں زنجیریں ڈال دیں۔ بدنصیب قوم آج کے بعد اسلامی جدوجہد کے اس تابندہ ستارے کو کبھی نہ دیکھ سکے گی لیکن قبلہ محترم! اطمینان رکھئے آپ کے مشن کی تکمیل ہو کر رہے گی۔

آپ کے ادھورے خوابوں کی زندگی بخش تعبیر کے لئے میں اپنی زندگی وقف کر دوں گا۔ آپ نے کمال منزل کو اپنی امیدوں کا آخری مرکز بنایا ہے یقین رکھئے اسی عمارت سے غلبہ اسلام کا پرچم فضائے ہند میں بلند ہو گا اور اس کی اڑانیں پشاور سے رنگون اور راس کماری تک فضا میں حرکت، جنون، عزم واستقلال کی لہریں پیدا کر دیں گی۔" خواب کا یہ سلسلہ موذن کی اذان نے جو قریب کی ایک مسجد سے بلند ہوئی توڑ دیا۔ علامہ افغانی بستر سے اٹھ بیٹھے اور جلد ہی نماز میں مصروف ہو گئے نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے بستر پر خاموش بیٹھے رات کے عجیب و غریب خواب پر غور کر رہے تھے جس کے گہرے اثرات ان کے دل و دماغ پر مسلط تھے۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ ان کا میزبان اپنے چار سالہ لخت جگر کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ جونہی علامہ افغانی نے اس بچے کو دیکھا تو بے ساختہ اپنے دل میں کہا کہ یہ تو وہی صورت ہے جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔ یہ تو بعینہ وہی ہے جو خواب میں چشمے کے کنارے میرے منہ پر پانی چھڑک رہا تھا اور وہ یقین دلا رہا تھا جو آج تک کسی نے نہ دلایا تھا۔

علامہ افغانی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے خان عطا محمد خان کے لاڈے کو آغوش شفقت میں لیا اور پیار کرتے ہوئے خان موصوف سے کہا کہ میں نے اس بچے کو خواب میں جس انداز میں دیکھا ہے اس کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا سفر ناکام نہیں۔ میں نے آپ کے لخت جگر کے دامن میں انقلاب کے خواب اور جہاں کی بجلیاں دیکھی ہیں۔ یقین کیجئے کہ افغانی کا خواب آج تک غلط ثابت نہیں ہوا۔ اس بچے کی پیشانی بتا رہی ہے کہ یہ نونہال عظمت و شہرت کے کئی نشان لے کر آیا ہے۔ مشرق و مغرب میں اس کی علمی فتوحات کے پرچم لہرائیں گے اور غلبہ اسلام کا وہ پرچم جو جنرل بخت خاں نے ۱۸۵۷ء میں دریائے جمنا کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا از سرنو اس کے ہاتھوں بلند ہو گا۔

حالات زندگی

یہ ۲۵/ اگست ۱۸۸۸ء کا یادگار دن تھا جب امرتسر کے ایک ممتاز راجپوت گھرانے میں خان عطا محمد خان کے ہاں اس بچے نے جنم لیا جو آئندہ چل کر علامہ عنایت اللہ خان المشرقی کے نام سے براعظم ہند میں ہی نہیں پوری دنیا میں شہرت عام کا حامل ہوا۔

خان عطا محمد خاں امرتسر کے ایک صاحب اثر رئیس اور ممتاز اہل قلم تھے۔ وہ اپنی اولاد کی تربیت کے معاملے میں نہایت سخت اور محتاط تھے۔ علمی ماحول اور والدین کی توجہ کے باعث محمد عنایت اللہ خاں نے کم عمر میں ہی غیر معمولی شہرت حاصل کر لی۔ عربی فارسی اور اردو کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ قرآن حکیم بھی حفظ کیا۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم گھر پر ہی مکمل کرنے کے بعد ۱۸۹۷ء میں نو سال کی عمر میں آپ کو بی این پبلک سکول میں چھٹی جماعت میں داخل کرایا گیا جہاں اس ہونہار طالب علم کی قابلیت کے پیش نظر مختلف اعزازات سے نوازا گیا۔

۱۹۰۰ء میں آپ نے مڈل کا امتحان پاس کیا اور ضلع بھر میں اول رہے۔

۱۹۰۲ء میں آپ نے گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر سے میٹرک کا امتحان امتیازی پوزیشن میں پاس کرنے کے علاوہ (Cetificate of Proficiency in Mathematic) (Persian & Arabic) کے امتحان بھی پاس کئے اور اول رہ کر خصوصی انعامات حاصل کئے۔

۱۹۰۴ء میں آپ نے چرچ مشن کالج امرتسر سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان ضلع بھر میں اول رہ کر پاس کیا اور شاندار تعلیمی وظیفہ حاصل کیا۔ عربی۔ حساب اور انگریزی میں خصوصی انعامات ملے۔

۱۹۰۶ء میں آپ نے ایف سی کالج لاہور سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اس میں

اولیت حاصل کرنے کے ساتھ خصوصی وظیفہ بھی ملا۔

۱۹۰۷ء میں آپ نے ایم اے (ریاضی) کا ایک سالہ کورس آٹھ ماہ میں امتیازی شان سے پاس کر کے پنجاب یونیورسٹی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔

خراج تحسین

۱۴/ اپریل ۱۹۰۷ء کو لاہور کے انگریزی اخبار "ٹریبون" نے عنایت اللہ خاں کو اس شاندار کامیابی پر مبارک باد دیتے ہوئے لکھا کہ "اس سال پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے (ریاضی) کے امتحان میں عنایت اللہ خاں نے جو حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے اس نے تمام ان جلد بازوں کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا ہے جو اٹھتے بیٹھتے یہ کہتے نہ تھکتے تھے کہ مسلمانوں کو حساب نہیں آتا۔ عنایت اللہ خاں کی کامیابی نے ثابت کر دکھایا ہے کہ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔ ان کی اس بے مثال کامیابی نے صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کی صلاحیتوں کے خلاف بے بنیاد ہاؤ ہو پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے بلکہ آئندہ نسلوں کے دلوں سے اس بے سروپا خیال کے مٹانے میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔"

آپ کے پروفیسر ایس این داس گپتا کہا کرتے تھے کہ "میں نے پنجاب میں کوئی طالب علم ریاضی میں ان سے ہوشیار نہیں دیکھا۔"

اس قابل رشک کامیابی نے عنایت اللہ خاں کی غیر معمولی ذہانت اور خداداد قابلیت کی دھاک چاروں طرف بٹھا دی۔ اہل علم طبقہ نے آپ کے اعزاز میں دعوتیں دیں۔ سرکاری افسروں نے ملاقات کے لئے بلایا۔ اخبارات نے خصوصی نوٹ لکھے اور آپ کی کامیابی کو ہندوستان کے لئے باعث صد افتخار قرار دیا اور ببانگ دہل کہا کہ "عنایت اللہ خاں نے بحیثیت ریاضی دان دنیا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس علم میں مسلمان قوم کو جو درک حاصل ہے اس کی پرچھائیں بھی اغیار میں نہیں۔" برصغیر میں یہ مثل مشہور تھی کہ مسلمان کو ریاضی سے کیا واسطہ؟ لیکن ہونہار عنایت اللہ خاں نے پنجاب یونیورسٹی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ کر اہل وطن کو اپنے نظریات و خیالات بدلنے پر مجبور کر دیا۔

صوبہ پنجاب کے گورنر کی دعوت

صوبہ پنجاب کے انگریز گورنر سر ولیم فریڈرک کو تعلیم کی ترقی اور طالب علموں کی حوصلہ افزائی سے خاص دلچسپی تھی۔ اس نے اس ہونہار طالب علم کی بے مثال کامیابی سے متاثر ہو کر گورنمنٹ ہاؤس میں ایک خصوصی دعوت کا اہتمام کیا۔ اس میں حکومت کے ممتاز عہدے دار اور محکمہ تعلیم کے بڑے بڑے افسران مدعو تھے۔ عنایت اللہ خان اپنے والد خان عطا محمد خاں کی معیت میں شریک تھے۔ گورنر بہادر نے دعوت کے اختتام پر عنایت اللہ خاں کو اس عظیم کامیابی پر خراج تحسین اور ہدیہ تبریک پیش کیا۔

پروفیسر گپتا کا خطاب

آپ کے استاد اور پنجاب کے ممتاز ریاضی دان پروفیسر گپتا بھی اس دعوت میں موجود تھے گورنر کی تعارفی تقریر کے بعد پروفیسر موصوف نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میرے ہونہار شاگرد نے پورے ہندوستان میں اپنی بے مثال فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔ عنایت اللہ خاں کی اس کامیابی کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرات نہیں کرے گا کہ مسلمان حساب نہیں جانتے۔ اس نے مدتوں کے بعد پہلی دفعہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ ثابت کیا ہے کہ جو علم مسلمانوں کی آغوش میں پروان چڑھا' آج بھی ان کا دامن چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ میری دعا ہے کہ عنایت اللہ خاں کی یہ کامیابی علمی دنیا میں فتح کا قدم ثابت ہو اور اس کے بڑھتے ہوئے قدم پوری دنیا پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیں۔"

آخر میں عنایت اللہ خاں نے اپنا اخلاقی فرض ادا کرتے ہوئے گورنر پنجاب کا شکریہ ادا کیا۔

کسب علم کی خواہش اور انگلستان روانگی

یہ وہ زمانہ تھا جب تعلیم یافتہ لوگ خال خال تھے۔ چنانچہ جونہی امتحانات کے نتائج

منظر عام پر آئے آپ کی عدیم المثال کامیابی کی خبر آپ کے لئے اعلیٰ سرکاری اور غیر سرکاری عہدوں کی پیشکش لے آئی لیکن کسب علم کی خواہش مانع ہوئی۔ طبیعت کی تشنگی کم نہ ہوئی تھی اس لئے ایم اے کے امتحان میں شہرہ آفاق کامیابی نے سمند شوق کو ایک اور تازیانہ لگایا اور آپ نے اعلیٰ سرکاری و غیر سرکاری عہدوں کی پیشکشوں کو شکریہ کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ والد بزرگوار نے سرکاری وظیفہ کا انتظار کئے بغیر اپنے ذاتی خرچ پر حصول تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا۔

انگلستان میں دھوم

عنایت اللہ خان ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک انگلستان میں مقیم رہے۔ یہاں انہوں نے چار ٹرائی پوس پانچ برس کے عرصہ میں امتیازی پوزیشن میں حاصل کئے۔

۱۹۰۷ء میں آپ نے کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں داخلہ لیا اور پہلے ہی سال مقابلہ کے ایک امتحان میں اول رہ کر ستر پونڈ کا وظیفہ حاصل کیا اس امتحان میں سترہ کالج شریک تھے۔ آپ کی عظیم الشان کامیابی پر آپ کو "فاؤنڈیشن" سکالر کا خطاب دیا گیا۔ اب عنایت اللہ خاں اپنے تمام اساتذہ کی مرکز نگاہ بن گئے۔

۱۹۰۹ء میں آپ ریاضی کے "ٹرائی پوس آنرز" کے امتحان میں شریک ہوئے یہ امتحان دنیا بھر میں علم حساب کا سب سے بڑا مشکل ترین امتحان تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ نے یہ امتحان تین سال کی بجائے دو سال میں نہ صرف پاس کیا بلکہ اول رہے اور " رینگلر " یعنی پہلوان کا خطاب حاصل کیا۔ اس مایہ ناز کامیابی پر یونیورسٹی نے آپ کو ایک اور وظیفہ پہلے سے زیادہ مقدار میں دیا اور آپ "بیچلر سکالر" کہلائے۔

عنایت اللہ خاں نے ان کامیابیوں پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ صرف دو برس کے بعد بیک وقت "ٹرائی پوس آنرز" کے دو اور امتحانات میں شرکت کی۔ کسی ٹرائی پوز کے امتحان کی عام معیاد تین سال ہوتی ہے۔ چنانچہ دو سال کی قلیل مدت میں چھ سال کا کام مکمل کر کے درجہ اول میں کامیابی حاصل کرنا حیرت انگیز امر تھا۔ اس نمایاں کامیابی پر "ڈیلی مرر" نے لکھا: "امسال کیمبرج میں عنایت اللہ خاں نے ٹرائی پوس میں بیک وقت کامیابی کا غیر معمولی امتیاز حاصل کیا ہے جو اس سے پیشتر کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوا

تھا۔" اسی طرح آپ نے السنہ الشرقیہ میں ٹرائی پوس اور علم طبیعیات (Natural Scinces) کے امتحانات پاس کر کے کالج میں اولیت کا انعام پایا۔

۱۹۱۲ء میں آپ مکینیکل سائنس ٹرائی پوس (انجینئری) کے سب سے بڑے امتحان میں شامل ہوئے اور صرف ایک برس میں بی ای (آنرز) کی ڈگری حاصل کی۔

انگلستان میں اپنے قیام کی پانچ سال کی قلیل مدت میں کیمرج یونیورسٹی کے مشکل ترین امتحانات میں چار آنرز حاصل کر کے آپ نے علمی دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ آپ نہ صرف براعظم ہند بلکہ دنیا بھر میں پہلے طالب علم تھے جنھوں نے یہ اعزازات نمایاں کامیابی کے ساتھ حاصل کئے اور ان کے قائم کردہ ریکارڈ آج تک قائم ہیں اور کوئی ماں کا لال انہیں توڑ نہیں سکا۔

کرائسٹ کالج کے پرنسپل اور ملک بھر کے اخبارات نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کے حالات زندگی شائع کئے

کرائسٹ کالج کے فاضل پرنسپل نے کہا

> کیمبرج کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس قدر بے مثال اعزازات اور کسی کے حصہ میں نہیں آئے۔ گزشتہ آٹھ سو سال میں یونیورسٹی اس قدر لائق اور قابل قدر طالب علم پیدا نہیں کر سکی۔ ہمیں عنایت اللہ خاں پر فخر ہے۔ یہ ہیرو ہے--- ہندوستان کا' کیمبرج کا اور مسلمانوں کا! علمی دنیا اس پر فخر کرتی رہے گی۔ کیمبرج کی تاریخ میں اس ہونہار اور شہرہ آفاق طالب علم کا نام سنہری حروف میں رخشندہ و درخشندہ نظر آئے گا۔ آنے والی نسلیں اس کے نقوش پا پر چلنا باعث عزت و توقیر خیال کریں گی۔ ان کے نزدیک عنایت اللہ خاں کی کامیابی یقیناً کرامت کے الفاظ سے یاد کی جائے گی۔

روزنامہ "سٹار" نے ۱۲/ جون ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں لکھا:

اس وقت تک یہ بات ناممکن خیال کی جاتی تھی کہ پانچ سال کی قلیل مدت میں کوئی شخص کیمبرج میں چار اعزازات حاصل کر سکے۔ لیکن یہ سہرا ہندوستان کے سر ہے کہ

عنایت اللہ خاں نے اس ناممکن کو "ممکن" کر دکھایا۔

روزنامہ "ویسٹ منسٹر" نے ۱۲ جون ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں لکھا:

ہونہار ہندوستانی سکالر عنایت اللہ خاں نے آج ایک اور اعزاز حاصل کر لیا ہے۔ بلاشبہ وہ ان چوٹی کے ہندوستانیوں میں سے ہے جنہوں نے کیمبرج یونیورسٹی میں شہرت دوام حاصل کی۔

روزنامہ "کیمبرج نیوز" نے ۱۲/ جون ۱۹۱۲ء کو جامعہ کیمبرج کے نتائج شائع کرتے ہوئے لکھا:

آج صبح کامیاب طلباء کی ایک اور فہرست شائع ہوئی ہے۔ اس میں عنایت اللہ خاں آف کرائسٹ کالج کا شاندار کارنامہ خاص دلچسپی کا مرکز ہے۔ عنایت اللہ خاں ان تمام ہندوستانیوں سے جنہوں نے کیمبرج میں تعلیم حاصل کی، بازی لے گیا ہے اور اقوام عالم کے افراد میں سے پہلا بشر ہے جس نے چار مختلف علوم میں انتہائی اعزازات حاصل کیے۔

روزنامہ "ڈیلی کرانیکل" لندن نے اپنی ۱۳ جون ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں لکھا:

مکینیکل ٹرائی پوس کا نتیجہ جو کیمبرج میں کل شائع ہوا، عنایت اللہ خاں کی کامیابی کو پیش نظر رکھ کر نہایت قابل لحاظ ہے۔ دنیا کی تمام اقوام میں عنایت اللہ خاں پہلا شخص ہے جس نے چار مختلف اعزاز حاصل کیے۔

ان شاندار علمی کارناموں کے بعد جو انہوں نے انگلستان میں اپنے پانچ سالہ قیام کے دوران سرانجام دیئے، یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ ایک طرف آپ ماہر ریاضی دان مانے گئے تو دوسری طرف انگریزی، عربی، فارسی کے بے مثال ادیب ثابت ہوئے۔ جہاں آپ نے سائنس دان کی حیثیت سے دنیا بھر میں قابلیت کا سکہ جمایا وہاں ایک لاجواب انجینئر کی حیثیت سے بھی منتخب سمجھے گئے۔ اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ سیاسی حیثیت سے بھی آپ کی شخصیت منفرد حیثیت کی حامل رہی۔ آپ انگلستان کے کئی

مقتدر اخبارات اور رسالوں مثلاً ٹائم، ڈیلی ٹیلی گراف، ایمپائر ریویو، ویسٹ منسٹر ریویو حتیٰ کہ دنیا کے سب سے بڑے اخبار "لندن ٹائمز" کے مستقل سیاسی نامہ نگار رہے اور دنیا کے بڑے بڑے انسان ان مضامین پر آپ کو مبارک باد بھیجتے رہے۔

عنایت اللہ خاں، ملت اسلامیہ کا در بے بہا تھے۔ ہم اس گنجینہ علم پر جس قدر بھی نازاں ہوں کم ہے۔ ان کی علمی قابلیت اور میدان علم میں کارہائے نمایاں ہماری نئی نسل کے نوجوانوں کے دلوں میں بلند ہمتی کی برقی رو دوڑا دینے کے لئے کافی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی اس سرزمین کے فرزند جلیل کے حضور امت کا سلام پہنچے جس نے آنے والی نسلوں کے نونہالوں کے لئے حصول علم کا جذبہ لامتناہی پیدا کرنے کے دروازے کھول دیئے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے چار انتہائی مشکل امتحانات (ٹرائی پوس) پندرہ سال کی بجائے صرف پانچ سال کی مدت میں اعلیٰ ترین اعزازات کے ساتھ پاس کر لینے کا راز عنایت اللہ خان کی تعلیم سے لگن، عزم و ارادہ کے علاوہ بلندی کردار میں مضمر ہے۔ انہوں نے یورپ میں اپنے قیام کے دوران کسی لہو و لعب میں حصہ نہیں لیا وہ خود فرماتے ہیں کہ "ولایت میں تعلیم پا کر اور اس کی چمک دمک دیکھ کر آج تک ایک سینما نہ دیکھا، ایک دن اس کا نہ بنا اور تیری طرف رہا اور تو ڈاڑھیاں رکھ رکھ کر اور جبے پہن پہن کر یورپ کی چمک اور سینما کی طرف لپک رہا ہے" (الاصلاح ۲۳ نومبر ۳۴ء)۔

عظیم عالمی سکالر!
جس کے تعلیمی ریکارڈ ہنوز قائم ہیں۔

۲۳ مئی ۱۹۵۷ء کو ایک اخباری بیان میں "دہلی چلو تحریک" (جس کا تذکرہ آخری جلد میں ہو گا) پر بھارتی وزیراعظم پنڈت جوہر لعل نہرو کی مخبوط الحواسی پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے انکشاف فرمایا:

"پنڈت نہرو کیمبرج یونیورسٹی میں میرے ہم عصر ہوتے ہوئے ایک ادنیٰ درجہ کے نالائق طالب علم تھے---- میرے دوست نہرو کو اچھی طرح معلوم ہے

کہ کیمبرج یونیورسٹی نے خود اپنے الفاظ میں اعلان کیا کہ میں دنیا کی تمام قوموں میں پہلا شخص ہوں جس نے چار آنرز حاصل کر کے کیمبرج یونیورسٹی کا ریکارڈ مات کر دیا۔ یہ ریکارڈ تیس سال بعد بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں نے یہ مقام اپنی قابلیت سے حاصل کیا۔ پنڈت نہرو وزیراعظم کی طرح باپ کی وجہ سے حاصل نہیں کیا"۔

جارج ہوسٹل میں الوداعی دعوت

انگلستان میں انڈین سوسائٹی کی طرف سے جارج ہوسٹل میں عنایت اللہ خان کے اعزاز میں ایک الوداعی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ دعوت کے اختتام پر رسمی تقریریں ہوئیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے خطاب میں کہا کہ ایسی دعوتوں سے میرے وطن عزیز کی پیشانی سے غلامی کا داغ دھل نہیں سکتا۔ ہماری علمی فتوحات اس امر کا اعلان ضرور ہیں کہ ہندوستان بہترین دماغ پیدا کر سکتا ہے جو برطانوی دماغوں کو شکست دے سکتے ہیں اور اپنی قوم کے مستقبل کو چار چاند لگا سکتے ہیں۔ یہاں سے واپس جا کر ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم انگلستان کی زنجیروں کو کن ہتھیاروں سے توڑ سکتے ہیں۔ ہم برطانیہ کے گھر کے بھیدی بن کر یہاں کام کر رہے ہیں اور آزادی کے علمبردار بن کر واپس لوٹیں گے۔ ہمیں اپنی نگاہیں بلند رکھنی چاہئیں اور اپنے مقاصد میں زیادہ سے زیادہ وسعت پیدا کرنی چاہئے تاکہ غلامی کی زنجیروں کو جلد از جلد توڑ سکیں۔

کیمبرج یونیورسٹی میں ایک عجیب و غریب واقعہ

آپ فرماتے ہیں کہ: ایک عجیب و غریب واقعہ جو کیمبرج میں میرے ساتھ ۱۹۰۹ء میں ہوا یہاں پر بیان کرنے کے لائق ہے۔ میں ۱۹۰۷ء میں کیمبرج میں داخل ہوا اور ایک سال ہی میں یونیورسٹی کے تمام کالجوں کے ریاضی کے آزمائشی امتحان میں اول رہا۔ میری عمر بھی اس وقت ۱۹ سال تھی اور میں نمایاں ہونے کی وجہ سے شوخ ترین طالب علموں میں سے تھا۔ کیمبرج میں دستور ہے کہ وہاں کے کسی پروفیسر سے طالب علم بالعموم کلام نہیں کرتے کیونکہ یہ لوگ اپنی ایجادات میں محو رہتے ہیں اور ان کی دنیا ہی

کچھ اور ہے۔ ایک روز میں نے اتوار کے دن ایک بہت بڑے نامور پروفیسر کو بازار میں دیکھا کہ معمولی سے کپڑوں میں انجیل اور چھتری دونوں بغلوں میں دبائے آ رہا ہے حالانکہ اس وقت سخت بارش ہو رہی تھی۔ اپنی شوخی کی وجہ سے جھٹ اس کو سلام کیا۔ پروفیسر نے مسکرا کر جواب دیا تو شیر ہو گیا اور اس سے انتہائی گستاخی کر کے پوچھا کہ "جناب! آپ تو دنیا کے مشہور ترین عالم ہیں، آپ انجیل پر کیسے یقین کرتے ہیں۔"

پروفیسر یہ کہہ کر چل دیا کہ:

"جمعرات کے دن میرے مکان پر آؤ۔" میں نے تمام ہم جماعتوں میں ہنگامہ مچا دیا کہ دیکھو پروفیسر نے مجھے مکان پر بلایا ہے۔ وہ یقین نہ کرتے تھے۔ جمعرات کے دن ایک شریر جماعتی (جو انگریز تھا) میرے ساتھ ہو گیا کہ چلو تمہارے جھوٹ کو آزمائیں۔ ٹھیک چار بجے ہم پروفیسر کے مکان پر پہنچے تو عین اس وقت اس کے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک عورت میرا نام پوچھ کر مجھے اندر لے گئی۔ میرا ساتھی یہ منظر دیکھ کر بھاگ گیا۔ پروفیسر نے نہایت محبت آمیز لہجے میں مجھے چائے پیش کی۔ پھر کہا تمہارے سوال کا جواب دینے کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ میں اس تمام واقعے سے پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ میں نے معذرت کی اور کہا کہ بڑا گستاخانہ سوال تھا جو میں نے کیا۔ الغرض! ایک گھنٹہ تک اس نے مجھے سمجھایا کہ یہ صحیفہ فطرت کیا ہے ہم اس کی تلاش میں کس قدر محو ہیں۔ ہم اس کے اندر کیا کیا عظیم الشان باتیں دیکھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آخر میں اس نے یہ الفاظ بعینہ کہے کہ "میں تم کو اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب سے میں صحیفہ فطرت کی تلاش میں لگا ہوں میرے بدن کے رونگٹے خدا کے خوف سے ہر دم کھڑے رہتے ہیں۔" میں حیران رہ گیا کیونکہ ہمارے ہندوستان کے سائنس پڑھے ہوئے "نیم حکیم" پروفیسر تو اکثر خدا کے منکر ہوتے ہیں الغرض ان الفاظ کو جب دو سال بعد ۱۹۱۱ء میں اسی کیمبرج کی یونیورسٹی میں عربی کا امتحان دیتے ہوئے قرآن حکیم میں پڑھا اور انما یخشی اللہ من عبادہ العلموء اور تقشعر منہ جلودھم کے لفظوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ علما مولوی لوگ نہیں بلکہ یہ عالم ہیں جنہوں نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اس وقت سے قرآن کی عظمت میرے دل میں بیٹھتی گئی اور یہ واقعہ قرآن حکیم کے متعلق روشنی کی پہلی کھڑکی تھی

جو مجھ پر اتفاقاً کھلی ورنہ میں سائنس پڑھ کر قرآن سے بالکل محروم رہتا۔ (حدیث القرآن ص ۱۸۵)

پیرس یونیورسٹی میں نیا علمی ریکارڈ

انگلستان اور یورپ میں مملکت علوم میں فتح عظیم کے جھنڈے گاڑنے کے بعد مشرق کی فلک گیر عظمتوں کے علمبردار مشرقی مراجعت فرمائے ہندوستان ہوئے تو کچھ عرصہ کے لئے پیرس میں ٹھہر گئے۔ طبیعت کی تشنگی ابھی باقی تھی۔ سمند شوق نے ایک اور تازیانہ لگایا آپ نے پیرس یونیورسٹی سے انجینئرنگ کے دو سالہ نصاب کو چھ ماہ میں ختم کر کے نہ صرف فرسٹ پوزیشن حاصل کی بلکہ پیرس یونیورسٹی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ کر علمی دنیا میں ایک ہل چل پیدا کر دی۔

انگلستان سے واپسی اور حکومت میں شمولیت

برصغیر کا یہ نامور سکالر ابھی انگلستان سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ یہاں کی مختلف ریاستوں، صوبائی و مرکزی حکومتوں کی طرف سے اعلیٰ مناصب کی پیشکشیں شروع ہو گئیں۔ عنایت اللہ خاں کی خوش نصیبیاں اور سعد بختیاں آگے بڑھ بڑھ کر اس کے قدم چوم رہی تھیں۔ عظمت و شہرت اور جاہ و منصب کا ہر دروازہ اس کے لئے کھلا تھا لیکن اس کی نگاہوں کے سامنے اپنی قوم کی نشاۃ ثانیہ کی ایک انتہائی اہم منزل تھی اسی لئے انہوں نے غیر ملکی سامراج کے رموز مملکت اور راز ہائے درون خانہ کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ آپ نے سر جارج کیبل گورنر سرحد کی پیشکش پر اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل کا منصب سنبھالا جس پر آپ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۵ء تک فائز رہے۔ ۱۹۱۶-۱۷ء میں پرنسپل کے فرائض سرانجام دیئے اس عرصہ میں آپ نے جس محنت اور بے جگری کے ساتھ اسلام کے وقار کو سربلند کیا اس کا حال کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جو حکومت سرحد کی تعلیمی پالیسی سے آشنا ہیں۔

۱۹۱۷ء میں آپ کو حکومت برطانیہ کے ایما پر اچانک گورنر جنرل لارڈ چمسفورڈ نے شملہ میں سر جارج انڈرسن کی جگہ انڈر سیکرٹری کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی دعوت

دی۔ اس مرحلہ پر اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ لارڈ چمسفورڈ نے جب آپ کو دہلی طلب کیا اور گورنر جنرل ہاؤس میں ایک ملاقات کے دوران شہنشاہ برطانیہ کی طرف سے آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انڈر سیکرٹری (نائب وزارت ہند) کے عہدہ جلیلہ کی پیشکش کی اور مطالبہ کیا کہ "کیا آپ تحریری طور پر یہ یقین دلا سکیں گے کہ شہنشاہ برطانیہ کی حکومت کا یہ اعتماد قائم رکھا جائے گا۔" اس کے جواب میں ملت اسلامیہ کے اس فرزند جلیل نے جو کچھ فرمایا تاریخ کے اوراق پر سنہری حروف میں ہمیشہ نمایاں نظر آئے گا آپ نے کہا:

یور ایکسیلنسی! مجھے حقائق کو بے نقاب کرنے پر معاف فرما دیں کہ میں نے آج تک حکومت کے سامنے کسی عہدے کے حصول کے لئے کشکول گدائی نہیں پھیلایا۔ مجھے آج تک جو ذمہ داریاں تفویض کی جاتی رہیں میں نے انہیں پورے طور پر نبھایا ہے۔ جس کا اعتراف نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کی حکومت برطانیہ کو بھی ہے۔ اس قابل قدر ریکارڈ کے ہوتے ہوئے تحریری طور پر یقین دلانا اپنی نیک نیتی کی توہین سمجھتا ہوں۔ تحریری طور پر یقین دلانے والے ضمیر فروش آپ کو بیسیوں نہیں سینکڑوں مل جائیں گے لیکن الحمدللہ کہ میں ضمیر فروش نہیں ہوں۔ حکومت اگر میری خدمات سے استفادہ حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے خود مجھے یقین دلانا چاہیے کہ وہ بہرحال اپنا اعتماد مجھ پر قائم رکھے گی نہ کہ الٹا وہ مجھ سے ایسی یقین دہانی کی طالب ہو۔"

اور اس کے ساتھ ہی آپ نے اس عہدے کی قبولیت سے معذوری کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ یہ بات اس عہدہ و منصب کے لئے لازم و ملزوم تھی کہ سرکار کو اپنی وفاداری کا تحریری یقین دلایا جائے لیکن وائسرائے ہند نے حکومت ہند کی منظوری سے آپ کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اور آپ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ تین برس کی اس مدت میں آپ پر حکومت وقت کی مشین کی بے پناہ حرکت، ملت فروش جعفرو صادق کی ریشہ دوانیاں، حکومت کے منظور نظر ٹوڈیوں کی قوم فروشیاں،

ظلمت و سیہ کاری، نور اور سچائی کے فقدان کے تمام عقدے وا ہو گئے۔ آپ کی حد درجہ حساس طبیعت اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ قوم کی تباہی، ذلت و مسکنت پر دل خون کے آنسو پہلے ہی روتا تھا، اب ان واقعات کے افشاء سے پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ آپ نے اس مدت میں ہر سیاسی اور مذہبی جماعت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور غور و فکر کے بحر بیکراں میں غوطہ زن رہنے لگے۔ گردو نواح کے تلخ حقائق کا جائزہ لینے لگے تاکہ اس بدبخت قوم کی سربلندی کا کوئی سبب پیدا ہو جس نے ۱۱۳۵ برس تک برعظیم ہند کے طول و عرض میں بلا شرکت غیرے حکمرانی کی تھی۔

انیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر سیاسی ہنگاموں کی گرفت میں تھا۔ مسلمانوں کی سیاسی برتری کا جنازہ نکل چکا تھا اور اس کی بحالی کی تمام امیدیں ناپید ہو چکی تھیں۔ اسلامی معاشرہ ضعیف و ناتواں ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے دین اسلام کی شکل و شباہت غیروں کی خوشنودی کی خاطر خود ہی بگاڑ ڈالی تھی۔ قران حکیم کے کھلے اور واضح احکام کی غلط تاویلیں کی جانے لگی تھیں۔ اپنا تمدن اور اپنی تہذیب کو یکسر فراموش کر کے ہندوانہ رنگ و اطوار اختیار کرنے شروع کر دیئے تھے اور ہند و عقائد میں سے بیشتر جزو اسلام بنا لئے تھے اور انہیں اصول و اساس قرار دے دیا گیا تھا۔

ان روح فرسا حالات میں برصغیر کے مسلمانوں کی بگڑی سنوارنے کے لئے کئی مذہبی اور اصلاحی تحریکیں منصہ شہود پر آئیں۔ حاجی شریعت اللہ کی تحریک اصلاح، اور سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد وغیرہ کے پیش نظر اسلام کی سربلندی اور ملت کا استحکام و عروج تھا۔ ان تحریکوں نے مسلمان گروہوں کے درمیان وقتی طور پر فکر و نظر کی جمعیت اور یکسانی پیدا کی، ان کے مشترکہ شعور کو فروغ ہوا لیکن یہ تحریکیں غیر منظم ہونے کی وجہ سے حادثات زمانہ سے دوچار نہ ہو سکیں اور بالاخر مٹ گئیں۔

عنایت اللہ خاں نے انگریزی دور اقتدار میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا

منظر بہ چشم خود ملاحظہ کیا۔ انہیں اسلام سے دور اور غیروں کے ہاتھوں میں کھلونا بنتے اور ملت فروشی کرتے دیکھا تو آپ نے اس بدنصیب امت کو ان خودغرض، ابن الوقت پیران تسمہ پا سے نجات دلانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے متعلق ٹھوس اور تعمیری پروگرام پر غور و خوض شروع کر دیا۔

اس اثناء میں انڈر سیکریٹری (نائب وزارت ہند) کے عہدے کی میعاد ختم ہونے والی تھی۔ سر ایڈورڈ میکلیگن نے (جو بعد میں گورنر پنجاب مقرر ہوا) آپ کی اس تین سالہ کارگزاری کا اعتراف کرتے ہوئے وزیر ہند کو لکھا کہ:

حکومت ہند میں جتنے ہندوستانی اب تک آئے ہیں ان سب میں عنایت اللہ خاں نے حکومت ہند میں انتہائی درجہ کی ذہانت ظاہر کی ہے اور عہدہ وزارت کے کام کو ہماری کامل تسلی کے ساتھ کیا۔

لیکن ایک متعصب انگریز سر ہنری شارپ سیکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنی خفیہ رپورٹ میں لکھا کہ:

مقام شکر ہے کہ آج عنایت اللہ خاں کی نائب وزارت کی میعاد ختم ہوئی ہے۔ تین سال تک حکومت ہند کی مشینری اس ایک شخص کے کہنے کے مطابق چلتی رہی۔

ایک دوسرے صوبہ کے گورنر نے حکومت کو ۱۹۱۸ء میں لکھا کہ:

یہ شخص ہندوستان میں خطرناک ہے اس لئے اس کو دلاسے اور پیار سے رکھنا چاہئے۔

عنایت اللہ خاں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا تو انگریز مذکور نے آپ کو جواباً تحریر کیا کہ:

ہاں! یہ سچ ہے کہ میں نے ٹھیک لکھا ہے اور اس کو دہراتا ہوں کہ تمہاری استعداد اور لیاقت کا آدمی خواہ وہ کسی قوم میں ہو، خطرناک ہوتا ہے۔

غلامی نے جہاں مسلمانوں کو ذلت و رسوائی عطا کی وہیں انگریزی حکومت میں انہیں ملازمتوں کے حصول سے بھی روکنے کا سلسلہ شروع تھا۔ مسلمانوں کی ترقی کو روکنے کے

لئے شرمناک ہتھکنڈے اختیار کئے جاتے تھے بقول ولیم ہنٹر:

مسلمان یہاں تک قعر ذلت میں گر چکے تھے کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے قابل ہوں تب بھی ان کو سرکاری اعلانات کے ذریعے ملازمت سے باز رکھا جاتا ہے۔ ان کی قابل رحم حالت پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اعلیٰ حکام تو ان کی ہستی کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ تمام ملازمتیں اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ آہستہ آہستہ مسلمانوں سے چھینی جا رہی ہیں اور دوسری قوموں بالخصوص ہندوؤں کو بخشی جاتی ہیں۔"

آپ نے ۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کو زوردار الفاظ میں ڈاکٹر اقبال اور دو اور مسلمانوں کے متعلق لکھا کہ "چونکہ صوبائی حکومتوں کا مسلمانوں کی اعلیٰ عہدوں پر تقرری کے بارے میں تعصب نہایت شرم ناک ہے، میرے نزدیک یہ تین اشخاص کم از کم ایسے ہیں کہ ان کو ہندوؤں کے بالمقابل اعلیٰ عہدے ملنے چاہئیں۔" (حریم غیب ص ۳۰۳)

اس پرزور سفارش پر جو آپ نے انگریز کا ملازم ہونے کے باوجود کی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ باقی دو مسلمان اعلیٰ عہدوں پر لے لئے گئے لیکن ڈاکٹر اقبال کو نہ لیا گیا کہ ان کی ڈگریاں تعلیمی نقطۂ نظر سے اچھی نہ تھیں۔ بہرحال، یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عنایت اللہ خاں کی بدولت انگریز حکومت کو اپنی پالیسی تبدیل کرنا پڑی اور مسلمانوں کو بھی اعلیٰ تعلیمی عہدوں پر مامور کیا جانے لگا۔ اس کامیابی کا سہرا یقیناً عنایت اللہ خاں کے سر ہے۔

صوبہ سرحد میں مذہبی تعلیم کا اجراء

۱۹۲۰ء میں آپ کو ایک ہزار روپیہ ماہوار پر انڈین ایجوکیشنل سروس (آئی ای ایس) کا مستقل عہدہ دے کر پشاور بھیج دیا گیا۔ یہ تنخواہ اس سروس کی ابتداء میں اس وقت تک کسی غیر انگریز کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اس عرصہ میں آپ پرنسپل ٹریننگ کالج پشاور، پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول، انسپکٹر آف ہائی سکولز اور رجسٹرار وغیرہ کے عہدوں پر مامور رہے۔ آپ نے صوبہ سرحد کے سرکاری مدارس میں دینی تعلیم کے اجراء کی تجویز حکومت کی شدید مخالفت کے باوجود جاری کی اور بالآخر حکومت کو ہائی سکولوں میں

قرآنی تعلیم کا اہتمام کرنے پر مجبور کر دیا- یہ کارنامہ ایسا عظیم کارنامہ تھا جسے اسلامیان برعظیم کبھی فراموش نہیں کر سکتے اس کی تفصیلات کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:

۱۹۲۲ء میں مجھے صوبہ سرحد میں کسی نے بتایا کہ حکومت نے تعلیمی کوڈ میں ایک شق رکھی ہے جس کی رو سے کسی مذہب کے لوگ سرکاری مدرسوں میں مذہبی تعلیم اپنے خرچ سے دے سکتے ہیں- میں نے فوراً کوڈ منگوایا اور معلوم ہوا کہ درست ہے- بشرطیکہ یہ مذہبی تعلیم (Out of School Hours) (یعنی مدرسے کے اوقات سے باہر دی جائے) میں اس اوقات مدرسہ سے باہر مذہبی تعلیم دینے کی حکمت عملی کو جھٹ تاڑ گیا کہ یہ بھی "نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچ گی" والی بات ہے- مجھے فوراً شرارت سوجھی- بھری مجلس میں انجان بن کر اور انگریزی محاورہ بھول کر بول اٹھا کہ مجھے اس (Out of School Hours) کا مطلب تو صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اوقات مدرسہ میں سے ہی (یعنی Out of) مذہبی تعلیم کے لئے وقت نکالا جائے- دو دن کے اندر اندر سب جگہ حکم بھیج دیا- دس دن کے اندر اندر مذہبی تعلیم کے استاد مقرر کر دیئے اور انجان بنا رہا- حکومت چیختی کی چیختی رہ گئی- مشورے کے لئے بلایا- کچھ آئندہ سوچنے کے لئے کہا کچھ آئینی مشکلات بتائیں- کچھ استادوں کی کانفرنس میں اس مسئلے کو پیش کرنے کے لئے کہا- الغرض، کئی جتن کئے کہ میں کسی طرح سٹھے پر ہاتھ دھرنے دوں اور اس تعلیم کو روک دوں مگر میں نے صاف مرغے کی وہی ایک ٹانگ بتلائی اور کہا کہ مجھے اس فقرے کے کوئی اور معنی نظر ہی نہیں آتے- میں اتنی انگریزی جانتا ہی نہیں جتنی کہ تم جانتے ہو- اب احکام نکل چکے ہیں- استاد مقرر ہو چکے ہیں- والدین نے اپنے بچوں کی فیس دینی شروع کر دی ہے- کوئی آئینی مشکل پیدا اب تک نہیں ہوئی- کسی طرف سے کوئی شور نہیں مچا- سانپ نکل چکا ہے اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ؟ الغرض اجڈ اور انجان بن جانے سے بہت سے کام نکل

آتے ہیں۔ دوسرے سال خود حکومت نے مذہبی تعلیم کو مفید سمجھ کر عام سرکلر اپنے دستخط سے جاری کر دیا کہ تمام سرحد میں مذہبی تعلیم عنایت اللہ خاں کے بتائے ہوئے نمونے پر حکماً جاری کر دی جائے آج اس تعلیم کو سولھواں سال ہے اور کوئی مشکل کیا ادنیٰ سی رکاوٹ اس کام میں پیدا نہیں ہوئی۔" (الاصلاح ۲۸/ جنوری ۱۹۳۸ء)

صوبہ سرحد کے مدرسوں میں فنی تعلیم کا اجراء

"۱۹۲۸ء میں اسی طرح کے دھکے سے آپ نے مدرسوں میں صنعتی اور حرفتی تعلیم جاری کر دی۔ اسکولی تعلیم کو ناکارہ اور لایعنی سمجھ کر بڑے بڑے نازک طبیعت بچوں اور رئیس زادوں کے ہاتھ میں رندے اور آرے پکڑا دیئے۔ کہیں سے کفایت کر کے دو تین خراد اور پھلکاری کی مشینیں جھٹ منگوا لیں۔ حکومت اس تمام کارروائی کو سخت شبہ کی نظروں سے دیکھتی رہی۔ محکمہ تعلیم کا انگریز افسر نجاری اور لوہاری کے کمروں کو جا کر دیکھنے سے شرماتا رہا۔ مجھے حکومت کے ایوان سے خودسر، سرکش اور نہ جانے کیا کیا لقب ملے ہوں گے۔ مگر اس خودسری اور سرکشی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج صوبہ سرحد کے اکثر مدرسوں میں صنعتی اور حرفتی تعلیم جاری کر دی گئی ہے۔ بے روزگاری کم ہو گئی ہے۔ لوگ پڑھے ہوئے بھی ہیں اور ساتھ ہی عمدہ کاریگر بھی۔ پٹھان، اگر نوکری نہیں ملتی تو جھٹ لات مار کر کاریگر بن جاتا ہے۔" (الاصلاح ۲۸/ جنوری ۱۹۳۸ء)

طلباء میں خوداعتمادی پیدا کرنے کی سعی

اس دوران ملازمت میں آپ نے صوبہ سرحد کے نوجوان طلباء میں خوداعتمادی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ نے چار ہزار روپے کی لاگت سے سکول میں ایک کوآپریٹو سٹور کھولا۔ ہر چیز پر اس کی قیمت لگا دی اور ساتھ ہی ایک پیالہ اور ایک بورڈ رکھ دیا جس پر تحریر تھا کہ:

کئی لوگ تم پر اعتماد نہیں کرتے لیکن میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تم سے

زیادہ کوئی قابل اعتبار نہیں- یہ چیزیں بھی پڑی ہیں اور پیالے میں پیسے بھی پڑے ہیں- ہر چیز کی قیمت اس چیز پر درج ہے- جو چیز اٹھاؤ اس پر درج شدہ قیمت پیالے میں ڈال دو- اگر تم پیالے کے پیسے بھی لے جاؤ تو خدا کے سوا تمہیں دیکھنے والا کوئی نہیں- لیکن مجھے یقین ہے کہ تم قابل اعتبار ہو-

تین ماہ کے بعد جب حساب کیا گیا تو صرف بارہ آنے کا نقصان ہوا- عنایت اللہ خاں نے اس طریق سے بچوں میں خوداعتمادی اور ایمانداری کا جذبہ پیدا کر دیا-

عنایت اللہ خاں کی انگریز دشمنی

۶/ مئی ۱۹۲۲ء کو برطانیہ کا ولی عہد پرنس آف ویلز سرکاری دورے پر پشاور آ رہا تھا- حکومت کی طرف سے انگریز شہزادے کے استقبال کی زبردست تیاریاں کی گئی تھیں لیکن چونکہ آزادی پسند مسلمان ان دنوں انگریزوں سے جلے بیٹھے تھے اس لئے احتجاجاً انہوں نے پرنس آف ویلز کے استقبال کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا- منادی کی گئی- پوسٹر لگائے گئے اور پشاور کی خلافت کمیٹی نے شہزادے کا مکمل بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا- عنایت اللہ خاں ان دنوں انگریزی حکومت کی سفارت اور "سر" کے خطاب کی پیشکش ٹھکرا دینے کی وجہ سے زیر عتاب تھے اور اتنے شہرۂ آفاق عالم فاضل ہونے کے باوجود اور انڈین ایجوکیشنل سروس کے کارکن ہوتے ہوئے پشاور کے واحد گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے- اتنے بڑے سرکاری عہدیدار ہونے کے باوجود عنایت اللہ خاں نے اپنی قوم پرستی اور انگریز دشمنی کا جو عملی ثبوت دیا اس کا بیان صوبہ سرحد کے نامور مورخ اللہ بخش یوسفی کی زبانی سنئے:

"علامہ محمد عنایت اللہ خاں المشرقی جو بعد میں تحریک خاکساران کے قائد کی حیثیت سے منظر عام پر آئے ان دنوں گورنمنٹ ہائی سکول پشاور کے صدر مدرس تھے- ان کا نظم و نسق اور دبدبہ روایتی حیثیت رکھتا تھا- لیکن مذکورہ (بائیکاٹ) کی تحریک ایسی ہمہ گیر تھی کہ کوئی اسے روکے بھی تو روک نہ سکتا تھا- چنانچہ گورنمنٹ ہائی سکول کے طلباء نے بھی ہڑتال میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا- مشرقی صاحب کو اطلاع ملی تو انہوں نے

تین چار لڑکوں کو (جو سرغنہ خیال کئے جاتے تھے) دفتر میں طلب کیا۔ مشرقی صاحب کی شخصیت کا یہ عالم تھا کہ طلبی کے نام سے طلباء کانپ اٹھتے تھے لیکن اس وقت قومی جذبات زوروں پر تھے اس لئے جب علامہ صاحب نے لڑکوں سے پوچھا کہ کیا وہ انگریز شہزادے کے بائیکاٹ میں حصہ لینا چاہتے تھے تو ایک طالب علم نے جو بنوں کا رہنے والا تھا اور ڈاکٹر قادر بخش کا فرزند تھا بڑی جرات سے کہا ہم قوم سے علیحدہ نہیں۔ جب مشرقی صاحب نے قدرے رعب ڈالا تو وہ بولا "آپ مجھے سکول سے خارج کر دیں لیکن میں قوم سے خارج نہیں ہو سکتا۔"

علامہ مشرقی کے سامنے کسی طالب علم کے یوں اظہار خیال کرنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ علامہ صاحب نے قدرے توقف کے بعد فرمایا: "اگر تمہارا ایک سکول نہ کھلا تو شہزادے کو کیسے معلوم ہو گا کہ گورنمنٹ ہائی سکول نے بائیکاٹ کیا ہے یا کسی اور نے؟" لڑکا بولا "پھر آپ ہی کوئی طریقہ بتا دیجئے۔" علامہ مشرقی کہنے لگے "بہتر صورت یہ ہے کہ تم سکول آؤ اور سڑک کے کنارے اس جگہ کھڑے ہو جاؤ جو حکومت نے تمہارے لئے تجویز کی ہے۔ حکومت سمجھے گی طلباء استقبال کے لئے آئے ہیں لیکن جب شہزادے کی سواری گزرے تو اس کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ اظہار ناراضگی کا شریفانہ طریقہ ہے۔"

کابلی دروازے کے باہر قبائلی طرز کا "باب خیبر" تعمیر کیا گیا تھا اور اس کے پاس ہی جگہ مقرر کی گئی تھی جہاں مختلف سکولوں کے طلباء شہزادے کے استقبال کے لئے کھڑے کئے گئے تھے۔ جب شہزادے کا جلوس اس جگہ سے گزرا جہاں گورنمنٹ ہائی سکول کے طلباء کھڑے تھے تو طلباء سڑک اور جلوس کی طرف پیٹھ کئے ہوئے خاموش کھڑے رہے۔ ایسے جیسے انہیں شاہی جلوس گزرنے کا پتہ تک نہ ہو بعد میں جب جلوس کچھ آگے بڑھ گیا تو تمام طلباء عوام کے ساتھ مل کر "شیم شیم" کے نعرے لگانے لگے۔ بائیکاٹ کی یہ انوکھی ترکیب حضرت علامہ مشرقی ہی کے دماغ کی اختراع تھی۔"

مغربی حکومتوں کے حیران کن فرائض

عنایت اللہ خاں مرکزی حکومت میں قیام کے دوران کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں

"میں جب حکومت ہند میں بڑے عہدے پر تھا آسٹریلیا کے ایک بارہ برس کے انگریز بچے نے ہندوستان کے وائسرائے کو بے دھڑک لکھا کہ اس کے گھر کی الماری میں فلاں کتاب موجود نہیں۔ اس کی قیمت ایک سو بارہ روپے ہے اور وہ اس قدر بڑی رقم خرچ کرنے کی برداشت نہیں رکھتا۔ حکومت ہند نے اس انگریز بچے کی خواہش کو پورا کرنا فرض سمجھا اور اپنے خزانے سے قیمت ادا کرنے کا حکم نافذ کر دیا۔" اس سے چند ماہ پہلے بنگال کے ایک ہندو بچے نے جس کی ماں نے سوت کات کر اس کا انٹرنیس کا امتحان دلایا تھا اور وہ بچہ جماعت میں اکثر اول رہنے کے باوجود فیل ہو گیا تھا اپنے پرچے یونیورسٹی سے دوبارہ امتحان کرانے کی فیس صرف پانچ روپیہ حکومت ہند سے مانگی اور دھمکی دی کہ اگر یہ فیس مقررہ وقت کے اندر اندر نہ پہنچی تو خنجر سے جو اس نے تیار کر رکھا ہے خودکشی کر لے گا۔ حکومت ہند نے میری تمام حمایت کے باوجود یہ عذر کر کے کہ اس طرح کی رعایت کرنے کا کوئی فنڈ موجود نہیں۔ یہ درخواست ٹال دی تھی اور خفیہ پولیس اس بچے پر مسلط کر دی کہ خودکشی نہ کرنے پائے۔ میں نے فوراً اعتراض کیا کہ آسٹریلیا کے انگریز بچے کے لئے ایک سو بارہ روپے دینے کے کوئی فنڈ حکومت کے پاس نہیں۔ حکومت ہند کے ایک بڑے وزیر نے میرے اس اعتراض پر بڑے نتھنے پھلائے۔ بڑا لال پیلا ہوا مگر چونکہ میں نے اس کی گردن دبا لی تھی ایک سو بارہ روپیہ کا چیک اپنی جیب سے نکال کر لکھ دیا اور حکم دیا کہ ادا کر دیا جائے۔" (الاصلاح ۲۸/ جنوری ۱۹۳۸ء)

انگریزوں سے دفتری لڑائیاں

میں نے حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر بارہا انگریزوں سے دفتری لڑائیاں لڑیں۔ چار پانچ متکبر اور پھنکارے مارنے والے انگریزوں سے دست بدست جنگ کی۔ اصول کی حفاظت میں بعض دفعہ بوٹ کی نوک سے ان کی تواضع کی۔ میں آج تک کسی انگریز افسر کو بلاوجہ اور بن بلائے نہیں ملا۔ وہ افسر ہو کر ہمیشہ میری خاطر ہی کرتے رہے۔

کرسیاں اٹھا اٹھا کر اور سگریٹ پیش کر کر کے میری خوشامد کرتے رہے۔ (الاصلاح ۹۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

جنرل لوکھاٹ کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا

پشاور کے جانباز محترم عبدالمنان نے خاکسار تحریک کے نامور مجاہد اور خطیب جلیل الحاج حافظ محمودالحسن صاحب کو اس زمانے کا ایک واقعہ سنایا جب عنایت اللہ خاں اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل مقرر ہوئے تھے۔ اس موقع پر صوبہ سرحد کے چیف کمشنر مسٹر میفی نے صوبہ سرحد کے ایریا کمانڈر جنرل راب لوکھاٹ کے اعزاز میں ایک خصوصی دعوت کا اہتمام کیا جس میں مہمان خصوصی کے علاوہ صاحبزادہ سر عبدالقیوم خاں' خان بہادر علی قلی خاں' خان بہادر شیخ محبوب علی خان' خان بہادر شہباز خان اور خلد آشیانی حضرت علامہ عنایت اللہ خان المشرقی بھی مدعو تھے۔

دعوت کے اختتام پر جب سلسلہ گفتگو کا آغاز ہوا تو جنرل لوکھاٹ نے خان مشرقی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ آیا وہ اسلامی تاریخ سے کسی ایسے فاتح سپہ سالار کا نام بتا سکیں گے جو ان پڑھ ہوتے ہوئے بڑی بڑی جنگوں کی کامیابی سے کمان کرتا رہا ہو۔ جواباً" خان مشرقی نے خالد' طارق' اسامہ بن زید' سعد بن ابی وقاص سے لے کر دیگر نامور سپہ سالاران اسلام کی ایک طویل فہرست بیان کر دی جو ان پڑھ ہوتے ہوئے تاریخ عالم کے عظیم فاتح سپہ سالاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ جنرل لوکھاٹ خود بھی ان پڑھ تھا اور فوجی ہونے کے لحاظ سے بڑا اکھڑ اور شوریدہ سر بھی تھا۔ اپنی اسی اکڑ خوں میں اس نے دوسروں کے جذبات کا احساس کئے بغیر یہ بک دیا کہ:

دیکھو! مسٹر عنایت اللہ خاں! ان میں سے تمہارا کوئی بڑے سے بڑا مسلمان جرنیل ہمارے ایک ادنیٰ انگریز سپاہی کی برابری نہیں کر سکتا۔

لوکھاٹ کا خیال تھا کہ اس کے ان گستاخانہ الفاظ پر جی حضوریوں کی یہ منڈلی شاید مرحبا پکار اٹھے گی لیکن اس کا ردعمل جنرل صاحب کی خوش فہمی کے بالکل برعکس تھا۔ جنرل لوکھاٹ کا فقرہ ابھی پورا نہ ہونے پایا تھا کہ اسلام کی عظمت رفتہ کا نقیب المشرقی غیرت ایمانی کا طوفان بن کر اپنی کرسی سے اٹھا اور سامنے کی میز کو جوش غضب میں الٹتا اکڑ باز برطانوی جرنیل پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑا۔ جنرل لوکھاٹ کرسی سے زمین پر منہ

کے بل گر پڑا۔ گھونسوں اور بوٹوں کی مار اسے ادھ مواء کئے جا رہی تھی اور خان مشرقی کف بردہان گرج رہے تھے: ذلیل اور کمینے! تمہاری یہ جرات کہ میرے سامنے میرے بزرگوں کی توہین کی جرات کرو۔ اس دوران چیف کمشنر میفی' صاحبزادہ سر عبدالقیوم اور دیگر مہمان آگے بڑھے اور بمشکل بیچ بچاؤ کرانے کے قابل ہوئے۔ مسٹر میفی نے خان مشرقی سے استدعا کی کہ اس لغویت کو معاف کر دیں اور بھول جائیں۔ جنرل لوکھاٹ جو ان کے فولادی پنجے سے آزاد ہوا' ہانپتا کانپتا الگ التجائیں کر رہا تھا اور آخر اس نے خان مشرقی کے قدموں کو چھو کر معافی طلب کی اور اس طرح یہ ہنگامہ ٹھنڈا ہوا۔ مشرقی کے آخری الفاظ تھے:

دیکھنا جنرل لوکھاٹ آئندہ ایسی بدتمیزی سے توبہ اختیار کرو۔ مسلمانوں کا خون تمہاری غلامی کے باوجود ابھی اس قدر ٹھنڈا نہیں پڑا کہ وہ تمہاری ہر بکواس گوارا کر لیں۔

یہ تھا وہ خان مشرقی جس نے بعدازاں ان گستاخ اور اکڑ باز فرنگیوں سے نبٹنے کے لئے خاکساروں کی فوجی تنظیم کا آغاز کیا۔

ہندوستان کا تجارتی وفد مصر میں

عنایت اللہ خاں کی زیر قیادت' ہنری کریک پولیٹیکل سیکرٹری۔ ایس اے پرکاش سیکرٹری مالیات پر مشتمل ایک تجارتی وفد قاہرہ کے ریلوے سٹیشن پر اترا۔ نمائندگان حکومت مصر نے پرجوش خیر مقدم کیا۔ پولیس کے چاق و چوبند دستے نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ یہ وفد کاروں کے ذریعے قاہرہ کے شاہی مہمان خانے پہنچا دیا گیا۔

یہ وفد ایک اقتصادی معاہدے کی تکمیل کے لئے گیا تھا لیکن اس کے در پردہ حکومت برطانیہ کی ایک سیاسی سازش کارفرما تھی۔ عنایت اللہ خاں نے اشاروں کنایوں سے مصر کے ارباب اقتدار کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ کابینہ کے بیشتر ارکان خریدے جا چکے ہیں اور یہ لوگ آنکھیں بند کر کے اس معاہدے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ عنایت اللہ خاں اس صورت حال پر لرز گئے اور جب انہوں نے یہ تصور کیا کہ سید جمال الدین افغانی کے خون جگر سے سینچے ہوئے اس گلستان کی بہاریں لوٹنے میں ان کے ہاتھ بھی شامل ہوں گے تو وہ کانپ اٹھے۔ انہوں

نے پورے غور و فکر کے بعد مصر کی آئندہ نسلوں کو اس ہلاکت سے بچانے کا تہیہ کر لیا۔ رات کی تاریکی میں دسمبر کی شدید سردی میں عنایت اللہ خاں مہمان خانے کی دیوار پھاند کر باہر سڑک پر آئے۔ ایک کار آ کر رکی۔ دونوں طرف سے سفید رومال کے اشاروں سے اطمینان ہوا تو کار انہیں شہر سے باہر ایک اوسط درجے کے مکان میں لے گئی۔ مصر کے عظیم المرتبت قائد سعد زاغلول نے آپ کا خیر مقدم کیا اور شہر سے باہر ایک غیر معروف مقام پر بلانے پر معذرت چاہی۔ خان المشرقی نے جواباً فرمایا کہ اگر آپ ہمیں کسی خوفناک غار میں بھی بلاتے تو ہم آپ کی دعوت پر خندہ پیشانی کے ساتھ لبیک کہتے۔

وقت کی نزاکت کے پیش نظر آپ نے اقتصادی معاہدہ کا مسودہ سعد زاغلول کے سامنے رکھ دیا اور کہا قائد محترم! مجھے معلوم نہ تھا کہ مصر کی حکومت کی کرسیوں پر انسانوں کی لاشوں پر پلنے والے گدھ بیٹھے ہیں۔ میں نے اشاروں سے انہیں اس معاہدے کے نقصان بتائے ہیں لیکن وہ عمداً سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس معاہدے پر دستخط کرنے کو تیار ہیں۔ سعد زاغلول نے جب معاہدے کا بغور مطالعہ کیا تو غصے سے بھڑک اٹھے۔ انہوں نے عنایت اللہ خاں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم آپ کے شکرگزار ہیں۔ وقت آنے پر ہم اپنے مورخ سے کہیں گے کہ عنایت اللہ خاں المشرقی کا نام سنہری حروف میں لکھے کیونکہ اس نے مصر کو اس وقت بچایا جب اس کے اپنے اس کا گلا گھونٹنے پر تیار تھے۔ تم مصر کے لئے رحمت کے فرشتے بن کر آئے ہو۔ خدا حافظ!

اگلی شام ساری دنیا نے سن لیا کہ مصر کے وزیراعظم اور وزیر مالیات کو ایک سر پھرے نے گولیوں سے شدید زخمی کر دیا۔ ایک عظیم الشان جلوس میں اقتصادی معاہدے کے خلاف مظاہرے کئے گئے۔ وزراء کی قیام گاہوں پر پتھر برسائے گئے۔ اگلے روز اخبارات میں نمایاں خبر یہ تھی کہ برطانوی حکومت کا وفد جو حکومت مصر سے اقتصادی معاہدے کی تکمیل کے لئے آیا تھا ناکام ہندوستان واپس لوٹ رہا ہے۔

آزادی و حریت کے لئے عملی جدوجہد

عنایت اللہ خاں اگرچہ سرکاری ملازمت میں تھے لیکن ان کا رابطہ ملک کی حریت

پسند تحریکوں سے قائم تھا۔ وہ اکثر ان کی مجالس میں شریک ہوتے رہے۔ آزادی و حریت کے متوالوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو سمندر پار سے آئی ہوئی اس مصیبت سے نجات دلانے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے کسی بیرونی طاقت کا حملہ ہماری مشکلات کو ختم کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں شاہ افغانستان غازی امان اللہ خاں سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ قرعۂ فال عنایت اللہ خاں کے نام پڑا تو انہوں نے گورنر ہرات کی معرفت امان اللہ خاں سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے اپنے پڑوسی اور دینی بھائیوں کو غیر ملکی سامراج کے چنگل سے نجات دلانے کا عزم مصمم کر لیا اور ہندوستان پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

غازی امان اللہ خاں کے حملے کی تیاریاں ہندوستان میں صیغہ راز میں تھیں لیکن کابل میں انگریزی مخبروں نے یہ راز افشاء کر دیا۔ انگریزی حکومت نے اس حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے پشاور اور نوشہرہ کی چھاؤنیوں سے فوجوں کی نقل و حرکت شروع کر دی۔ یہ سارا کام انتہائی خاموشی سے ہوا لیکن عنایت اللہ خاں کو اس کی خبر مل گئی۔ حملہ میں دس دن باقی تھے اور اس کا اندازہ کچھ مشکل نہ تھا کہ شاہ افغانستان کو کتنے خطرناک نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اسلامی فوجوں کو بچانے کی ایک ہی ترکیب تھی کہ امیر کابل کو حملہ کرنے سے باز رکھا جائے۔

عنایت اللہ خاں اسی وقت اپنی کار میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے پاس گئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ فیصلہ ہوا کہ گورنر ہرات کی معرفت امیر کابل کو حملے سے باز رکھا جائے۔ کچھ دنوں بعد جب قاصد واپس لوٹا تو وہ امیر کابل کا یہ پیغام سنا رہا تھا کہ ہم نے جو قدم آگے بڑھایا ہے اس کا پیچھے ہٹنا دشوار ہے۔ ہندوستان کے مسلمان بھائیوں نے ہمیں جس فرض کی ادائیگی کے لئے بلایا ہے اسے ہم بہرطور پورا کر کے رہیں گے۔

اور پھر۔۔۔ شاہ کابل کی فوجیں حسب پروگرام ہندوستان پر حملہ آور ہو گئیں اور فاتحانہ طور پر جلال آباد پہنچ گئیں۔ مذکورہ چھاؤنی میں ان کے مقابلہ کے لئے بیس ہزار فوج جدید اسلحہ سے لیس موجود تھی لیکن کسی خوف و ہراس کے بغیر انہوں نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک انگریز افسر ملاقات کی درخواست لے کر پہنچ گیا۔

نتیجتہ" حکومت ہند نے ان کے مندرجہ ذیل مطالبات تسلیم کر کے صلح کر لی:

۱۔ برطانوی حکومت ان مظالم کی تلافی کرے جو امرتسر اور دوسرے مقامات پر ہوئے۔

۲۔ رولٹ ایکٹ کو فوراً منسوخ کیا جائے اور تمام گرفتار شدہ ہندوستانی لیڈر رہا کیے جائیں۔

۳۔ نئی اصلاحات کا نفاذ کر کے ہندوستانیوں کو حکومت میں غالب حصہ دیا جائے۔

۴۔ افغانستان کی آزادی اور خود مختاری کو واضح طور پر تسلیم کیا جائے اور متعینہ ریذیڈنٹ کو کابل واپس بلا لیا جائے۔

افغانستان کی افواج قاہرہ کامیابی کے ساتھ واپس لوٹ گئیں اور انگریزی حکومت نے اپنی شکست کا کھلے بندوں اعتراف کر لیا۔ چند روز بعد ہندوستان کے تمام لیڈر رہا کر دیئے گئے۔ رولٹ ایکٹ منسوخ کر دیا گیا۔ نئے انڈیا ایکٹ کی ترتیب کا کام شروع ہو گیا۔ ہندوستان کے آسمان تقدیر پر نئے نئے ستارے جگمگانے لگے لیکن مسیح الملک اور ان کے ساتھیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا کہ اس ساری کامیابی کا سہرا عنایت اللہ خاں المشرقی کے سر ہے۔

انسان دوستی کا عدیم المثال مظاہرہ

مرکزی حکومت کے دفاتر موسم گرما میں شملے میں منتقل ہو چکے تھے۔ عنایت اللہ خاں ایک شام اپنے بنگلے کے باہر لان میں دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ان کا ملازم احسان ہانپتا ہوا آیا اور کہنے لگا آقا! کرنل سکاٹ کے بنگلے پر بہت سے انگریز جمع ہیں اور کرنل کے ہندوستانی ملازم کو چونے سے بھرپور گڑھے میں کمر تک گاڑ کر اوپر سے پانی ڈال رہے ہیں۔ خدا کے لئے اسے بچایئے لیکن میرا خیال ہے کہ اب تک وہ موت کی آغوش میں جا چکا ہو گا۔

احسان کے فقرہ پورا ہونے سے قبل آپ کرنل سکاٹ کے بنگلہ کی جانب دوڑ پڑے۔ آپ کے احباب بھی ان کے پیچھے تھے۔ بنگلہ پر پہنچ کر جو دل خراش اور جگر پاش منظر آپ نے دیکھا وہ ناقابل بیان ہے۔ چونے اور پانی کے جہنم میں بے بس و بے کس

مظلوم ہندوستانی ملازم تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا تھا اور اس کے گرداگرد سفید چمڑی والے نام نہاد مہذب درندے قہقہے لگا رہے تھے۔ عنایت اللہ خاں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ تڑپتے ہوئے جسم کو باہر کھینچا لیکن یہ تڑپ مرغ بسمل کی آخری تڑپ تھی۔

اس روح فرسا منظر کو دیکھ کر آپ انتہائی غیض و غضب کے عالم میں سکاٹ اور اس کے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ انگریز قوم میں تم جیسے ذلیل اور کمینہ صفت بھی موجود ہیں۔ کیا تم اپنے آپ کو انسان سمجھتے ہو؟ ایک غریب ملازم پر ظلم و تشدد کا یہ انداز تمہارے شیطانی مظالم کی منہ بولتی تصویر ہے!

حکمران قوم کے ایک فرد کو ایک غلام قوم کے فرد کا یہ انداز تخاطب کچھ پسند نہ آیا۔ اس نے بڑے تحکمانہ انداز میں کہا۔ خاں صاحب! زیادہ گرم ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس نابکار ملازم نے جبکہ یہ میرے ننھے بچے کو بے بی گاڑی میں سڑک پر سیر کو لئے جا رہا تھا گاڑی الٹ دی اور بچہ سڑک پر لڑھک گیا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ مسز میکنزی پاس سے گزر رہی تھی۔ انہوں نے لڑھکتے ہوئے بچہ کو دیکھا اور سنبھال لیا ورنہ اس ذلیل نے تو اس کے مارنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

خان المشرقی نے کہا کہ کرنل سکاٹ! یہ معمولی سی غفلت ہے جس کی پاداش میں تم نے ایک غریب انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تمہارے اس طرز عمل نے پوری انگریز قوم کی پیشانی پر بدنما داغ لگا دیا ہے۔ اس بے چارے کی موت پر آپ لوگوں کے قہقہے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انگریز قوم شرافت اور اخلاق سے تہی دامن ہو چکی ہے۔

کرنل سکاٹ نے خاں صاحب کو تنخواہ دار ملازم ہونے کا طعنہ دیا تو مشرق کے اس مرد عظیم نے حکمرانی کے نشہ میں مدہوش اس انگریز کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا کہ "بدبخت کے بچے! میں تمہاری قوم کی ملازمت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں حکومت کی کرسی پر اپنے ملک کے ایک خادم کی حیثیت میں بیٹھا ہوا ہوں۔ تمہاری حکومت بار بار میرے سامنے گھٹنے ٹیک چکی ہے۔ میں نے تم جیسے کئی بگڑے دماغوں کو بوٹوں کی نوک سے راہ راست دکھایا ہے۔ تم تو کیا تمہارے وائسرائے کو بھی اس معاملے میں معاف

نہیں کیا جا سکتا۔ تم فوج کے دو ٹکے کے ملازم ہو لیکن مت بھولو! تمہاری پوری قوم کو اس ظلم کی تلافی کرنا ہو گا۔"

اور جب--- کرنل سکاٹ نے کہا کہ "آپ ایک ایسے ملازم کے لئے لڑ رہے ہیں جسے ہم اپنے کتے سے زیادہ---" فقرہ ختم ہونے سے پہلے خان صاحب کا زناٹے دار تھپڑ سکاٹ کے منہ پر پڑا اور پیشتر اس کے کہ وہ سنبھلے خاں صاحب نے پے در پے گھونسوں سے اسے ادھ موا کر دیا۔ تھپڑوں اور گھونسوں سے اس کی تواضع کرنے کے بعد خان صاحب نے اپنے دوستوں کی مدد سے گلی سڑی نعش کو اٹھایا اور اپنے بنگلے کی طرف چل پڑے۔

رات کو کرنل سکاٹ کئی بڑے بڑے انگریزوں کو لے کر خاں صاحب کے پاس پہنچا اور دن کے معاملے پر اظہار افسوس کے ساتھ ساتھ یہ درخواست کی کہ معاملہ کو زیادہ طول نہ دیا جائے بلکہ درگزر کر لیا جائے تو اچھا ہے۔ لیکن مشرق کے اس فرزند عظیم نے سات سمندر پار سے آئی ہوئی اس ذلیل اور لٹیری قوم کے افراد کو ایک سبق سکھا دینے کا عزم کر لیا تھا۔ انہوں نے اس تجویز پر اظہار نفرت کیا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اس حادثے کی رپورٹ کل صبح دس بجے گورنر جنرل کی میز پر ہو گی اگر کرنل سکاٹ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کوئی رعایت کی گئی تو مرکزی حکومت کی کئی اہم کرسیاں خالی نظر آئیں گی۔ کل سے انگریز بادشاہ کے بلند بانگ دعووں کا امتحان شروع ہو گا۔

اگلے روز لارڈ چمسفورڈ کو ایک تحریری رپورٹ موصول ہوئی جس میں برملا اعلان تھا کہ اگر ان انگریز افسروں کو انگریز ہونے کی حیثیت میں معاف کر دیا گیا تو مرکزی حکومت کے کئی عہدے دار اس کے ساتھ ہوں گے۔

وائسرائے نے ایک لمحہ کے لئے سوچا کہ حکومت کو عنایت اللہ خاں کی ضرورت ہے۔ اس نے پولیس کو تحقیقات کا حکم دے دیا اور کہا کہ کسی کے ساتھ قطعاً رعایت نہ کی جائے۔

یونانیوں کے بجائے خدا کے پجاری بنیں!

ریاضی کی علمی دنیا میں حیرت انگیز انکشافات

"حدیث القرآن" میں آپ فرماتے ہیں کہ "میں نے ۱۹۱۸ء میں یعنی آج سے ۳۳ برس پہلے صوبہ سرحد میں ریاضی کی ایک علمی انجمن میں ایک معرکتہ الآراء تقریر کی تھی اور دلائل سے ثابت کیا تھا کہ دنیا کی موجودہ علمی ترقیاں جو پچھلے کئی ہزار برس میں ہوئیں اور جن کا نتیجہ موجودہ علم حساب اور علم طبیعیات وغیرہ ہیں، بے حد ناقص اور نارسا اس لئے ہیں کہ ان سب کی بنیاد یونان کی مائی تھالوجی (علم الاوہام) کے متھاء یعنی نقطہ اور صراط مستقیم اور دائرہ پر ہیں۔ حالانکہ نقطہ اور صراط مستقیم اور دائرہ اگرچہ بادی النظر میں نہایت خوبصورت اور نصب العینی (آڈیولوجیکل) وجود ہیں لیکن صحیفہ فطرت میں نہ نقطہ موجود ہے نہ دائرہ، نہ خط مستقیم (جو دائرے کی ایک حالت ہے) اسی مجلس میں جو حساب دانوں پر مشتمل تھی میں نے دعویٰ کیا تھا کہ چونکہ حساب کی بنیاد ان تین غیر فطری چیزوں پر ہوئی اور انہی تین چیزوں کو غلطی سے اور یونانیوں کی خوشامد کر کے، نصب العین (یعنی آئیڈئل) تسلیم کر لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام علم حساب اور متعلقہ علوم انہی تین چیزوں کے گرداگرد گھومتے رہے اور ان تین چیزوں کے چکر سے نہ نکل سکے۔ ایسی غلطی کا المناک نتیجہ یہ ہے کہ ہم اقلیدس سے جیومیٹری اور جیومیٹری سے علم جر ثقیل (میکنکس) اور جر ثقیل سے مشینوں اور انجنوں کی خلاقی کی طرف چلے گئے کیونکہ تمام مشینوں اور انجنوں کی بنیاد نقطہ، دائرہ اور خط مستقیم ہیں۔ اب انسان نے اگرچہ تھوڑی بہت خلاقی ضرور کی ہے اور وہ بڑی عجیب وغریب مشینیں بنا سکتا ہے لیکن وہ مشینیں محض بے جان ہیں اور بیرونی طاقت کے ذریعے صرف گھومنا یا چلنا جانتی ہیں لیکن زندگی کا تمام راز بالکل نایافتہ پڑا ہے بلکہ انسان نے اس مضمون کو قطعاً ہاتھ نہیں لگایا۔ اس مجلس میں میرے اس حیرت انگیز انکشاف سے بڑی سنسنی پھیل گئی اور اس کی آواز یورپ اور امریکہ تک پہنچی۔

۱۹۲۶ء میں جب کہ میں موتمر خلافت میں مدعو ہوا، ڈاکٹر ورد نوف اور پروفیسر آئن

شٹائن سے یورپ میں میری طویل ملاقاتیں اسی مسئلے پر ہوئیں اور انہوں نے میرے اس موقف کو بے حد سراہا اور کہا کہ "اگر آپ اس مسئلے کو سنجیدہ طور پر دنیا میں پیش کریں تو ایک انقلاب عظیم برپا ہو سکتا ہے بلکہ دنیا آپ کو ایک بڑا محسن ماننے کے لئے تیار ہو سکتی ہے"۔ مجھے ان دو عظیم الشان پروفیسروں کی حوصلہ دہی سے بڑا اطمینان ہوا کیونکہ یہ خود اس مسئلے پر بڑے پریشان تھے کہ انسان باوجود اس کے کہ اس نے علم میں اس قدر ترقی کی ہے ابھی تک اس قابل نہیں ہو سکا کہ زندگی کے مسئلے کے متعلق معمولی معلومات بھی حاصل کر سکے۔ میں نے ان کو اصلی وجہ بتائی کہ دراصل ہم یونان کے پجاری ہیں، صحیفہ فطرت اور خدا کے پجاری نہیں۔ اگر ہم خدا کے پجاری ہوتے تو ضرور اس وقت تک ہم خالق بھی بن جاتے۔

چونکہ اس وقت تک "تذکرہ" لکھا جا چکا تھا میں نے ان کو قرآنی حقائق کئی نشستوں میں بیان کئے اور ان آیات کی طرف توجہ دلائی۔ ڈاکٹر ورونوف چونکہ وہ مشہور شخص ہے جو بندروں کے غدود انسانوں کے خصیوں میں لگا کر بوڑھوں کو جوان کرتا تھا وہ قرآن حکیم کی ان آیتوں کو دیکھ کر انتہائی طور پر سرگرم ہو گیا۔ اس کے ذریعے اور پروفیسر آئن شٹائن کے ذریعے سے مجھے کئی اعزازی سوسائٹیوں کا فیلو منتخب کیا گیا اور قریب تھا کہ میں بھی دنیا میں ایک علمی انقلاب برپا کروں، ۱۹۲۶ء کے بعد چونکہ مسلمانوں کے حالات ہندوستان میں بے حد خراب ہو گئے تھے اور کانگریس کے مقابلے میں کوئی جماعت مسلمانوں کی موجود نہ تھی اس لئے مجھے "تذکرہ" لکھنے کے بعد مسلمانوں کی قومی زندگی کی طرف رجوع کرنا پڑا اور یہ تمام انقلابی سلسلہ ۱۹۳۰ء میں میری ملازمت کے ختم ہونے کے بعد ختم ہو گیا۔ ۱۹۳۱ء میں (International Congress Of Orientalists) (بین الاقوامی مجلس مستشرقین) نے مجھے "تذکرہ" کی تصریحات کرنے کے لئے مدعو کیا لیکن چونکہ خاکسار تحریک شروع ہو چکی تھی میں نے دو بیڑیوں میں ٹانگ اڑانا مناسب نہ خیال کر کے علمی تلاش و تجسس کو یک دم خیرباد کہہ دیا۔

اس کہانی سے مقصد یہ ہے کہ ابھی انسان خلاقی کے ادنیٰ ترین مراحل بھی طے نہیں کر سکا۔ انسان کی تمام جستجو جو اس وقت تک صحیفہ فطرت کے سلسلے میں ہوئی ہے نہایت سطحی اور عارضی ہے۔ اس تمام تفتیش کی بنیاد علم حسلب اور اس سے متعلقہ

علوم پر ہے جن کی اساس یونانی نقطہ یونانی دائرہ اور یونانی خط مستقیم پر ہے۔ علم طب کی بنیاد بھی اسی لحاظ سے محض تجربہ پر ہے۔ اگر کوئی دوا بیمار کو دے کر فائدہ ہوتا ہے تو اس کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ تشریح الابدان اور جراحی میں بھی صرف چیر پھاڑ اور تجربہ ہے حتیٰ کہ چیرنے پھاڑنے والے اوزار بھی وہ ہیں جو فطرت میں موجود نہیں۔ اس تمام فطرت سے ہٹنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم فطرت میں زندگی کے راز کو ابھی تک دریافت نہیں کر سکے یا ہماری دریافت کی حد صرف اس تک ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک ہیجان یعنی صرف ایک گھومنے والی مشین بنا سکیں، لیکن اڑنے والی مکھی سے ہم کلیتہ" بے خبر ہوں حتیٰ کہ ہم کو یہ بھی علم نہ ہو کہ انسان یا حیوان کی پیدائش کا عنصر اول یعنی پروٹاپلزم جو ایک خورد بینی غرفہ (یعنی سیل) میں رہتا ہے کیا شے ہے۔ اس کے اندر زندگی کیوں ہے، یہ زندگی کیونکر پیدا ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بحث ایک بہت طویل اور انتہائی طور پر علمی بحث ہے اور اس کے کرنے کا یہ مقام نہیں۔ لیکن یہ چند سطریں اس لئے یہاں پر لکھ دی گئی ہیں کہ قرآن حکیم کی آیتوں پر جو اس بحث کے ضمن میں آرہی ہیں مسلمان انتہائی غور و فکر کریں اور ان کو مشعل راہ بنا کر نئے علوم مستنبط کریں اور یونانیوں کے پجاری بننے کی بجائے خدا کے پجاری بنیں تاکہ ان کو دنیا میں انتہائی سرفرازی حاصل ہو۔ اس سلسلے میں میں چاہتا ہوں کہ آنے والی مسلمان نسلوں کو حوصلہ دلانے کے لئے یہ اشارہ بھی دے جاؤں کہ خلاقی کے سلسلے میں بھی اور انسانی علوم کی طرح آنے والے مسلمان ہی پہل کریں گے کیونکہ قرآن حکیم میں ایک نہایت معنی خیز آیت خلاقی کے بارے میں موجود ہے۔ یہ وہ آیت ہے جو میں نے مذکورہ بالا دو پروفیسروں کو مسلمان بنانے کی ترغیب میں پیش کی تھی اور جس کو دیکھ کر وہ خوب سوچ میں پڑ گئے تھے یا ایھا الناس ضرب مثل ----- ان اللہ لقوی عزیز (۲۲/۱۰۰) (ترجمہ: اے لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو۔ تم جن انسانوں کو خدا سے قطع نظر کر کے پکارتے ہو وہ ہرگز مکھی نہ پیدا کر سکیں گے خواہ سب کے سب اکھٹے بھی ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی شے چھین لے تو اس سے لے نہیں سکیں گے۔ طالب اور مطلوب دونوں ہی کمزور ہیں۔ انہوں نے درحقیقت خدا کی عظمت کا اندازہ ہی نہیں لگایا بیشک خدا بڑا ہی قوت والا اور عظمت والا ہے) ان آیات میں مجھے خدائے عظیم کی طرف سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بشرطیکہ

اس نے خدا کی عظمت کا پورا اندازہ لگا لیا ہے ممکن ہے کہ خالق بھی بن سکے اور انشاء اللہ ضرور بن کر رہے گا۔

مجھے کچھ رنج نہیں کہ میں نے کیوں اپنی توجہ علمی مشاغل کی طرف سے ہٹا کر قوم کو دی اور زندگی کے بہترین حصے میں کیوں مسلمان کی طرف لگا رہا، یا کیوں "تذکرہ" لکھا جس کی قوم نے قدر نہ کی۔ بہر نوع میں کافی سے زیادہ مطمئن ہوں کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ اب اس وقت فرض جو ادا کر رہا ہوں وہ بھی میرے لئے مقدر ہے میں اس میں دخل نہیں دے سکتا۔ (ص ۲۳-۲۵)

اسلامیہ کالج پشاور کی ملازمت اختیار کرنے کی وجوہات:

۲۰ نومبر ۱۹۲۸ء کو آپ نے ایک علمی اجتماع میں اسلامیہ کالج پشاور کی ملازمت اختیار کرنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جب ابتداء میں میں نے (اسلامیہ کالج پشاور) کی ملازمت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تو میرے پیش نظر واضح طور پر یہ بات تھی کہ اس ادارہ سے تمام ملت اسلامیہ کے لئے بہترین نتائج پیدا ہو سکیں۔ میں اپنی تصور کی آنکھ سے ایک صحت مند معاشرے کو دیکھ رہا تھا کہ جس میں اعلیٰ اقدار کے حامل افغان طالب علم جنم لیتے ہیں۔ جو علم کے شیدائی، چست، ہوش مند، دانائی کے مرقع اور دیوانگی کی حد تک حصول علم کی لگن میں مگن، چاہے وہ علم اسے کسی بھی نکتہ نظر کے لوگوں سے ملے وہ اسے اپنی میراث سمجھ کر اس پر عبور حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ مجھے حقیقت کی مانند کشان (KUSHANS) خاندان کے سٹوپہ (STUPA) کے مردہ وجود سے ایک عظیم جامعہ (یونیورسٹی) کا وجود باب خیبر کی راہ سے ابھرتا نظر آرہا ہے جہاں حصول علم کے متوالے افغان سمرقند و کابل سے جوق در جوق کھنچے چلے آئیں گے اور اس دانش کدہ کے کتب خانہ میں جہاں فارسی اور پشتو زبان میں خوش حال خاں، فارابی اور نیوٹن کے علمی مسودات مطالعہ کے لئے موجود ہوں گے وہاں ان کے ساتھ ساتھ لپلیس (LAPLACE) اور آئن سٹائن جیسے جید علماء کی کاوشوں کے انگریزی تراجم کی روشنی میں کٹھ ملائیت کو رد

کرتے ہوئے قرآن حکیم کی عظمت کا حسابی انداز میں ثبوت موجود ہوگا کہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے متعین کردہ قرآن کے جامع اصول بھی مشعل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ سیسرو' سید احمد اور برق جیسے شعلہ بیان مقرر جب حقائق کو اس نئے وجود میں آنے والے معاشرہ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی بنجر زمین میں تخم ریزی کی گئی ہو۔ ان خیالات کو قبولیت نہ بخشی گئی اور کسی نے ان کی طرف توجہ نہ دی جیسے کسی شکستہ زمین کی گہرائیوں میں کاشت کیا گیا ہو۔ آج پندرہ سال بعد میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرے خوابوں نے حقیقت کا روپ دھار لیا ہے تاہم میں نے جس عزم کے ساتھ کام کا آغاز کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ اس کا بیشتر کام میں نمٹا چکا ہوں اور باقی ماندہ کام انشاء اللہ وقت کی رفتار کے ساتھ رفتہ رفتہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

میں نے حقیقت کو پالیا ہے

آپ نے ۲۸/ نومبر ۱۹۲۸ء کو پشاور کی ایک اور علمی مجلس میں اپنے متعلق حیرت انگیز انکشافات فرمائے:

میں اپنی باقی ماندہ زندگی اپنے درگزر کئے ہوئے دوست (حسابدانی) کے نام وقف کرتا ہوں میں اپنے آپ کو قرآن کی حقیقتوں کے لئے وقف کرتا ہوں جو بنی نوع انسان کے لئے حکمت کا مرقع عطا کرتی ہیں۔ مجھے یہ دعویٰ کرنے میں باک نہیں ہوتا کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے جھوٹ اور ظلمات کے تہہ در تہہ پردوں میں ازل سے پوشیدہ سچائی اور حقیقت کو دریافت کر لیا ہے۔ ہاں' پہلا غیر جذباتی دریافت کنندہ ہوں جس کا کوئی ثانی نہیں۔ مجھے پیغمبر ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ ہی وحی آنے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ میں نے اس حقیقت کو پالیا ہے کیونکہ میرے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ میں حساب دانی کی مدد سے وسعت نظر رکھتا ہوں اور اہلیت رکھتا ہوں۔ میں معروف عام فضولیات کو غیر معروف حقیقت کے علم سے جو مجھے فطرت نے عطا کیا ہے رد کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس علم فطرت کے ذریعے نظام

فطرت میں بلندی پر رکھ کر دیکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ میں ایڈیسن اور سٹیفن سن کی نسبت زیادہ متناہی اور مفید علم سے روشناس کروا سکتا ہوں- حقیقتاً محض ایک کتاب کے ذریعے یہ سب کچھ ممکن ہے جس کے لئے بنی نوع انسان صدیوں سے جدوجہد کر رہی ہے- ہاں، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مجھے ریاضی کی دیوی نے مہمیز دی جس سے میں نے اپنے آپ کو وابستہ کرلیا اور اس وقت تک نہ چاہتے ہوئے بھی وابستہ رہا جب تک مجھے اس سے بہتر چیز نہ مل گئی-

---

زدہ ام رہے سترده کہ توان معرفت ست
ز طفیل بندہ پرورؒ بطلبے بلند نامے!
گویائے نغز ہستم ز اسرار علم یزداں!
دہلے کجا د بہ عالم زندش صلائے عامے

"میں نے قرآن حکیم کی طفیل انسان کو وہ راہ دکھائی ہے جس سے وہ معرفت کی آخری منزل تک پہنچ سکتا ہے یہ اس لئے کہ خدائی اسرار کو کھولنے والا شخص میں ہوں اور اب دنیا کا فرض ہے کہ وہ میرے خیالات کی دنیا کے گوشے گوشے میں تشہیر کرے" (دہ الباب ص ۸۹)

حضرت علامہ مشرقیؒ

تحریک خلافت و ہجرت

مسلمانوں اور یہودیوں کی کشمکش یوں تو بہت پرانی ہے لیکن اس کا آغاز نئے اندازمیں انیسویں صدی کے آخر سے ہوا۔ اغلباً ۱۸۹۷ء میں جب یہودی اکابرین کا ایک خفیہ اجتماع ہوا تو اس میں فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ یہودی عزائم کی تکمیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیائے اسلام کی مرکزیت ہے اس لئے سب سے پہلے روس میں انقلاب برپا کر کے حکومت پر قبضہ جمایا جائے اور پھر خلافت پر کاری ضرب لگا کر اسے ختم کر دیا جائے۔

یہودیوں کے سربرآوردہ مفکرین ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیانی وقفہ میں کئی بار اکٹھے ہوئے اور انہوں نے پوری دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے لئے نکات و اصول وضع کئے جو ان کی ایک کتاب Protocols of the Elders of Zion میں محفوظ ہیں۔ اس دستاویز کی نقل اس صدی کے ابتدائی ایام میں کسی طور پر حاصل ہو گئی تھی جسے پروفیسر نانس نے شائع بھی کر دیا تھا۔ اس وقت یہ کتاب مارکیٹ میں نایاب ہے البتہ برٹش میوزیم لائبریری میں ۱۹۰۵ء کا مطبوعہ ایک نسخہ موجود ہے۔ روس اور اس کی زیر اثر نوآبادیوں میں اس شخص کو سزائے موت دی جاتی تھی جس کے قبضہ سے یہ کتاب برآمد ہو۔ لیکن اگر یہ تصنیف منظر عام پر آجائے تو یہودیت اور اشتراکیت کے ڈھول کا پول کھل کر رہ جائے۔ کرۂ ارض پر مکمل طور پر قبضہ کر لینے کے لئے ادارہ اقوام متحدہ کی تشکیل(۱)۔ روس میں انقلاب بپا کرنے اور قیام حکومت کے بعد ترکی میں خلافت کو ختم کرنے اور فلسطین کے ایک حصہ پر اسرائیلی حکومت کے قیام کے تمام منصوبے بالتفصیل درج ہیں۔

انقلاب روس کے لئے جنگ عظیم اول کے آغاز کے معاً بعد کا زمانہ انتخاب کیا گیا ب لینن اور اس کے دو سو ساتھیوں کو ایک بند گاڑی میں بٹھا کر جرمنی سے روس کی سرحد میں دھکیل دیا گیا۔ ان میں سے ۱۶۵ کے نام ملتے ہیں جن میں ۱۲۸ یہودی تھے۔ لینن کے روس میں کامیاب طور پر داخل ہو جانے کے بعد ٹرائسکی تین سو یہودیوں کی کمک لے کر پہنچ گیا۔ پھر انہوں نے باہم مل کر انقلاب کی تیاریاں کیں۔ بالشویک انقلاب کے بعد یہودیوں نے حکومت کی مشینری پر قبضہ کر کے ۵۵۶ میں سے ۴۵۷ کلیدی آسامیاں ہاتھ میں لے لیں۔ یہ انقلاب ان کی امنگوں، تمناؤں اور آرزوؤں کا

آئینہ دار تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اشتراکی انقلاب کے قائدین سب کے سب یہودی تھے۔ انہوں نے صرف اپنے نام تبدیل کر رکھے تھے۔ کارل مارکس دونوں (ماں اور باپ کی) طرف سے یہودی تھا۔ ٹراٹسکی اور لینن خالصتاً یہودی نژاد تھے۔ لینن اور سٹالن کی مائیں اور بیویاں یہودی تھیں۔

انقلاب روس کے بعد روس میں اشتراکی نظام روشناس کرایا گیا۔ امیر اور غریب کی مساوات کی آڑ میں کمیونزم نے کیا گل کھلائے اس کی ہلکی سی تصویر علامہ المشرقیؒ کے الفاظ میں پیش کی جاتی ہے۔ اس سے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کمیونزم کا مقصد ہر ملک میں داخلی انتشار پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں' فرماتے ہیں کہ:

> اسلام کی تیرہ سو ساٹھ برس پہلے کی سچی جمہوریت کے بعد اگر کوئی غریب اور امیر کی مساوات کا نظام ظلم اور جبر کے نیچے پسی ہوئی غریبوں کی دنیا کے لئے' دنیا کے تین بظاہر بڑے بڑے اور مخیر انسانوں یعنی کارل مارکس' لینن اور سٹالن نے بنایا تو وہ کمیونزم کا نظام تھا جس نے تیس برس ہوئے ۱۹۱۷ء میں ایک ہزار برس پرانی روس کی جابرانہ شہنشاہیت کا تختہ آن واحد میں الٹ دیا' آن واحد میں چھتیس قوموں اور ریاستوں نے اس نظام کے نیچے آ کر روس جیسی وحشی' ذلیل اور پسماندہ سلطنت کو دنیا کی سب سے بڑی طاقتور سلطنت بنا دیا۔ تیس برس تک دنیا کے یہ تینوں عظیم الشان دھوکہ باز اور لٹیرے دنیا کو یہی دم دلاسا دیتے رہے کہ کمیونزم ہی دنیا کی آخری پناہ گاہ ہے۔ تیس برس تک سرمایہ دار دنیا کمیونزم کے خطرے میں پڑی سہمی رہی

(۱) نیویارک کے ایک مشہور قانون پیشہ ہنری کلین نے ۱۹۴۸ء میں "صیہون دنیا پر حکمران ہیں" "Zions Rule the Word" کے زیر عنوان جو کچھ لکھا اس کا ایک اقتباس قابل غور ہے۔ وہ رقمطراز ہے کہ "اقوام متحدہ صیہونیت ہے۔ یہ وہی بالادست حکومت ہے جس کا ذکر کئی بار جلیل القدر صیہونی اکابرین کے پروٹوکول میں آیا ہے جو ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیان مرتب کئے گئے۔" ادارہ اقوام متحدہ کا عالم اسلام کے مسائل کے ساتھ امتیازی سلوک اس انکشاف کی ہوبہو تصدیق ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام اور کشمیر جیسا اہم مسئلہ جو پاکستان کے لئے زندگی اور موت کی حیثیت کا حامل ہے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ہنوز لاینحل پڑا ہے اور بھارت نوازی کا بدترین مظاہرہ اس ادارہ کا مقصد اولین بن چکا ہے۔ اس ادارہ میں عیسائیت' یہودیت اور ہر غیر مسلم قوم و ملک کے بالمقابل دنیائے اسلام کے مسائل کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ ان میں مزید الجھاؤ پیدا کر کے اسلامی سلطنتوں کے لئے نت نئی مشکلات پیدا کرنے کی سازشیں بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ لیکن ہمارے مسلمان ممالک اپنے مسائل اپنے متحدہ زور سے حل کرنے کی بجائے اس ادارہ سے اپنی تمام تر توقعات وابستہ کئے بیٹھے ہیں اور قدم قدم پر ذلیل و رسوا ہونے کے باوجود خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ ع عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

کہ کہیں محمد عربی علیہ الصلوۃ والسلام کی جمہوریت کے بعد یہ نیا سیلاب ربع مسکوں کو سویت (Soviet) یعنی امیر اور غریب کی مساوات کے طلسم سے پھر مسحور نہ کر دے اور دنیا ایک نئے ملا پن کے ہجوم میں پھر صدیوں تک مغلوب نہ ہو جائے۔ لیکن اس عالمگیر جنگ ثانی کے پچھلے چھ برس میں ہی دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا کہ وحشی' بے دین اور بے خدا روس کا یہ روسیاہانہ نظام دنیا کی بدترین اور وحشی ترین شہنشاہیت اور متشددانہ بربریت کا نظام ہے جس کا مقصد سب کمزور قوموں کو ہڑپ کر کے ایک ایسی سرمایہ داری کو قائم کرنا ہے جس کی مثال روئے زمین کی تاریخ میں کہیں موجود نہ ہو۔ کارل مارکس' لینن اور سٹالن نے قرآن حکیم اور دین اسلام کی تعلیم کے ایک نہایت چھوٹے سے حصے کو یورپ سے روشناس کر کے اور یورپ کی دلی منشاء کے مطابق اس تعلیم سے خدا' رسول' مذہب' نکوکاری' روحانی پاکیزگی' عصمت' انسانی محبت' رحم' عجز' توکل اور ایمان کے جذبے یکسر محو کر کے' سرمایہ داری کے جبر کے نیچے پسی ہوئی دنیا کو تیس برس تک وہ عظیم الشان دھوکہ دیا اور مساوات کے پردے میں وہ عظیم الشان' بے مثال اور بے رحم سرمایہ داری پیدا کی' دنیا کی آنکھوں میں نری دھول ڈال کر چنگیز اور ہلاکو کے وہ ہزاروں سمے پیدا کیے کہ تین اشخاص کو اگر دنیا کی چھ ہزار سال کی تاریخ میں سب سے بڑے اور کامیاب غنڈے کہا جائے تو حقیقت سے ذرا بھر دور نہیں۔ بعینہ یہی وجہ ہے کہ کمیونزم جس ملک میں گیا اس نے سوائے داخلی فتنہ و فساد کے کچھ پیدا نہیں کیا۔ (الاصلاح ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء)

انقلاب روس کے بعد

روس میں کامیاب انقلاب بپا کرنے اور عنان اقتدار سنبھالنے کے بعد یہ یہودی فلسطین میں اسرائیلی حکومت کے قیام کے لئے مضطرب و بے قرار تھے۔ بڑوں کے پروٹوکول کے پروگرام کے مطابق انہوں نے ترکی کے سلطان عبدالحمید (خلیفتہ المسلمین) کی خدمت میں ایک درخواست پیش کر دی جس میں مرقوم تھا کہ "ہمیں فلسطین میں ایک خطہ زمین دے دیا جائے ہم اس کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کے

لئے تیار ہیں۔" ہوشمند اور زیرک سلطان نے یہودیوں کے ارادوں کو بھیانک اور خطرناک جانتے ہوئے اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ اس پر ان یہودیوں نے ملک کے اندر اور باہر سلطان کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کا آغاز کر دیا جس کا مقصد خلافت کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں صلیبی جنگوں کا انتقام لینے کے لئے موقع کی تلاش میں تھیں۔ پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ ترک انگریزوں کے خلاف جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ تھے۔ دنیائے مسیحیت کی فوجی طاقت اور یہودیت کی خفیہ سازشوں اور گٹھ جوڑ سے مسلمانوں کی مرکزیت بظاہر ختم ہو گئی۔

مسیحیت اور یہودیت کی طرف سے عالم اسلام پر اس بھرپور وار نے یہودیت کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا۔ صرف چھبیس برس بعد فلسطین کے ایک حصے پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ اسرائیل نے امریکہ کی گود میں جنم لیا لیکن جب فلسطین میں اسرائیلی حکومت قائم ہوئی تو روس نے سب سے پہلے اس کو تسلیم کیا۔ مقام غور ہے کہ اگر روس اور امریکہ کی حکمت عملی جدا جدا ہے تو پھر یہ حیرت انگیز اتحاد کیوں؟ تاریخی حقائق و شواہد ہمارے شک کو یقین عطا کرتے ہیں کہ امریکہ اور روس کی عنان اقتدار فی الحقیقت یہودیوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ دونوں ملک متفقہ طور پر تمام دنیا پر اپنا تسلط قائم کر لینے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ایک طرف امریکہ کچھ ملکوں کو اپنا طفیلیہ بنا لینے میں کوشاں ہے تو دوسری طرف روس کچھ ملکوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے میں مصروف ہے۔ ان کے بالمقابل جب بھی کوئی تیسری طاقت آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہے تو اسے فی الفور کچل کر رکھ دیا جاتا ہے اور خاص طور پر یہ پالیسی اسلامی ممالک کے لئے ہے کہ کسی طور ان کی طاقت کو فنا کر کے زیر نگین کر لیا جائے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد

۳۰/ نومبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں نے التوائے جنگ کے معاہدے پر دستخط کئے مگر انگریزوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کر دی اور اس پر قبضہ کر لیا اور اتحادیوں کی مدد سے ترکی کے حصے بخرے کرنے کی ٹھانی جیساکہ لائیڈ جارج وزیراعظم نے اپنی ایک تقریر میں اعلان کیا تھا کہ جنگ جیت لینے کے بعد اتحادیوں کا کام دولت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنا ہو گا۔"

حالانکہ اس سے پہلے لائیڈ جارج ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین دلا چکا تھا کہ وہ سلطان ترکی (خلیفہ) کو بحال رکھے گا اور ترکی پر سخت شرائط عائد نہیں کی جائیں گی۔ لیکن اختتام جنگ پر مسلمانوں کی ایک سلطنت کے ساتھ انگریزوں کا یہ رویہ اسلامیان ہند کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ انہوں نے اس وعدہ خلافی پر احتجاج کیا لیکن مکار اور عیار انگریزی حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ ہمیں ترکی سے اس لئے محبت تھی کہ انہوں نے صلیب کے مقابلے میں اسلام کی حفاظت کی۔ اگر ترک جانبازی اور جاں سپاری کا مظاہرہ نہ کرتے تو افریقہ سے اسلام مٹ چکا ہوتا۔ بلقان میں صدائے تکبیر کبھی کی بند ہو چکی ہوتی۔ شام اور عراق میں ناقوس کلیسا گونجتا اور دنیا پر مسیحی صلیب کی حکمرانی ہوتی۔ مسلمانوں کو کہیں بھی پناہ نہ ملتی۔ روس اور انگلستان کی حکومتیں مسلمانوں کو زندہ درگور کر دیتیں۔ انہوں نے نصرانی یورشوں کا تنہا مقابلہ کیا یورپ و ایشیا میں انہی کی خارا شگاف تلواروں نے اسلام کو عیسائیت کے پنجہ استبداد میں دم توڑنے سے بچایا۔ پھر بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ مسلمان ترکوں کی مصیبت کے اس دور میں انہیں تنہا چھوڑ دیتے۔ پوری دنیائے اسلام میں انگریزوں کے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ ایک شورش برپا ہو گئی۔ ہندوستان میں تو اس شورش نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ مسلمان حکومت برطانیہ کی اعلانیہ مخالفت پر اتر آئے اور اس معاملے میں ہر ممکن قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔

۱۹۲۰ء تک مسلمان من حیث القوم خلافت کے مسئلے پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے تھے۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس نے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی قیادت میں خلافت عثمانیہ کی امداد اور بحالی کے لئے ایک عملی پروگرام وضع کر لیا۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے ایک بار پھر برطانوی اقتدار اعلیٰ کو چیلنج دینے کی ٹھانی اور عوام کو تلقین کی کہ:

۱۔ انگریزوں کی ملازمت ترک کر دی جائے۔ ان کے بخشے ہوئے خطابات واپس کر دیئے جائیں۔ ان کی عدالتوں سے مقدمے اور سرکاری سکولوں سے لڑکے اٹھا لئے جائیں۔

۲۔ انگلستان کے مال کا بائیکاٹ کر دیا جائے خصوصاً وہاں کا بنا ہوا کپڑا پہننا حرام سمجھا جائے۔ اس کی بجائے دیسی سوت کا کھدر استعمال کیا جائے۔

۳۔ ہر شخص تھوڑی دیر خود چرخہ چلائے اور سوت کاتے۔
۴۔ سرکاری قوانین کی پابندی نہ کی جائے۔ انگریزوں کو محاصل خصوصاً سرکاری مالگزاری نہ دی جائے اور ان کی طرف سے ہر قسم کی سزائے قید و تعدی کو صبر سے برداشت کیا جائے۔

تحریک ہجرت کا آغاز

حضرت علامہ المشرقیؒ فرماتے ہیں کہ اسی خلافت کی تحریک کے ضمن میں چند ناانجام شناس مسلمانوں نے ہو کر دی کہ ہندوستان "دارالحرب" ہے دارالسلام نہیں رہا۔ دارالحرب اور دارالسلام کا جھگڑا صرف زور آور مسلح قوم کو بجتا ہے مگر یہ زور دیتے رہے کہ دارالحرب ہے اور چونکہ مسلمان عاجز ہیں اس لئے ان پر شرعاً لازم ہے کہ ہندوستان سے افغانستان کی طرف ہجرت کر جائیں۔ دیوانہ کو ہو کافی ہے۔ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کہرام مچ گیا۔ ایک لاکھ مرد، عورتیں اور بچے چند مہینوں کے اندر پشاور میں جمع ہو گئے۔ ہزارہا انسانوں نے آنکھ کی جھپک میں اپنے گھر بار، زمینیں، جائیدادیں، مویشی کوڑیوں کے مول بیچ دیئے۔ مجھے ذاتی علم ہے کہ ایک بھینس دو دو روپیہ کو اور ایک جریب زمین پانچ روپیہ کو بکی۔ بیل گاڑیوں پر چارپائیوں کے چھپر کے نیچے، جون جولائی کی گرمی میں، مسلمان سرفروشوں، پردہ دار عورتوں، کنواری لڑکیوں، مدرسہ سے نکلے ہوئے بچوں، کھانا پکانے کے برتنوں حتیٰ کہ بکریوں اور مرغیوں کا ہجوم، وہ دردناک نظارہ تھا کہ آنسو نہیں تھمتے تھے۔ میلوں تک بیل گاڑیوں کی قطاریں روزانہ چلتی تھیں۔ اللہ اکبر کے نعرے آسمان کو سوراخ کر رہے تھے۔ بے درد اور بے درد بھی کیا، جوش میں اندھے ہوئے ہوئے رہنماؤں نے انجام نہ سوچا۔ اس تحریک کے ایک بڑے رہنما کو ہر روز تنبیہہ کرتا تھا کہ ہوش کرو۔ کس کی سند اور کس کی تحریر پر ان اسلام کے جانبازوں کو خیبر کے پار دھکیل رہے ہو۔ خود کابل جا کر آخر تک جو بات ہو نظم و نسق سے طے کر آؤ۔ سپاہی بھیج رہے ہو تو سپہ سالار کے حکم کا انتظار کرو۔ اللہ کے کاموں میں ایک پل، ایک شوشہ، ایک ذرہ کا فرق نہیں ہوتا۔ پھر سب کام کیوں باترتیب نہ ہوں۔ جو جائے اس کے پاس شاہی پروانہ ہو، حکومت کی

طرف سے داخل ہونے کی اجازت ہو۔ صرف دردمند اور مفید لوگ جائیں۔ مفسدوں اور مخبروں کو راہ نہ دو۔ پشاور کی گلیوں میں بچوں کا گیت "چلو مسلمانو سوئے کابل امیر صاحب بلا رہے ہیں" کافی سند ہرگز نہیں۔ خیبر سے کابل تک اور کابل سے کابل کی غریب حکومت تک بڑا بے رحم اور مشکل راستہ ہے اور بوڑھے، بچے، بچیاں ہزاروں ساتھ ہیں۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ماظلموالنبونہم فی الدنیا حسنہ، و لاجرالاخرۃ اکبر (۴۱:۱۶) (ترجمہ: اور جن لوگوں نے دشمنوں کے ظلم کے بعد خدا کی راہ میں ہجرت کی ہم ان کو ضرور بالضرور دنیا میں عمدہ پناہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے بھی بڑھ کر ہے) کی آیت پیش کر کے کہا کہ ہمارا فرض ان مہمانوں کو کھانا کھلا کر خیبر کی حد تک پہنچا دینا ہے، آگے کا خدا مالک ہے۔ میں کہتا تھا اللہ اکبر! ایک پل ادھر نہ ادھر۔ سورج کو چڑھانے والے منتظم اور صاحب تدبیر خدا کے مسلمانوں کی کیا غلط فہمی اور قرآن سے کیا مخول ہے؟ بہرنوع یہ وہ ایثار تھا کہ اس کی مثال دوسری قومیں کیا تیرہ سو برس کی مدت میں خود مسلمان کم پیش کر سکتے ہیں اور یہ بھی انہی غریب پیشہ لوگوں کا کرشمہ تھا کہ خیبر کی سڑک پر لاشوں کے پشتے لگ گئے مگر کابل بلکہ قفقاز اور انگورا سے ورے دم نہ لیا، بلکہ سندھ کا ایک بڑا رئیس جو صدہا آدمی ساتھ لے کر آیا تھا اسی کشمکش میں ہلاک ہوا۔ خلافت اور ہجرت کی حرکتیں ایسی تھیں جن میں مذہب کا اثر شاید زیادہ نمایاں تھا لیکن میں زور دے کر کہوں گا کہ ان میں مذہب آٹھ آنے تھا اور آٹھ آنے ضرور سیاست تھی۔" (اشارات ص ۷۶-۷۸)

خلافت کی تحریک اپنی شدت کے لحاظ سے ہندوستان بھر میں بڑی اہمیت اختیار کر گئی۔ چنانچہ افریقہ میں ایک مسلمان سیٹھ کی جائیداد کے کرائے وصول کرنے والا ملازم منشی موہن داس کرم چند گاندھی جو نیا نیا ہندوستان وارد ہوا تھا اور میدان سیاست میں مقام پیدا کرنے کے لئے موقع کا متلاشی تھا فوراً اس تحریک میں شامل ہو گیا۔ مسلم اکابرین کے ساتھ ملک بھر کا دورہ کیا اور مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کرتا رہا۔ اس حمایت سے اس کا مقصد وحید یہ تھا کہ ترکی کے مسلمانوں کو کچھ حاصل ہو یا نہ ہو ہندوؤں کو کچھ مل جائے۔ اس کٹڑ سناتن دھرمی ہندو گاندھی نے مسلمانوں کی سادہ لوحی اور حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ابھی ابھی لندن میں مقیم ایک مسلمان محقق کی تصنیف "گاندھی برطانوی سامراج اور نسلی امتیاز" منصہ شہود پر آئی ہے جس میں مصنف نے انکشاف کیا ہے کہ گاندھی برطانوی راج کا شیدائی تھا' وہ خود اس کا دعویٰ بھی کرتا تھا اور اس نے عمر کا بڑا حصہ اس کی خدمت ستائش میں گزارا۔ گاندھی کو انگریزوں کی جنگوں میں سرکار برطانیہ کی نمایاں خدمات بجا لانے پر "قیصر ہند" کا طلائی تمغہ دیا گیا۔ گاندھی نے بوئر وار (جنوبی افریقہ کی جنگ) اور بمبانہ کی بغاوت میں سارجنٹ میجر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ پہلی عالمی جنگ میں انگریزوں کے لئے بھرتی ایجنٹ بنا رہا اور وائسرائے کو درخواست دی کہ اسے ریکروٹنگ ایجنٹ چیف مقرر کر دیا جائے۔ اس نے اپنے اخبار (Indian Opinion) میں افریقہ کے مجاہدین آزادی کے خلاف مہم چلائی۔ ہمارے سادہ لوح عوام گاندھی کو نسلی امتیاز کے ستائے ہوئے افریقی عوام کا دوست قرار دیتے ہیں۔

(۱) انہیں دعویٰ ہے کہ اس مکار انسان نے ہندوستان کی آزادی میں بھرپور حصہ لیا حالانکہ مسلمان سکالر کے ان انکشافات سے پتہ چلتا ہے کہ گاندھی کی شخصیت پر منافقت کا بڑا گہرا ملمع چڑھا ہوا تھا۔ ہندوستان کے ایک وائسرائے لارڈ ویول نے اس کے متعلق کہا تھا کہ "میں جتنا اس بوڑھے آدمی سے ملتا ہوں اتنا ہی سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بے اصول اور مکار بوڑھا ہے۔ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے انتہائی تشدد اور خونریزی سے بھی اجتناب نہیں کریگا اگرچہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے چلتربازی' دوستی اور نرم روی کے نمائشی رویے کو ترجیح دے گا۔"

ہندو بہ حیثیت قوم مسلمانوں کی اس تحریک سے بالکل الگ تھلک رہے اور اس ساری جدوجہد میں مسلمان پیش پیش تھے۔ انہوں نے سب سے زیادہ نوکریاں اور انگریزی مدرسے چھوڑے۔ نسبتاً زیادہ لاٹھیاں اور گولیاں کھائیں۔ کم و بیش بارہ ہزار نے زندان جانا قبول کیا۔ بیس ہزار نے گھربار چھوڑ کر افغانستان کی راہ لی۔ اپنے رہنماؤں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسی لاکھ روپے سے زیادہ روپے چند ماہ کے اندر اندر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے۔ خلیفۃ المسلمین کی دگرگوں حالت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ عورتوں نے رو رو کر کنگن اور بالیاں اتار دیں۔(۲) مردوں نے پگڑیاں اور کرتے پیش کر دیئے۔ بچوں اور بچیوں نے اپنے جمع کئے ہوئے پیسے قدموں میں ڈال دیئے۔ یہ پیٹ سے بھوکی اور تن سے ننگی قوم کا ادنیٰ کرشمہ تھا اور جس تحریک کے

لئے یہ سب کچھ کیا وہ ملک کے اندر نہ تھی بلکہ اس کا اثر چار ہزار میل دور پڑتا تھا اور اس کا تمام دنیا کے باقی مسلمانوں سے اتنا ہی لگاؤ تھا۔

گاندھی در پردہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ وہ اپنی لیڈری چمکانے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی خاطر اس تحریک میں شامل تھا۔ عین اس وقت جب یہ تحریک انتہائی زور پکڑ چکی تھی اور قریب تھا کہ برطانوی حکومت متحدہ طاقت کے اس ریلے کی تاب نہ لا کر مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کر لے، گاندھی نے گورکھ پور ڈسٹرکٹ کے ہنگامہ کی آڑ لے کر یک لخت کانگریس کی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کے تمام لیڈر جیلوں میں تھے۔ گاندھی جو اس تحریک کا ڈکٹیٹر بنایا گیا تھا انہیں بیچ منجدھار چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ یہ سب گاندھی کی انگریزوں سے ساز باز کا نتیجہ تھا کیونکہ وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان ملک میں ایک قوت بن کر ابھریں۔ تحریک خلافت اور ترک تعاون سے الگ ہو کر گاندھی نے مسلمانوں کے خلاف کام شروع کر دیا۔ شدھی اور سنگٹھن کی تحریک شروع کر کے ہندو مسلم فسادات کا آغاز کر دیا۔

جولائی ۱۹۲۳ء تک ترکی کے تمام سیاسی معاملات بخیر و خوبی انجام پا گئے۔ ترکوں نے خلافت کی بجائے جمہوریت قائم کر لی۔ ترکوں کے اس اقدام سے مسلمانان برصغیر کو بہت صدمہ پہنچا۔ خلافت کی بحالی کے لئے ان کی تمام قربانیاں اور سعی و جہد رائیگاں گئی۔

بہ نظر غائر جائزہ لینے سے بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ تحریک خلافت و ہجرت مسلمانوں نے ہنگامی جذبات سے مغلوب ہو کر اظہار جذبات اور جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے کے لئے شروع کی تھی ورنہ یہ کوئی سیاسی تحریکیں ہرگز نہ تھیں۔ تحریک خلافت کے مایوس کن انجام سے مسلمانوں کی ساری سیاست کا مطلع مکدر ہو گیا اور اس پر غیر اخلاقی اثرات چھا گئے۔ ہاں، ان کی بدولت کانگریس ملک میں ایک طاقت بن کر سامنے آ گئی اور اسے وہ عروج مل گیا جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہ تھا۔

(۱) روزنامہ "نوائے وقت لاہور ۱۷۔ اپریل ۱۹۸۹ء

(۲) مصنف کی دادی مرحومہ نے بھی اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں اتار کر اس وقت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے حوالے کیں جبکہ وہ ہمارے آبائی علاقے میں خطاب کرنے آئے تھے اس طرح میرے خاندان نے بھی اس تحریک میں عملاً" حصہ لیا۔

تحریک ہجرت میں عنایت اللہ خان المشرقی ؒ کا کردار

۱۹۲۰ء میں جب سر ہملٹن گرانٹ صوبہ سرحد کے گورنر تھے اور کابل کی طرف مسلمانوں کی ہجرت زوروں پر تھی مسلمان انگریزوں کے سخت خلاف تھے سول نافرمانی اور مخالفت کا ایک بے پناہ طوفان طول و عرض ہند میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ان حالات میں بعض برخود لیڈروں نے تحریک ہجرت جاری کردی۔ لوگوں کو خدا اور رسولؐ کی عزت و حرمت کا واسطہ دیا گیا۔ سادہ لوح مسلمان عشق رسولؐ کی آگ میں دیوانہ وار کود پڑے۔ اس سے انگریزی حکومت جواس باختہ ہوگئی۔ جب یہ طوفان کسی طور تھمتا نظر نہ آیا تو نگاہ انتخاب عنایت اللہ خان پر پڑی کہ اگر آپ ان مہاجرین اور حکومت افغانستان کے درمیان ٹکراؤ کرا کر اس تحریک کو ناکام بنانے میں مدد دیں تو سرکار برطانیہ آپ کو کابل میں اپنا سفیر مقرر کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس کے صلہ میں چار ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ اور "سر" کا خطاب دیا جائے گا۔

اگرچہ آپ اس تحریک کے انجام سے سخت پریشان تھے اور نجی محفلوں میں کہا کرتے تھے کہ یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی کیونکہ غیر منظم ہے اور بعض خود غرض اور بدنیت لوگوں نے اپنی لیڈری کی دکانیں چمکانے کے لئے مسلمانوں کی دین اسلام سے والہانہ محبت کا شرم ناک فائدہ اٹھانے کی جسارت کی ہے۔ وہ ان ہولناک نتائج کا تذکرہ بھی کرتے جو ایسی ہنگامی تحریکوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں ان ایماندار لوگوں کی نیت پر ادنیٰ شک نہ تھا جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر اپنا گھر بار اور وطن تک قربان کر رہے تھے۔ ان حالات میں آپ کی غیرت اسلامی نے "سر" کا خطاب اور محض دنیاوی متاع کی خاطر قوم سے غداری کرنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ چار دن کے غور و خوض کے بعد آپ نے گورنر کو لکھ بھیجا کہ "مجھے یہ اعزازت منظور نہیں۔ اگر مجبوراً مجھے یہ عہدہ قبول کرنا ہے تو میرا استعفیٰ حاضر ہے"۔ سرحد کے مشہور مورخ اللہ بخش یوسفی مرحوم اپنی کتاب "سرحد اور جدوجہد آزادی" میں رقمطراز ہیں کہ "علامہ مشرقی" نے حکومت کی اس پیش کش کا راز بھی حاجی جان محمد (صدر ہجرت کمیٹی پشاور) پر ظاہر کر دیا اور مشورہ دیا کہ اب بھی وقت ہے کہ ہمہ گیر ہجرت کو روکا جائے ورنہ چند ہفتوں میں یہ تحریک اپنی موت آپ مرجائے گی۔ (حضرت علامہ مشرقی"

نے اپنے متعلق کہا کہ) میں ایسی حالت میں افغانستان جاکر مہاجرین اور افغان حکومت کی ٹکر لرا کر اپنے لئے جہنم خریدنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ خاکسار اعظم نے حکومت کی پیش کش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا" (ص ۲۱۹)

تحریک ہجرت میں یہودیوں کا کردار

عنایت اللہ خان کے انکار پر انگریزوں نے یہودیوں کا سہارا لیا اور افغانستان اور ترکستان وغیرہ میں گئے ہوئے مسلمانوں کے متعلق مقامی مسلمانوں میں یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ انگریزوں نے کافروں کو قرآن سکھا کر یہاں بھیجا ہے تاکہ اپنے گماشتوں کے ذریعے افغانستان اور ترکستان پر قبضہ کر لیں چنانچہ کئی سو جوانوں کو غیر مسلم اور قرآن و نماز پڑھنے والے کافر قرار دے کر قتل کر دیا گیا۔ اس طرح یہودیوں نے دو طرفہ کام کئے۔ یعنی وہاں کے مسلمانوں کو ہندی مسلمانوں کی کمک سے محروم کر کے روس کی اعانت کی اور وہاں کے مسلمانوں کے ہاتھوں ہندی مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا کر انگریزوں کے مفادات کی تکمیل کی۔

تاریخ شاہد ہے کہ عنایت اللہ خان پہلے مسلمان اور شاید پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے ایک عظیم سلطنت کی طرف سے اتنی عظیم الشان پیش کش کو قومی اور دینی غیرت کے پیش نظر ٹھکرا دیا۔ ان کا یہ ایثار اسلامی تاریخ میں سنہری حروف میں ہمیشہ تابندہ نظر آئے گا اور آنے والی نسلیں روشنی کے اس مینار سے اپنی راہیں جگمگاتی رہیں گی اور ان کے جذبہ حب الوطنی کو ایک نیا ڈوز (DOSE) ملتا رہے گا۔

آپ کے اس انکار نے حکومت کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ حکومت کی نظریں بدل گئیں۔ چونکہ حکومت کو اس سودے بازی میں ذلت آمیز شکست ہوئی اس لئے درپردہ انتقام لینے کے پلان ترتیب دیئے جانے لگے۔ معمولی معمولی باتوں میں حق تلفی ہونے لگی اور اس اعتراف حقیقت کے باوجود کہ مرکزی حکومت میں اس کا کام حد درجہ قابل تحسین اور اطمینان بخش تھا حکمرانوں کا جذبہ انتقام حرکت میں آیا اور یہ سر پھرا اور خود سر انڈر سکریٹری ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر گورنمنٹ ہائی سکول پشاور کی ہیڈ ماسٹری پر متعین کر دیا گیا لیکن "صدر آنجا کہ نشیند صدر است" آپ ہیڈ ماسٹر ہوتے ہوئے بھی پوری فرنٹیر گورنمنٹ پر حاوی تھے۔ بھری محفلوں اور سرکاری

تقریبات کے موقع پر وہ سرچارج کننگھم جیسے پر جلال گورنر کو یوں مخاطب کرتے تھے گویا اپنے سکول کے کسی ملازم کو آواز دے رہے ہوں۔ فرنگی حکمرانوں نے انہیں ہیڈ ماسٹر بنا کر بزعم خویش بہت بڑا تیر مارا تھا لیکن سلطنت کے باغی کو بغاوت کے بیج بونے اور نئی فصل تیار کرنے کے لئے بڑی زرخیز زمین اور سازگار فضاء میسر آگئی۔ اس لئے یہ امکان پیدا ہوگیا کہ ملک کے شاہین بچوں کو عقابی شان سے جھپٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کے انداز سکھائے، ان کے سینے میں چیتے کا جگر اور شاہین کا تجسس پیدا کر دے اور عنایت اللہ خان المشرقی" نے یہ سب کچھ اس کامیابی سے سرانجام دیا کہ پشاور کا گورنمنٹ ہائی سکول آزادی و حریت کے احساسات کی تربیت گاہ بن گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ حسب پروگرام قومی کام میں لگ گئے۔ مسلمانوں کی قرآن سے عملاً ناواقفیت نے ان کی دنیاوی حالت انتہائی ناگفتہ بہ کر رکھی تھی۔ ادبار و تنزل کے بادل سروں پر منڈلا رہے تھے۔ عنایت اللہ خان مسلمانوں کی اس زبوں حالی پر ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ تحریک خلافت، تحریک ہجرت اور کانگریس کی بے معنی ایجی ٹیشنوں کا انجام دیکھ کر آپ نے مسلمان قوم کو بے ہوشی اور غفلت کے ماحول سے نکال کر حرکت و عمل پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ "تذکرہ" کی تصنیف اس سلسلہ کی سب سے بڑی کڑی تھی جس کے ذریعے انہوں نے مسلمانوں کو ان کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق قرآن کا آخری پیغام پہنچانے کی کوشش کی۔

امان اللہ خان کا انجام بد!

امان اللہ خان نے کم عقلی اور بے ہوشی کے سے میں بیس ہزار خدا کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے والے خدا کے بندوں کو افغانستان کی سرزمین سے دھتکارا۔ کیا ہوا؟ خدائے بے نیاز نے آن کی آن میں اس کو دربدر خاک بسر اور جگ رسوا کر دیا۔ نہیں، افغانستان کو انگریز کے پنجے سے آزاد کرانے والے اور فاتح امان اللہ خان کو رسوا کیا۔ اس امان اللہ خاں کو رسوا کیا جس کا ایک ایک لمحہ اسلام کی بہتری میں کٹتا تھا، جو اسلام کی خاطر رات کی نیندیں حرام کرتا تھا، جو قوم کو ایک آنکھ کی جھپک میں طاقت ور کر دینے کی لازوال تڑپ رکھتا تھا، جو قوم کی خاطر چیتھڑے اور کھدر پہنتا تھا، جو راہ چلتے فقیر کی حالت دیکھ کر زار زار روتا تھا۔ ہاں، ایک سجدہ نہ کرنے، ایک غرور، ایک اونچے

بول کے بدلے اس کی تمام نیکیاں اکارت کر دیں۔ دنیا کو پھر زندہ سبق دے دیا کہ انسان اپنی تمام زندگی میں ایک اکڑ نہ کرے' ایک بڑا بول نہ بولے' ایک ظلم نہ کرے' ایک سجدہ سے انکار نہ کرے' کبھی اپنے آپ کو شیطنت کی آگ سے پیدا ہوا ہوا نہ سمجھے۔ مٹی سے بنا ہے' مٹی بنا رہے اور ہر دم خاکساری کرے' کبریائی صرف خدا کو بجتی ہے۔ انسان کے لئے اس زمین پر خاکسار بننے کے سوا کوئی گنجائش نہیں۔

مولانا محمد علی جوہر کی دعوت

دسمبر ۱۹۲۰ء میں رئیس الاحرار محمد علی جوہر نے قومی مسلم یونیورسٹی یا جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے ایک درس گاہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور عنایت اللہ خان المشرقی ”کو شعبہ ریاضی کے سربراہ کا عہدہ سنبھالنے کی درخواست کی۔ لیکن اس وقت آپ ”تذکرہ“ کی تصنیف میں مصروف تھے اس لئے آپ نے معذرت کر لی۔

خریطہ

الحاج علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی علیہ الرحمتہ کے خامۂ گہربار نے اسلامی علم وادب کے خزینہ کو جو لعل و گہر عطا فرمائے ہیں ان میں "خریطہ مشرقی" کو فلسفہ و شعر کی دنیا میں بڑی امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ فارسی ادب سے مزین بلند پایہ شاہکار احباب کے بے پناہ اصرار پر شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ ٦٦ رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ راولپنڈی کی ایک ممتاز علم دوست اور علم پرور شخصیت حکیم سروسہارنپوری نے کیا ہے جو اگرچہ خاکسار نہیں لیکن علامہ مرحوم کے علمی سرمائے سے والہانہ شغف رکھتے ہیں۔ ایک ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ "اس عظیم مفکر کے افکار عالیہ کو فارسی کے دقیقہ رس انداز نگارش سے اردو میں منتقل کرنا اور وہ بھی منظوم صورت میں' اس قدر سہل نہ تھا۔ اہل فن اس راہ کی دشواریوں کو خوب جانتے ہیں لیکن میں نے ایک لگن کے ساتھ اس راہ میں سفر کا آغاز کر دیا اور تین سال کی کاوش پیہم سے یہ سرمایہ اس عزم کے ساتھ ترتیب دیا کہ ایک طرف قومی زبان کا دامن ان افکار عالیہ سے مزین ہو اور دوسری طرف اسلام کے بارے میں وہ انقلابی شعور نمایاں ہو جو علامہ مرحوم کا مقصود نظر تھا۔"

ہم یہ گرانقدر تحفہ حکیم صاحب موصوف کے شکریہ کے ساتھ "المشرق" کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

دیباچہ خریطہ

کسی قوم کی بہترین شاعری کی تاریخ دراصل اس کی پستی اور انحطاط کی تاریخ ہے۔ قوم کے ذہنی محسوسات اور جذبات عالم شعرو خیال میں اس وقت منتقل ہو جاتے ہیں جب علم و عمل کی روشنیاں قلوب سے محو ہو جاتی ہیں، جب سکون اور جمود سب طرف اپنا ڈیرہ جما لیتے ہیں، جب اس دنیا میں خوش اسلوبی اور زور سے رہنے کا لائحہ عمل رفتہ رفتہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، اعضاست پڑ پڑ کر اور دل سخت ہو ہو کر ایک عام نسیان اور ضعف چاروں طرف پھیلا دیتے ہیں۔ پھر وہی تخیل جو کسی زمانے میں ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دیا کرتا تھا، شعر میں منتقل ہو کر دل کے اندر ایک ادنیٰ سا تموج، ایک خفیف سی سنسناہٹ، ایک بے نتیجہ ہیجان یا ایک بے اثر چوٹ پیدا کر دیتا ہے۔ لوگ اسی کو مکرو ریا سے 'زندگی' اور 'جذبہ قومی' سے تعبیر کر لیتے ہیں، اور لمبی تان کر سو رہتے ہیں۔ سعی و عمل کے فقدان کے باعث تمام زور اس تخیل کو خوبصورت بنانے میں صرف ہوتا ہے، اس کے بے عمل قدرشناس، اور زبانی واہ واہ کرنے والے سب طرف سے پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر طرف سے علم ادب کا ایک فصیح اور خوب صورت، ایک درد انگیز اور ہیجان خیز، ایک بے نتیجہ اور ناکار برآر مرقع تیار ہو جاتا ہے!

عالم اور عامل قومیں شعر سے فی الجملہ ناآشنا ہوتی ہیں، ان کے ہاں جوں جوں علم کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، ہاتھ اور پاؤں کا عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ قانون خدا سے واقفیت ان کے اعضا میں اضطراب و تحرک کی ایک لہر دوڑا دیتی ہے۔ وہ اس بات کے درپے رہتے ہیں کہ ارض و سما کے اس حیران کن کارخانے کے اندر کچھ کر دکھائیں، کوئی نتیجہ خیز بات پیدا ہو، کچھ زمین کے کسی حصے پر چھاپہ ماریں، کسی دوسری قوم کو محکوم بنائیں، کہیں دولت پیدا ہو، کچھ علم میں، حکم میں، خبر میں، تجارت میں ترقی ہو۔ سربفلک عمارتیں ہوں، عظیم الشان ایجادات کی جائیں۔ یہی ایک ہیجان ان کے دلوں کو ہر وقت گرماتا رہتا ہے۔ کر دکھانے کی بجائے کچھ کہہ دینے کا خیال ان کو اکثر نہیں گزرتا، وہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا کے اندر جو شئے نتیجہ خیز ہے عمل ہے، قول بہر نوع

کچھ نہیں۔ جو شخص عمل پر قادر ہے اس کے لئے کہنا عبث ہے اور قول بے عمل تو بہرحال ایک پادر ہوا شئے ہے جس کی اس کارگاہ سعی و عمل میں کچھ وقعت نہیں۔

یہی باعث ہے کہ مقتدر شاعر جہاں کہیں پیدا ہوا ہے اس قوم کے انحطاط یا انتہائی جہالت کے زمانے میں پیدا ہوا ہے۔ یا اس وقت پیدا ہوا ہے جب کہ قانون خدا کا علم رفتہ رفتہ افراد سے گھٹتے گھٹتے کالعدم ہوگیا تھا' یا اس وقت کہ قوم بحیثیت مجموعی جہل کی تاریکیوں میں مدت مدید سے گھری ہوئی تھی اور سیاہی فی الجملہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ایسے وقت کا شاعر شعر کے اعتبار سے ہمیشہ سے بےمثال رہا ہے۔ اس کا کلام اس قدر بلیغ' الفاظ اس قدر چست' بندشیں اس قدر عجیب و غریب اور اقوال اس قدر جاذب' دلفریب اور مہیج رہے ہیں کہ قوم اکثر اوقات برسوں اور قرنوں تک اس کا کلام چٹخارے لے لے کر پڑھتی رہی ہے مگر علم و خبر کے اعتبار سے ایسے شاعر کے کلام کی قدرو منزلت کہیں کچھ نہیں ہوئی۔ صاحب علم قوم نے اس کے کلام سے اکثر کچھ اخذ نہیں کیا۔ کسی امت یا جماعت نے اس کے مقولات کو تمدن اور عمران کا اصل اصول نہیں بنایا۔ کوئی عمل' کوئی رہنمائی' کوئی مستقل اور دیرپا تحریک کسی بڑے سے بڑے شاعر نے روئے زمین کی کسی قوم میں اس نمط پر پیدا نہیں کی کہ وہ اپنے عہد میں یا بعد کو ایک عام انگیخت کا بانی قرار دیا جا سکے۔ جہاں کہیں کوئی ابھار پیدا ہوا ہے علم کی وجہ سے ہوا ہے۔ خبرو نبوت کے باعث سے ہوا ہے۔ یا اس قوم میں سمع و بصر کے محسوسات ترقی کر گئے ہیں یا ذہن سلیم رفتہ رفتہ قبولیت پر آمادہ ہوگیا ہے' یا قانون خدا آنکھوں کے سامنے خود بخود آ گیا ہے' یا اس زمین و آسمان کی ادارت کی خبر مل گئی ہے' یا کسی صاحب علم فرد نے رہنمائی کر دی ہے یا صراط مستقیم چند لفظوں کے اندر بتلایا گیا ہے۔ پھر قوم کو جب وہ راہ روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی' اس کا منتہا اور مفاد سامنے نظر آگیا تو سینے یک بیک کھلتے چلے گئے اور وہ امت لمحۃ البصر میں سعی و عمل کے فلک الافلاک تک پہنچ گئی! علم اور شعر کی باہمی مخالفت ہر امت کی تاریخ مدو جزر میں ہر وقت اس قدر مکمل اور غیر متزلزل رہی ہے کہ جہاں علم ترقی کرتا گیا ہے وہاں شعر کی کچھ دال نہیں گلی' اور جہاں شعر حاوی ہوگیا ہے وہاں علم سے کچھ سروکار نہیں رہا!

یہ سب اس وجہ سے کہ صحیح معنوں میں شاعر جہاں کہیں پیدا ہوا ہے بے علم و بے

عمل پیدا ہوا ہے۔ وہ بے علم اس لیئے ہے کہ علم شعر کے لباس کو قطعاً قبول نہیں کر سکتا جو شئے فی الحقیقت علم ہے وہ شعر قطعاً نہیں خواہ اس کی عبارت موزوں ہی کیوں نہ ہو گئی ہو اور جو شئے فی الحقیقت شعر ہے اس کے اندر علم کا ہونا ازبس محال ہے۔ وہ بے عمل اس لئے ہے کہ اس دنیا میں عمل علم اور صرف علم سے پیدا ہوتا ہے اور شعر ہر وقت اور بہر نوع عمل کا قطعی مخالف رہا ہے۔ شاعر قوم کے عام انحطاط کی صرف ایک زندہ تصویر ہے' وہ اس کی واماندگیوں کا ایک وقتی اور مقامی مجسمہ ہے' اس کے جذبات کے ہبوط کا سچا ترجمان' اس کی آہوں اور کراہوں کا مضراب ساز' اس کی بیہوشیوں اور غفلتوں کا جہاں نما جام' اس کی لاطائل حسرتوں کا سچا مورخ' اس کی سعی بے حاصل کا صحیح مخبر اس کی شہوات اور لذات کا طبل پرہنگام' اس کی تعلیانہ خود نمائیوں کا عکس آئینہ اور اس کی سلب شدہ عظمت کا سچا نوحہ گر ہے۔ وہ آپ اپنے زمانے کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے' جس رنگ ڈھنگ میں امت ہو اس کو فوراً قبول کر لیتا ہے' جو آہ' جو ارمان' جو چیخ' جو قہقہہ' جس کار فرمائی' جس ناکارہ پن میں قوم گرفتار ہو' اسی کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی ماحول کی رونق بڑھانے کے لئے اپنے ارغنوں کی تاریں کس لیتا ہے۔ مگر جس رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اکثر بے عمل ہوتا ہے' بے اثر ہوتا ہے' ناکار فرما' نارہنما اور ناکارکن ہوتا ہے۔ جذبات کے اظہار میں بے عمل' منطق اور دلیل میں بے عمل' کارفرمائی میں بے عمل' چارہ گری میں بے عمل' حتیٰ کہ اکثر اوقات عشق و تغزل میں بے عمل' نوحہ گری اور قہقہہ خیزی میں بھی بے عمل ہوتا ہے۔ آپ روتا نہیں مگر اوروں کو بے محابا رلا دیتا ہے' خود کرتا نہیں مگر کرنے کی ایک آسمان تک پہنچنے والی سطحی چیخ پکار پیدا کر دیتا ہے' روتا ہے مگر دل میں ہنستا جاتا ہے' ہنستا ہے مگر دل کے اندر متانت اور روکھا پن موجود ہے۔ نہیں بلکہ اکثر اوقات شاعر کا بہترین عشقیہ شعر اس وقت صفحہ قرطاس پر نمودار ہوا ہے جب فی الجملہ اس کو عشق و تغزل سے کچھ سروکار نہیں رہا تھا' بہترین نوحہ اس وقت نکلا ہے جب دل صحیح معنوں میں بے حس ہو گیا تھا عمل کا اثر انسان کے محسوسات پر طبعاً" اور خلقاً" اس قدر تخیل کش اور شعر ربا واقع ہوا ہے کہ اس کر لینے کے بعد کہنے کی گنجائش قطعاً نہیں رہتی۔ جس طرح کسی خاوند سے اپنی نکاح کردہ بیوی کے عشق میں غزل لکھوانی محال ہے اسی طرح عمل کے بعد شعر بھی اصالتہً" مفقود ہو جاتا ہے اور جس طرح غزل کے ذریعے

سے ایک ناکتخدا کا دلہن پر قابو پالینا محال ہے اسی طرح شاعر کا عالم بن جانا' یا اپنے شعر کے ذریعے سے کسی قوم کو عامل بنا دینا امر بعید ہے۔ پس فعل کے بعد تخیل اور علم کے بعد عالم خیال کا کسی قوم میں رہنا ازبس متعذر ہے اور جو امت اپنے اندر شاعر پیدا کر کے یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ علم و عمل کے معراج پر پہنچ رہی ہے اس کے فہم و ادراک کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ امت کے افراد پر شاعر کے نوع اثر کی مثال' یا شاعر کے وجود پر اس کے اپنے کہے ہوئے شعر کے اثر کی مثال بعینہ ایک رقاصہ کی ہے جو چند لمحوں کے لئے اپنے ناظرین کو دم بخود تو کر دیتی ہے مگر پھر رقاصوں کی طرح بے قدر ہے' یا ناچتی ہے تو دوسروں کی دل لگی کے لئے ناچتی ہے مگر اس کے اپنے دل کے اندر اس رقص کی خواہش اصلاً موجود نہیں۔ شاعر بھی اسی طرح سے ابن الوقت ہے' لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کچھ کہہ دیتا ہے' جو کہتا ہے انہی کے دل لگتی بات کہتا ہے جذبات کو سطحی طور پر بھڑکا کر غفلت پر محفلت کا ترنم پیدا کر دیتا ہے' سوتوں کو اور سلانے کی فکر میں ہے' گیتوں سے جگانے کا بہانہ کرتا ہے' یا بدعمل قوم کو بدکاری کا لقمہ دیتا ہے' یا پیار سے مار کا کام نکالنا چاہتا ہے۔ لیکن علم و عمل کی راہوں پر گامزن ہو کر دلوں میں انقلاب پیدا کر دینا اس کا کام اصلاً نہیں!

عالم با عمل یا نبیؐ بر خلاف اس کے جب ظاہر ہوا ہے اپنے زمانے کی سمت تخیل اور رو کے خلاف ظاہر ہوا ہے۔ وہ اپنے ساتھ علم و خبر لاتا ہے' قوم کی بیماریوں کی اٹل اور حکمی دوا لاتا ہے' قانون خدا کا ایک جزو مبہم لاتا ہے' امت کو آسمان تک اٹھا دینے کا بیرم لاتا ہے' پوری قوم سے دشمنی مول لینے کا سامان لاتا ہے' غلط تخیل اور غفلت کی عظیم الشان عمارت کو ڈہا دینے کا کدال لاتا ہے' مخالفت سے بے پرواہی اور قوم کی بہتری کا سچا درد اس میں ہر وقت موجود ہے' وہ اکثر کسی ضخیم یا دلچسپ تصنیف کا مصنف نہیں ہوتا' کسی بڑے محرر یا مقرر بننے کا شوق نہیں رکھتا' لسانی اور چرب زبانی سے بہر نوع متنفر' کلام میں مختصر' تحریر میں مجمل بلکہ بسا اوقات بلیغ اور مغلق' تقریر میں سادہ اور کم گو اور خیالات کے اظہار میں شعر و فصاحت کے اعتبار سے پریشان اور بے ربط نظر آتا ہے۔ علم کا تبحر' عمل کا اضطراب اور حقائق کا ہجوم اس کو اس امر کی فرصت نہیں لینے دیتے کہ وہ اپنی تحریر و تقریر کے اندر شاعرانہ دل آویزی یا دل فریب موزونیت پیدا کرے۔ وہ جو کہتا ہے کر دیتا ہے اور کئے جاتا ہے اور اسی کر دینے اور

کیئے جانے کے اندر اس کے کہے کے اثر کا راز مضمر ہے۔ لوگ اس کی شبانہ روز تکلیف برداری دیکھ کر آپ تکلیف اٹھانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں اور چونکہ وہ خود ایک مزدو ر بے مزد ہے لا اسئلکم علیہ من اجر کی شان رکھتا ہے، کسی دنیاوی حاکم کا محکوم نہیں بلکہ اپنے بے مزد عمل سے کسی غائب وجود اور منعم بے حساب کے ملازم ہونے کی گواہی دے رہا ہے، شاہد عامل ہے، خوش دل مزدور اور بے اجر مکلف ہے، شاعر کی واہ واہ کے بالمقابل کڑیاں جھیلتا جاتا ہے اس لئے لوگ اس شہادت کو پاکر اس سے یکسر متاثر ہو جاتے ہیں، پروانہ وار سب طرف سے اکٹھے ہو کر اس شمع سوز و گداز پر اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں، یہی قومی زندگی کی سچی علامت اور عروج کا سچا منظر ہے۔ شاعر اور نبی میں فرق صرف نوع اور جنس ہی کا فرق نہیں، فرش اور عرش کا فرق ہے، بعد آسمان کا فرق ہے، جماد اور انسان کا فرق ہے، وہاں تحسین و آفرین کی لذت حرکت دے رہی ہے یہاں تکلیف اور مخالفت سے عشق ہے وہاں آرام یابی کا شیوۂ زنان ترنم پیدا کر رہا ہے، یہاں کڑیاں جھیلنے کی مردانگی سر چڑھ بول رہی ہے، وہاں قول ہی قول ہے، یہاں نرا عمل ہے، وہاں گفتگو کا سلیقہ، پیش نہاد اور عمل، منطق اور نتیجہ، واقع الامر اور علمیت سب کچھ کو قربان کر رہا ہے، یہاں ایک نصب العین کی دھن اعضاء کو حرکت دے رہی ہے۔ عالم اور نبی بلا شبہ ایک ہی جنس سے ہیں۔ ان کے مابین صرف درجہ اور مقدار، صرف وسعت نظر اور استعداد عمل کا فرق ہے۔ عالم با عمل ممکن ہے کہ اپنے اندر نبوت کا شائبہ قلیل رکھتا ہو، نبی کی نباء عظیم کا ایک جزء لا تیجبری، اس کے مزلزل الارض عمل کا ایک جزو حقیر اپنے میں بطور وراثت کے پا رہا ہو، مگر شاعر کو علم و خبر سے قطعاً کچھ مناسبت نہیں۔ جس قوم کے اندر وہ پیدا ہوگیا ہے اس قوم کے علم میں کسر رونما ہو چکی ہے، اعضا میں انحطاط، خیال میں انقلاب، نصب العین میں تشتت، اذہان میں طوائف الملوکی، نظم و نسق میں شکست اس امت کے اندر جاگزین ہو چکی ہیں۔ جب تک کوئی قوم صاحب علم ہے شاعر کو سرے سے قبول کر نہیں سکتی۔ جہاں شاعر کے پھولنے پھلنے کا مواد تیار ہو چکا ہے، وہاں اس زمین کے اندر علم کے سربفلک درخت اگانے کی استعداد باقی نہیں رہی! جن لوگوں نے شاعر کو نبی کا مماثل کہا ہے انہوں نے نبوت کی ماہیت کو قطعاً نہیں سمجھا، نہیں بلکہ خود بے علم ہونے کی وجہ سے علم کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکے!

سعدی، حافظ، ہومر، شیکسپیئر، غالب، امرء القیس سب ازمنہ انحطاط یا جاہلیت کے شاعر تھے سب کے سب یا اس وقت پیدا ہوئے تھے جب قوم علم و عمل کے مرحلوں سے گذر کر قول و نظر کے جمود میں غرق تھی، یا اس وقت ظاہر ہوئے تھے کہ جہالت کی بدلیاں سب طرف سے گھر کر نسیان کی ظلمتیں پیدا کر رہی تھیں۔ سعدی وعظ گو تھا مگر قوم کے عام انحطاط کی تاریخ اس کے ہر وعظ سے نمایاں ہے۔ حافظ تغزل پسند تھا مگر تغزل کے پیرائے میں نوحہ گر تھا اور ہر غزل اس امر کی دلیل ہے کہ امت اپنا اکثر علم و اخلاق کھو چکی تھی۔ شیکسپیئر کی تصانیف سے اس کے اپنے عہد کے اخلاقی انحطاط کا مکمل مرقع تیار ہو سکتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان عجب واہیات میں پڑا تھا۔ ہومر رزم نویس تھا مگر اس وقت جبکہ قوم اپنی رزمی خصوصیات کو اکثر خیر باد کر چکی تھی۔ غالب کی تمام شاعری نظری ہے مگر اس کا نظری ہونا ہی اس امر کی شہادت ہے کہ قوم کے اندر کوئی مستقل ہیجان، کوئی ہاتھ پاؤں کا عمل موجود نہ رہا تھا حتیٰ کہ خود بادشاہ وقت نے تلوار چھوڑ کر شاعری قبول کر لی تھی۔ امرء القیس کے زمانے کی تاریکی ضرب المثل ہے، صرف شجاعت کی لن ترانیاں اس عہد کے اشعار میں کہیں کہیں باقی ہیں۔ الغرض جس مقتدر شاعر کے زمانے کی طرف نظر دوڑائی جائے، جمود اور عصیان، نسیان درس اور قساوت قلب کا سماں موجود نظر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شاعر اور عالم کا عہد ظہور اکثر اوقات توام رہا ہے، جب جب کوئی قوم ظلمت کے قعر عمیق تک پہنچ چکی، کوئی نہ کوئی صاحب علم شخص بھی منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا، کوئی نبی نبوت سے مشرف ہوا، کسی حقیقت شناس نے رونمائی کر دی، شاعر کے شعر کے ساتھ ساتھ عالم کا علم بھی ہویدا ہوا اور ظلمت شب کو پردے کی مانند اٹھا لے گیا، شیکسپیئر کے عہد میں بیکن نے راہ دکھلائی تو امرء القیس کے بعد آفتاب رسالت کا طلوع ہوا، مگر ایک قرن میں ایک جماعت کے اندر یہ قران ضدین اکثر اس وجہ سے ہوتا رہا ہے کہ ان دونوں قطع کے مشاہیر کا لگاؤ جاہلیت کے زمانے سے طبعی ہے۔ شاعر اگر اس زمانے کی ظلمت کا آغوش پروردہ بن کر پیارا بن جاتا ہے تو عالم اس شب دیجور کا طلیعہ مقصود بن کر چمک اٹھتا ہے۔ لوگ غلطی سے ان کے درمیان مناسبت یا مماثلت پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں مگر دراصل ان کی باہمی مخالفت آگ اور پانی، رات اور دن، اندھیرے اور اجالے کے تضاد سے کسی طرح کم نہیں ہوتی۔

لیکن قومی اخلاق کی سب سے پست منزل اجتماعی انحطاط کا وہ درد انگیز منظر ہے جب کہ افراد سے گزر کر پوری امت شعر کہنے کے مرض میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ ہر گھر، محلے اور شہر میں شعر کے موسمی حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں، ہر متنفس قافیہ پیمائی اور لغو رانی کا ہیچ میرز پیکر بن کر قومی علم ادب کو سنگ و سفال سے زیادہ بے وقعت کر دیتا ہے۔ وہ علم ادب جس کے الفاظ کی جلا میں، جس کے تخیل کی متانت اور حسن ادا کے اسالیب میں بسا اوقات قومی اخلاق کی تصویر ہو بہو نظر آتی ہے، ناشناس کا تختہ مشق بن بن کر اور نااہل کے ہاتھوں وستمال ہو ہو کر سوقیانہ بلکہ سفیہانہ رنگ لے لیتا ہے، پھر وہ رہی سہی عصبیت بھی جو افراد کے دل میں زبان کی عالی خیالی اور خیالات کے سمو کی وجہ سے جاگزین ہوتی ہے ماند پڑ جاتی ہے، اور اس قوم کی پیشانی سے اس کے ذاتی تشخص کا آخری امتیازی نشان مٹ جاتا ہے۔ شعر و سخن کی یہ جمہوری حکومت ذوق سلیم کے لئے زہر قاتل ہونے کے علاوہ امت کے قلب سلیم کے لئے ازبس مہلک ہے۔ شعر کا پیدا کیا ہوا نسیان درس ہر فرد کی رگ رگ میں صلاوت اور تساہل بھر دیتا ہے۔ سب قوم اصلاً بے عمل ہو جاتی ہے، سب اقوال بے نتیجہ اور بے اثر بن جاتے ہیں۔ شاعر کے لئے کسی مستقل نصب العین کا ہونا چونکہ ازبس دشوار ہے اس لئے شعر کی بھول بھلیوں میں پھنس کر امت کا نامراد اور بے فکر ہو جانا قطعی ہے۔ بے نتیجہ نوحے، بے اثر آہ وزاریاں، عورتوں کے شیون، حسن و عشق کے افکار، بے سبب غلو، کذب و دروغ سے شغف، سعی بے حاصل کی خلش، آہیں اور کراہیں، نادست رسیدہ ارمان اس قوم کا شعار بن جاتے ہیں۔ ایسی جماعت کی ہلاکت اس کار گاہ سعی و عمل میں طے شدہ امر ہے گو کہ اس کے افراد اس موت کو مکر کے باعث نہ دیکھ سکیں۔

ظہور اسلام سے پہلے اہل عرب کی جہالت مثل کے طور پر مشہور ہے۔ اخلاقی انحطاط یکسر عام ہو گیا تھا، خوبیاں یک بیک زائل ہو چکی تھیں، ذل و مسکنت سروں پر منڈلا رہی تھی، مگر شعر اوج کمال پر تھا۔ لوگ سفر اور حضر میں، رزم اور بزم میں، بلکہ عالم خواب میں شعر بے تامل کہہ دیتے۔ عکاظ کا بازار لگتا تو ملک کے ہر گوشے سے قبیلوں کے قبیلے پہنچتے مگر اصل مطلب شعر کا بازار گرم کرنا ہوتا، تجارت صرف ایک ثانوی شے ہو گئی تھی۔ اگر شعر واقع میں علم کا کوئی مرتبہ رکھتا تو شعرا کے اس مردم خیز

عہد کو "جاہلیت" کے زمانے سے تعبیر کرنا حتماً ناروا تھا۔ اس شعربازی اور یادہ گوئی کا اثر ایک صدی کے اندر اندر یہ ہوا کہ سب قومی اخلاق اقوال میں منتقل ہو گیا۔ شجاعت، حماست، قبائلی عصبیت، مہمان نوازی اکثر لفظوں اور شیخیوں میں باقی رہ گئیں۔ نفاق اور تھڑ دلی، کینوں اور رنجشوں نے افراد کو سب طرف سے گھیر لیا، ذہنوں میں ویرانیاں اور حوصلوں میں نامردیاں گھر کر گئیں۔ قومی انحطاط کا فی الحقیقت یہ وہ درک اسفل تھا کہ اگر چندے اور یہی حال رہتا تو قیصر و کسریٰ کے دندان آز عرب پر تیز ہو چکے تھے۔ اس عام جمود اور عصیان کی حالت میں نبی آخرالزمانؐ کا ظہور ہوا۔ اس اولوالعزم نبیؐ کی نگاہیں اس کارگاہ سعی و عمل کے قانون موت و حیات کی آخری تہ تک پہنچ چکی تھیں۔ خدا کا انسان سے معاملے کا راز کھل چکا تھا، جہل سے تحیر اور عجز، عجز سے تدلی (۱) اور تقرب، اور تقرب سے علم و عمل کے مرحلے طے ہو چکے تھے۔ یہ بات دو اور دو چار کی طرح عیاں ہو چکی تھی کہ اس نگار خانہ چین اور سحرستان کائنات کے اندر اجتماعی بقا کا بھید کیا ہے، وہ کیا آئین اور کیا صراط مستقیم ہے جس پر چل کر انعمت علیھم کا انعام ہے، جس کو پا کر امتیں یکسر نہال ہو جاتی ہیں، خوشنودی خدا کے سیاس نامے موسلادھار مینہ کی مانند برسنے لگتے ہیں لا خوف و لا حزن کی بشارت مل جاتی ہے، آسمان کے دروازے چوپٹ کھل جاتے ہیں۔ ایسا علامہ اجل نبیؐ قرآن لایا، علم و عمل کی آخری دستاویز لے کر آیا، یظھرہ علی الدین کلہ کا پیش نہاد لایا، دنیا میں غالب بن کر رہنے کا قانون لایا۔ ایسے قانون کے بالمقابل شعر کب تک ٹھہر سکتا تھا، جہالت اور بے حسی کی پیدا کی ہوئی ویرانیاں علم و عمل کے چمنستان کو کب تک مات کر سکتی تھیں، قرآن نے معاً اعلان کر دیا کہ شعر فی الحقیقت ایک عبث چیز ہے، کسی روشن ضمیر اور صاحب عمل قوم کے لئے بڑی سے بڑی گمراہی ہے، جو

1 - سورہ والنجم میں اس عظیم الشان نبیؐ کے بارے میں ہے و ما ینطق عن الھوی .... فکان قاب قوسین او ادنی۔ یعنی ادب آموز ازل نے اس کو قانون زمین و آسمان سکھلایا، اس کو آسمان کے افق پر لے گیا۔۔ پھر وہ (یعنی رسولؐ) اس سے قریب تر ہوا اور اس نے شاگردوں کی طرح عاجزی کی اور زانوئے ادب تہہ کر کے قریب ہو بیٹھا اور خدا سے اس قدر قریب ہوا کہ بقدر دو کمان کے فاصلے کے رہ گیا۔

لوگ شاعر کے پیچھے لگتے ہیں اس کے شعر کو سن کر احسنت اور مرحبا کہتے ہیں، اس کی لغو رانیوں سے متاثر ہوتے ہیں، اس کو زندگی کے کسی مرحلے میں اپنا رہنما خیال کرتے ہیں۔ وہ دراصل خود راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ والشعراء یتبعھم الغاون یہ اس لئے کہ شاعر کا اس دنیا میں کوئی مستقل نصب العین نہیں، اس کے پیش پیش کوئی صحیح مطمح نظر نہیں، فصاحت کا زور اور الفاظ کا سیلان اس کو ایک بے سلقیہ دریا کی مانند جن وادیوں میں چاہتا ہے بہالے جاتا ہے (الم تر انھم فی کل واد تھیمون) وہ اس ہرزہ گوئی میں جدھر منہ اٹھاتے ہیں چل پڑتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، علم جس کا صحیح پایان کار اس دنیا میں قوم کے سامنے ایک حقیقت پیش کر کے اس کو مجبور عمل اور آمادہ کار کر دینا ہے ان میں نام تک کو نہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک بے عمل شخص ہے، جو کہتا ہے کرتا نہیں اور جو کرتا ہے اس کو چھپانے کی سعی میں ہے۔ مجذوب کی طرح بڑ مارتا ہے اور اسی بڑ میں اپنے کاغذی گھوڑے دوڑائے جاتا ہے (وانھم یقولون مالا یفعلون) سعی طلب اور صبر آزما خدا کے نزدیک بڑے سے بڑا گناہ یہی ہے کہ جو کہو اس کو نہ کر دکھاؤ، دل اور زبان ایک نہ ہوں، قول کی ازروئے عمل تصدیق نہ ہو، خدا کو جو نگراں اعمال ہے دھوکا دیا جائے، خلق خدا کو دھوکا ہو وغیرہ وغیرہ (کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون) یہ وہ تعلیم تھی جو اس جلیل القدر نبیؐ نے عرب کو دی۔ اہل عرب نے اس کو صحیح اور نفع مند سمجھ کر قبول کر لیا، ان کے دلوں کی سنگلاخ زمینیں جو رحمت ایزدی اور سحاب مصطفویؐ کے نرم نرم ترشح سے قرنوں کے بعد نرم ہو چکی تھیں اس آب زلال کو جذب کرتی گئیں۔ اس کا اثر چند برسوں کے اندر اندر یہ ہوا کہ عرب کی سرزمین میں شعر قطعاً مٹ گیا، نابغہ، زہیر، طرفہ وغیرہ وغیرہ کی سب لن ترانیاں ایسی محو ہوگئیں کہ برسوں اور قرنوں تک وہ سرزمین کوئی مقتدر شاعر پیدا نہ کر سکی۔ معلقات، کے قصائد کی جاہلیت کے زمانے میں خاص تعظیم تھی، لوگ سوق عکاظ میں جمع ہوتے یا خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے تو ان قصائد کو سن سن کر سر دھنتے، ان کے آگے ماتھا رگڑتے، معتقدانہ سجدے کرتے، ان کے مصنفوں کو اپنا سچا رہنما مانتے، مگر قرآن حکیم کی شرک برانداز اور ظلمت وربا تعلیم نے معلقات پرستی کو جڑ سے اکھیڑ دیا، لات منات کے ساتھ ساتھ شاعری کا بت بھی ایک مدت مدید کے لئے ٹوٹ گیا، جہاں جہاں کوئی

قافیہ بند تھا اس کی کچھ قدرو منزلت نہ رہی۔ رہنمائی کا دم خم' خودستائی کے نخرے' قبائل کو آپس میں لڑوانے کی استعداد' الغرض کوئی مابہ الامتیاز شاعر اور غیر شاعر میں باقی نہ رہا۔ منکرین عرب میں چونکہ شعرو فصاحت کا خیال غالب تھا اور علاوہ ازیں اسلام کا علم سے پیدا کیا ہوا تمکن بھی ان کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا' وہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گرد کیوں جمع ہو رہے ہیں' یہ صدیوں کے جموو زدہ چند نفر کیونکر پابہ رکاب ہو کر اپنا سب کچھ اس نیک سیرت نبیؐ کے اتباع میں قربان کر رہے ہیں' اس لئے ان کا سوء ظن اسی طرف راجع ہوا کہ قرآن بھی شعر ہے' کیونکہ مقفی ہے' سجع کے لگ بھگ ہے' اس کے بیان میں زور ہے' لطافت اور اثر ہے' مرجع خلق ہو رہا ہے' وہ یہی سمجھے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ بھی ایک زور آور خطیب ہے' قافیہ پیا اور شاعر ہے' عمرؓ اور ابوبکرؓ اس کی خوش الحانی اور اس کے لائے ہوئے قرآن کی ادبی فصاحت پر ہی مرمٹے ہیں' اس کے الفاظ اور صنائع بدائع کو' اس کے استعاروں اور چست بندشوں کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے ہیں۔ اس کی نقاظی ہی ہماری حقیقی دشمن ہے' ہماری شاعری کا مقابلہ کر کے ہم کو مات کر رہی ہے' ہم کو کافر کہہ رہی ہے' عذاب کی دھمکیاں دے رہی ہے' جہنم کی آگ دکھلا رہی ہے' وغیرہ وغیرہ۔ ایک شعر پسند اور بے عمل قوم کی طرف سے ایک ایسی سر زمین میں جہاں ماسوا شاعر کے کوئی اور مقتدر شخص کبھی پیدا نہ ہوا تھا' رسولؐ خدا کے بارے میں یہ سب بدگمانی طبعی تھی مگر قرآن حامل علم ہو کر اس تہمت کا کب متحمل ہو سکتا تھا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ یہ اولوالعزم نبیؐ اور جو کچھ ہو سو ہو مگر شاعر قطعاً نہیں' اس کے شایان شان ہرگز نہیں کہ شعر کہتا پھرے' وہ تو ایک عبرت انگیز قانون لایا ہے' فاطر زمین و آسمان کے ہاں سے ایک روشن حقیقت اور مہیج اعضا اعلم لایا ہے' علم کو شعر سے کچھ مناسبت نہیں اور نہ شعر علم کے بلند مرتبے کو حاصل کر سکتا ہے (وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر و قران مبین) اس علم جلیل کا منتہائے نظر یہ ہے کہ جس قوم کے اندر کوئی حس کوئی زندگی کی علامت' کوئی تحرک یا نمو کا عنوان باقی رہ گیا ہے ان کو اس عالم آرائے زمین و آسمان کے کپکپا دینے والے قانون بقا و فنا سے آگاہ کر دے' یا اگر وہ اس سے گریز کریں تو منکرین کے لئے اتمام حجت ہو (لینذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین) قرآن کی بادی النظر میں یہ

عبارت آرائی یا زو ربیان نہ شعر ہے نہ اس سے شاعرانہ واہ واہ مقصود ہے۔ ایسے بودے ایمان یا نابکار اعتقاد کی کسی کو کچھ ضرورت نہیں۔ ضرورت اس یقین کی ہے جو اس پر عمل پیدا کرے، جس سے عبرت حاصل ہو، دل یکسر کپکپا اٹھیں، ان کی سنگلاخ زمینیں نرم ہو جائیں، اعضا میں حرکت ہونے لگے، تکلیف برداری اور مشقت کی تیاری ظاہر ہو، یہ کسی جادوگر یا کاہن کا کلام تو ہے نہیں کہ چکنی چپڑی باتوں سے موہ لینا پیش نظر ہو، یہ پہنائے زمین و آسمان کے خالق کا کلام ہے، بادشاہوں کے بادشاہ کا قول ہے، کلام ملک الملوک ہے، وہ العیاذ باللہ کوئی شاعر نہیں کہ تمہارے لغوران امراء القیس اور نابغہ کے بالمقابل شاعری کے اکھاڑے بناتا پھرے، تمہاری صنائع بدائع، تمہاری اپنی اختراع کی ہوئی چست بندشوں اور ادبی ترکیبوں کا تتبع کرے، بادشاہ کا کلام بہر نوع مستند ہے، لیکن یہاں سند ڈھونڈنے سے تو سروکار ہی نہیں جس شے کی ضرورت ہے وہ ان حکموں کی تعمیل ہے، امتثال امر ہے، اس پر ایمان و یقین ہے، اس سے تذکیر و اعتبار ہے وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تومنون ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون تنزیل من رب العالمین) قرآن نے سر بسر اعلان کر دیا کہ انسان اس بے مثال کلام کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ روئے زمین کے جن و انس (۱) اس کے اکابر اور اصاغر، اس کے عامتہ الناس اور خواص اس کی کیا ریس کر سکیں گے، اس کا مثیل کہاں سے لے آئیں گے۔ اگر تم اس کے الفاظ کا، اس کی بندشوں کا، اس کے قوانی اور استعاروں کا ایک سطحی سا مقابلہ کر بھی سکو، کسی نابغہ یا زہیر کو بلا کر اس کے ادب کا ایک ڈھانچا سا تیار بھی کرلو مگر اس کا علم کہاں سے لے آؤ گے، اس کی نبوت اور خبر کہاں سے ڈھونڈو گے، یہ تو اس بے مثال خدا کا کلام ہے جس کے ہم پلہ کوئی شے نہیں جس کی برابری کا کسی کو دعویٰ نہیں، جانے

1 - قرآن حکیم میں ہے قل لئن اجتمعت الانس والجن ...... بعضھم بعض ظھیرا ○ اس میں جن و انس کو قرآن کا مثیل پیدا کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اگر مثیل فصاحت میں ہی پیدا کرنا تھا تو سب جن و انس کو بلانے کی ضرورت کیا تھی صرف مقتدر اہل عرب اور اہل زبان کو بلایا ہوتا جن کا مقابلہ کچھ معنی رکھتا تھا، ایک چین کے رہنے والے سے عربی کیا لکھی جا سکے گی۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ مقابلہ کسی اور شے میں تھا جس کی تشریح آگے آ رہی ہے۔

رہو کہ یہ خدا کے علم کو ساتھ لے کر اترا ہے اور علم کا دعویٰ اس مالک سمع و بصر کو ہی ہو سکتا ہے۔ فا علموا انما انزل بعلم اللہ و ان لا الہ الا ھو) اگر اور کچھ نہیں تو اس جیسی دس سورتیں ہی لے آؤ' پھر جب لے آؤ گے تو ہم بھی تمہیں داد دیں گے' والا اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دو ام یقولون افترہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریت وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقین فان لم یستجیبو الکم فاعلموا انما انزل بعلم اللہ وان لا الہ الا ھو فھل انتم مسلمون (۱۱-۱۳-۱۴) ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ دس نہیں ایک ہی سورۃ اس علم و دانش کی حامل' اس خبر و نبوت سے شرابور لے آؤ' اور اگر نہیں کر سکتے اور یاد رکھو ہرگز نہ کر سکو گے تو آج ہی سے اس دنیوی اور اخروی جہنم کی آگ سے ڈرتے رہو جو اس قرآن عظیم کے علم کو علم نہ سمجھنے والوں' اس کے امن افزا احکام پر تندہی سے عمل نہ کرنے والوں' اس کی باتوں کو جھوٹ جاننے والوں' انسے مکرو ریا سے گریز کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھی ہے اور جس سے ہر کاہل قوم اور فرد کا واسطہ پڑنا اٹل ہے وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتو ابسورۃ من مثلہ وادعو اشھد اءکم من دون اللہ انکنتم صادقین ○ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین ○ (۲:۲۳-۲۴)

الغرض قرآن حکیم شعر ہرگز نہ تھا' شاعرانہ فصاحت کا مدعی ہی نہیں بلکہ منکر تھا' شعر سمجھے جانے سے اس کو چڑ تھی' شاعروں کا دشمن تھا' ان کو یقولون مالا یفعلون کا الزام دے کر گناہ کبیرہ کا مرتکب کہتا تھا' لفظوں کی خوب صورتی یا چست مضمون باندھنے سے اس کو کچھ سروکار نہ تھا' یہ اس لئے کہ وہ علم تھا حکمت تھا تلک ایت الکتب الحکیم ہدایت اور رحمت تھا (ولقد جئنھم بکتب فصلنہ علی علم ھدی ورحمتہ لقوم یومنون) نور تھا (قد جاءکم من اللہ نور و کتب مبین) موعظتہ کی آخری دستاویز اور نسخہ شفا تھا' (یایھا الناس قد جاءتکم موعظتہ من ربکم وشفاء لما فی الصدور) پیکر بصائر تھا (ھذا ابصائر للناس وھدی ورحمتہ لقوم

یوقنون) مجسمہ بشارت تھا (ھدی وبشری للمسلمین) سرچشمہ ہدایت تھا (قل فاتوا بکتب من عند الله ھواھدی منہما) شعر میں یہ باتیں ہو نہیں سکتی تھیں۔ جس شے کی بڑی سے بڑی فضیلت اس کی فصاحت ہو' اس میں ان خاصیتوں کا پیدا ہونا محال ہے۔ اگر اس کے مثیل نہ پیدا ہونے کا دعویٰ تھا تو اسی ہدایت اور رہنمائی میں تھا' اجتماعی تمکن اور قوت کی راہ دکھلانے میں تھا غلبے اور امن کی بشارت دینے میں تھا' سعی و عمل کے وسائل پیدا کرنے میں تھا' قوم کو ماسوا کی آلائش سے پاک کر کے دنیا میں جما کر رکھنے میں تھا' قیام اور دوام کی طرف اشارہ کرنے میں تھا (ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم) فصیح ہونے کا لغو اور ہیچ میرز ادعا قرآن نے حتماً" کسی جگہ نہیں کیا' نہیں بلکہ فصاحت کا لفظ بھی ماسوا ایک موقع کے جو حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کے بارے میں استعمال کیا ہے (ھو افصح منی لسانا) قرآن کے طول و عرض میں کہیں موجود نہیں۔ یہ باعث تھے جن کی بنا پر عرب کے اندر ایک اقل قلیل مدت میں شعر مٹ گیا' نسیان و جمود کی جگہ علم و عمل نے لے لی' تمام قوم کی قوم ترنم اور حدی خوانی کو چھوڑ کر پا بر کاب ہو گئی' تلوار ہاتھ میں لے کر زمین خدا پر ڈاکہ مارنے کے فکر میں لگ گئی! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بارہ برس کے اندر اندر چھتیس ہزار شہر اور قلعے سر کر لئے' چار ہزار بت خانوں کلیساؤں اور کئی ہیکلوں کو پیوند زمین کیا' صدہا صومعوں کو مساجد میں تبدیل کر دیا' قیصر و کسریٰ دست بستہ غلام بن گئے' فراعنہ مصر کی کھوپڑیوں پر گھوڑے دوڑائے گئے' بلند نیشنان عزو ابہت کے تخت ہلنے لگے! اگر قرآن کا مثیل پیدا کرنا محال ہے تو اس ہدایت اور بشارت میں ہے جو قرون اولیٰ کے عرب کو قطعاً مل گئی تھی اور جو قیامت تک کسی اور قوم کو قرآن پر عمل کرنے کے ماسوا حتماً" نہ مل سکے گی۔ حال کے محاربہ عظمیٰ میں جرمنی باوجود اپنی بے مثال جندیت اور آسمان پاش توپوں کے ایک سال میں تین ہزار شہر اور قلعے تو کیا تین سو شہر اور قلعے بھی انگیریزوں سے نہ چھین سکا اور اگر چہ اسلاف مسلمین اس قرآنی ہدایت کو پاکر اپنا فاتحانہ تقدم کئی سو برس تک جاری رکھ سکے اور کسی سے ہٹے نہ ہوئے' مگر قیصر کی مونچھوں پر تاؤ دینے والی فوج چار برس کے اندر اندر دم دبا کر ایسی بھاگی کہ آج اس کے قائد اعظم آرہ کشی اور نعل بندی سے اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ قرآن کے علم و عمل کے بے مثال ہونے

کی شہادت اس قدر عینی اور قطعی ہے کہ دنیا ایک لاکھ یا دس لاکھ برس تک اور قائم رہے، دس یا دس ہزار جرمنی ایسی قومی اور زمین پاش قومیں روئے زمین پر پیدا ہو جائیں لیکن قرآن کے سوا کسی اور دستور العمل سے اس ہدایت کا پیدا ہونا محال ہے۔

اگر فاتوا بسورۃ من مثلہ سے قرآن کا مقصود بالذات ادب اور فصاحت میں اپنی برتری جتلانا تھا اور صدر اسلام کے ہمعصر کفار عرب بھی اس من مثلہ کا یہی مطلب سمجھتے تھے تو حیرت ہے کہ قرآن کے بالمقابل اسی انداز پر اور اس کے رنگ میں دشمنوں نے کیوں ایک لاکھ نقلی قرآن اس گمان پر تیار نہ کر لئے کہ ان میں سے دس نہیں تو ایک دو ہی مقابلے میں پورے اتر سکیں، کیوں نہ کافر رسولؐ خدا کے برخلاف تلواریں تیز کرنے کی بجائے کسی علقمہ یا ازہیر کے پیچھے لگ گئے کہ ان سے توبر تو قصیدے بنوائے جاتے، کیوں ابوسفیان اور ابوجہل کے پیچھے لگے جو نام تک کے شاعر یا لسان نہ تھے اور جنہوں نے اپنی مدت عمر میں ایک شعر بھی کبھی نہ کہا تھا، کیوں مسیلمہ کذاب (۱) کی قیادت قبول کر لی جس کے شاعر ہونے کا معتقد کوئی شخص بھولے سے بھی نہ تھا۔ آج اس سرزمین ہند میں باوجودیکہ میرزا غالب نے کبھی ادعا نہیں کیا تھا کہ اس کا شعر بےمثال ہے مگر اپنے زعم میں اس کے رنگ کو نباہنے والے نقال اس قدر پیدا ہو گئے ہیں کہ ہر تک بند اور قافیہ پیما اپنے آپ کو غالب کا ہمسر خیال کرتا ہے، روز بروز ایک دو یا دس غزلیں اس کے رنگ میں اخبارات کی پیشانیوں کو مزین کر دیتی ہیں اور ہر شخص اپنے گمان میں غالب کا باپ بنا بیٹھا ہے۔ اگر قرآن حکیم نے فصیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا، شاعروں کو مقابلے کے لئے بلایا تھا، چست بندشوں اور برمحل الفاظ کے استعمال پر تمام جھگڑا تھا تو کیا یہ ممکن تھا کہ سارا عرب گنگ ہو جاتا کسی دشمن کے منہ سے مقابلے کی ایک سورۃ، ایک جملہ، ایک لفظ تک نہ نکل سکتا۔ غالب تو یہی تھا کہ

1 - اس میں شک نہیں کہ مسیلمہ کذاب نے ایک تحریر قرآن کے مقابلے میں لکھی تھی جس کی چند پریشان آیتیں آج بھی کہیں کہیں ملتی ہیں۔ مگر مسیلمہ کذاب اپنے زمانے میں کبھی فصیح گو شاعر مشہور نہ تھا اس کے نقلی قرآن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیلمہ نے زیادہ تر قرآن کے مضامین کی نقل کی تھی اور اسلوب تحریر بھی وہی رکھا تھا مگر اس کو بھی فصاحت میں مقابلہ مدنظر نہ تھا۔

ایمان لانے سے پیشتر دور دراز سے لوگ جوق در جوق آتے' ہر شخص حسب مقدور اپنے طبع زاد کلام کا کوئی نمونہ مکے اور مدینے والوں کے سامنے پیش کرتا۔ دس بیس سورتیں یا قصیدے روز طعنے کے طور پر رسولؐ خدا کی خدمت میں بھیجتے جاتے' پے در پے مناظرے اور مباحثے ہوتے' مسلمان اور کفار ایک میدان میں آکر مشاعروں کے بیسیوں اکھاڑے بناتے' کچھ ادھر سے کہا جاتا کچھ ادھر سے وحی آتی' کوئی منصف یا حکم ٹھہرائے جاتے کہ کون سا کلام بہتر ہے' کونسا فصیح تر ہے' بڑے بڑے ادباء اور فصحاء کا جم غفیر ہر وقت دار النبوۃ میں جمع رہتا' ہار یا جیت تو خدا کے اختیار میں تھی مگر کافر اپنے دل کی بھڑاس تو نکال لیتے!' غالب کے مشہور سہرے کے ایک ادعائی مصرعے (دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھ کر سہرا) نے تو استاد شاہ ذوق کو چند لمحوں کے اندر اندر اس بات پر آمادہ کر دیا کہ ایک برجستہ اور فی البدیہہ سہرا مقابلے میں لکھدے' نہیں بلکہ اس وقت سے آج تک ہزارہا شوقیہ سہرے اسی رنگ و ردیف میں اعتقاداً اور تبرکاً" بھی لکھے جا چکے ہیں' لیکن قرآن کی فصاحت کے بالمقابل کسی مخضرمی شاعر' کسی ہمعصر مسلمان یا منافق عرب نے ایک حرف تک نہیں لکھا۔ صدر اسلام میں کسی کو اس کا ادبی مقابلہ کرنے کا گمان تک نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن شعر نہیں تھا' نہ شعر ہونے کا اس کو دعویٰ تھا' بلکہ منکرین عرب کو درپردہ اس امر کا پورا احساس تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فصاحت میں مقابلہ کرنے کے لئے نہیں بلاتا' اگرچہ وہ اس نیک نبیؐ کو چڑانے اور تنگ کرنے کے لئے کہدیتے تھے کہ وہ شاعر ہے (العیاذ باللہ) پاگل ہے' اس نے چند پاگلوں کو اپنے گرد اپنے زور بیان سے جمع کرلیا ہے' اس کی چڑھ اسی وقت تک بنی ہوئی ہے جب تک یہ زندہ ہے اور ہم تو اس وقت کے منتظر ہیں کہ اس کا قصہ پاک ہو اور اس کے سب چیلے چانٹے تتر بتر ہو جائیں (فذکر فما انت بنعمت ربک بکاھن ولا مجنون ام یقولون شاعر نتربص بہ ریب المنون قل تربصوا فانی معکم من المتربصین) یہ قرآن کا علم ہی تھا جس کی وجہ سے فاتوا بسورۃ من مثلہ کی صلائے عام کے ہوتے ہوئے سب عرب دم بخود رہ گیا' کسی کو کچھ تاب سخن نہ رہی' سب گونگے اور بہرے بن گئے۔ عرب اگر با ایں ہمہ رسولؐ خدا کی پیروی کرنے سے کتراتے تھے' اگر وہ اس اولوالعزم نبیؐ سے ہم آہنگ ہونے سے جھجک رہے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ عالمؐ

باعمل مشقت اور محنت کی طرف بلاتا تھا' سعی و عمل کا وعظ کرتا تھا' کڑیاں جھیلنے اور خون جگر پلا پلا کر قوم کو غالب کرنے کے درپے تھا' جہل و جمود کی ظلمتوں سے نکال کر علم و عمل کی روشنیوں میں لا رہا تھا۔ کتب انزلنه الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربهم الی صراط العزیز الحمید) شعر کی تن آسانیوں اور خواب استراحت سے ہٹا کر علم کی شب زنده داریوں اور جانبازیوں کی طرف رخ پھیر رہا تھا' سرابستان وہم و خیال کو دور کر کے خارستان حقیقت اور چمنستان علم کی طرف دوڑا رہا تھا۔ ایک اجل زده اور متفرق' ایک آسان پسند اور شاعر قوم کے لئے ان وجوه کی بنا پر قرآن کے پیغام کا صدائے بے ہنگام ہونا طبعی تھا' وہ اس سے چڑ چڑے اور کھسیانے ہو ہو جاتے' نبیؐ کو جی بھر بھر کوستے' تمتما کر اس پر حملے کرتے' اس پر نجاست سے بھری ہوئی اوجھ پھینکتے' اس کی راہ میں کانٹے بچھاتے (واذا تتلی علیهم ایتنا بینت تعرف فی وجوه الذین کفرو المنکر یکادون یسطون بالذین یتلون علیهم ایتنا) دل کو خوش کرنے کے لئے کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (معاذ اللہ) ایک جنون زدہ ہے' پاگل ہے' اس کا دماغ ٹھیک نہیں' یہ سب جنت کے سبز باغ' یہ دجلہ اور فرات کی بہشتی نہریں' یہ استخلاف فی الارض کے دل خوش کن وعدے' یہ سونے کے کنگن اور لباس حریر' سب کے سب اس کے پریشان خیالات ہیں' بے تکی باتیں ہیں (بل قالو اصنغات احلام بل افتراه بل هو شاعر) ایسی مزے کی نیند میں ہم کو بیوجہ تنگ کر رہا ہے' سب سوئے پڑے ہیں اور یہ جاگتا ہے اوروں کو اپنے شور و واویلا سے جگاتا ہے' یہ کچھ حقیقت نہیں جو کہہ رہا ہے' آرام میں خلل ڈالنا کسی ہوشمند کا کام نہیں' ناحق جان و مال کو خطرے میں ڈالنا ہمارے بس کی بات نہیں (ام یقولون به جنته بل جاء هم بالحق و اکثر هم للحق کر هون) قساوت قلوب کے باعث عمل سے گریز کرنا ان کی گھٹی میں اس قدر پڑ گیا تھا کہ جب منکرین کو قرآن سنایا جاتا تو وہ احکام الہٰی کی اہمیت کو تسلیم کرلینے اور ان پر عمل کرنے کی بجائے علی الحساب کہہ دیتے کہ یہ سب پیش پا افتادہ باتیں ہیں اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی نبوت سے بھری ہوئی باتیں بنالیں' یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو پرانے لوگ ہمیشہ سے کہتے چلے آئے ہیں (واذا تتلی علیهم ایتنا قالوا قد سمعنا لو نشاء لقلنا مثل

ھذا ان ھذا الا اساطیر الاولین) یہ اساطیر الاولین سے قرآن کو تشبیہ دینا ہی اس امر کی حتمی اور مسکت دلیل ہے کہ مثل ھذا کے الفاظ سے اہل مغرب قرآن کا شعرو سخن میں مثیل پیدا کرنا مراد نہ لیتے تھے، بلکہ طنزاً کہا کرتے کہ یہ احکام جن پر عمل کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے کوئی نئی بات نہیں یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو پہلے سے لوگ کہتے چلے آئے ہیں اور جن کی طرف التفات کرنا ہم لوگوں کا شیوہ ہی نہیں۔ اگر معاملہ شعرو سخن میں ہی تھا تو عرب جواب میں ان ہذا الا سرقتہ من شعر الاولین کہتے، اساطیر، کہنے سے مراد یہی تھی کہ ہم اس تکلیف وہ نبیؐ کی باتوں میں آنے والے ہرگز نہیں۔ مزید برآں ایک شاعر یا فصیح گو شخص سے اس قطع کی مخالفت جو عرب نے کی ہو نہیں سکتی تھی۔ اس کے خلاف تو یہی ہو سکتا تھا کہ قصیدے اور جوابی کلام بنا بنا کر اس کی شاعری کو مات کر دیا جائے نہ یہ کہ تیغ و تفنگ سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ ایسے شخص کے پیرو یا مداح بھی شعر پسند، شعر گو یا کم از کم لفظی واہ واہ کرنے والے اصحاب ہی ہو سکتے تھے، مگر صحابہ کرام کی بالعموم، اور حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کی بالخصوص شعر سے بیزاری پر تاریخ شاہد(۱) ہے۔ وہ سب کے سب باعلم اور باعمل شخص تھے، ہاتھوں اور پیروں کا عمل کیا کرتے تھے، تدبیر اور سیاست میں بڑے ماہر، قانون خدا کے بڑے علامے، بڑے سپہ سالار، بڑے مجاہد اور بڑے حاکم تھے، پہاڑ ان کے علم اور عزم کے آگے پانی کی طرح بہ جاتے تھے، بروبحر ان کی وسعت نقد و نظر کے سامنے جھک جھک سلام کرتے تھے دنیا کے بڑے سے بڑے حصے انہوں نے اس دھڑلے، امن رعب و وقار، اس نظم و نسق اس صحت اور حسن تدبیر سے حکومت کی کہ سطح زمین کو ان کا مثیل پیدا کرنے کے لئے ابھی کئی اور صدیاں چاہئیں۔ شاعر یا شعر پسند شخص اس قماش اور اس بافت کا آدمی نہیں ہوتا۔ وہ بیچارہ اپنے گھر پر بھی اچھی طرح حکومت نہیں کرسکتا، اعضا میں ست، جوارح میں مضمحل، آرام پسند، بے عمل، بے عزم اکثر ہوا کرتا ہے، اس سے بروبحر کی حکومت کیونکر ہو، فوجوں کی سپہ سالاری کیسے نبھے۔ نہیں بلکہ یہ ایک نہایت معنی خیز واقع ہے کہ رسولؐ خدا کے عہد میں اکثر مقتدر شاعر حلقہ اسلام میں داخل ہونے سے الگ تھلگ رہے۔ اس وقت

1 - چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالدؓ کی معزولی کا فوری سبب یہ تھا کہ انہوں نے ایک شاعر کو دس ہزار روپیہ انعام کے طور پر دے دیا تھا۔

ٹھیک طور پر یاد نہیں مگر معلقات کے کم از کم ایک شاعر (زہیر ابن ابی سلمی) نے عہد رسالت پایا تھا اور وہ آخر دم تک مسلمان نہ ہوا۔ قصیدہ بردہ کا بڈھا مصنف عین اس وقت ہدیہ مدح لے کر آیا جب دین اسلام غالب ہو چکا تھا اور شاعری کی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ شعر فہمی کا شائبہ (بلکہ بعض اوقات شعر گوئی کا سلیقہ) ہر جلیل القدر شخص میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے، سرور عالمؐ قصیدے کو سن کر مسکرا دیئے اور شاعر فرقے کو اسلام کی طرف جذب کرنے کے لئے اپنی چادر انعام میں دے دی۔ صدر اسلام میں لے دے کر اگر کوئی شاعر مسلمان ہو کر چمکا تو وہ حسانؓ بن ثابت تھا۔ مگر ان کا شعر زمانہ جاہلیت کے شعر سے بدرجہا کم پائے کا ہے۔ عہد رسالت میں ان کا کام اکثر یہی رہا کہ دشمن کے رسولؐ خدا کے برخلاف طعنوں کا بطور خود جواب دیا کریں۔ مگر آستانہ نبوت سے ان کو اس امر کی کوئی تحریض نہ ہوتی تھی۔ تاہم اسلام کی عملی خدمت اور ترقی میں ان کا وہ حصہ ہرگز نہ تھا جو اور صحابہ کرام کو ودیعت ہوا تھا، بلکہ واقعہ افک کی تشہیر میں ان کے شرمناک حصے نے تاریخی نقاد کی نظروں میں ان کے حضرتؐ پر ایمان و یقین کی قدر و منزلت بہت کچھ کم کر دی ہے۔

الغرض قرآن، اپنے ساتھ علم و نبوت لایا یستخلفنہم فی الارض کا ایزدی میثاق لایا لیبدلنہم من بعد خوفہم امنا کی بشارت لایا لیظہرہ علی الدین کلہ کا پیغام لایا، الہدی اور دین الحق لایا، شعر کی بے قدری کرنے آیا شاعروں کو یتبعہم الغاون کہنے آیا، نہیں بلکہ ایک شاعر اور اجل زدہ قوم کو عالم اور عامل بنانے آیا! جہانگیر اور جہانپاں کرنے آیا! خدا کی بنائی ہوئی زمین کو با خدا لوگوں کی تحویل میں پھر دینے آیا! جب تک قوم اس قانون پر عامل رہی، اس کو الصراط المستقیم سمجھ کر اپنے تن بدن کو دکھ میں ڈالتی رہی تب تک انعمت علیہم کا عہد الٰہی پورا ہوتا رہا۔ تب تک قرآن بھی صحیح معنوں میں علم رہا۔ لوگ اس کی ہر آیت کو سچے دل سے معجزہ سمجھتے رہے، اس قانون کو پاکر حیرت زدہ رہے، اس سے مستمند اور بہرہ یاب ہوتے رہے، ایک عالم کو حیران کرتے رہے، خدا خوش رہا، امت نہال رہی، سربفلک عمارتیں، سرسبز باغات، دولت، ابہت، تکبیر کے حوصلہ پاش نعرے، علم، حکم، نبوۃ، سب کچھ اس خیرالامم کے حصے میں رہا۔ جب ناحقیقت شناس لوگ اس پیغام الٰہی کے حامل بن گئے، جب رہنماؤں کی نیتیں بگڑ گئیں

حوصلوں اور جگروں میں جبن آگیا' طول امد سے دل سخت ہوگئے۔ مکر سے رسولؐ کا پڑھایا ہوا سبق بھول گئے۔ خدا سے تجاہل کیا' علم نہ رہا' ذہنوں میں ویرانیاں اور دلوں میں صلاوتیں بھر گئیں' جب حکم خدا سے گریز کرنا آرام دہ نظر آیا' نہیں جب خدا کے خدا ہونے پر یقین نہ رہا اور دلوں کے اندر اولاد اور مال کے بت' زن اور زمین کے بت' پیر و کبیر کے بت' اولیا وابرار کے بت' باغوں اور مکانوں کے بت' گھوڑوں اور طویلوں کے بت' غیر قوم کے حکام کے بت' خوف ماسوا کے بت' جہالت اور جمود کے بت' تن آسانی اور آرام کے بت' فرقہ بندی اور اشتتات کے بت' نفس پسندی اور امت کشی کے بت' شیطان اور طاغوت کے بت گھر کر گئے ہاں جب توحید نہ رہی اور شرک دلوں کی تہ پر جم گیا' تو لوگ اس قرآن عظیم کو' اس مالک زمین و آسمان کے آخری پیغام کو' اس حجتہ اللہ البالغہ اور محکمہ قضا و قدر کے مختتم فیصلے کو شعر سمجھنے لگے' اس کے احکام کو ٹالنے کے بہانے سے الفاظ کو سراہنا شروع کیا' نفس پیغام سے مکر کرنے کے لئے اس کی بندشوں کی طرف راجع ہوگئے' تعظیم کے بہانے چوم چاٹ کر جزو دانوں اور ریشمی غلافوں میں بند کر دیا' خدا کو دھوکا دیا نفس سے مکر کیا' پرلے درجے کی فریب کاری افترا اور بدنیتی سے اعلان کر دیا کہ قرآن کی سب سے بڑی فضیلت اس کی فصاحت ہی ہے' یہی اس کا زندہ معجزہ ہے' اس ایک سورۃ' ایک آیت' ایک جملے' ایک حرف کی فصاحت کی برابری "جنوں کی ہوا میں بسی ہوئی مخلوق" اور انسانوں کی زمیں باش آبادی ہرگز نہیں کر سکتی! اسی فصاحت پر تمام عرب سرنگوں ہوگیا تھا' عمرؓ نے سپر ڈال دی تھی' قیصرو کسریٰ کے تاج ڈگمگا گئے تھے' پہاڑوں کی چوٹیاں ہل گئی تھیں' اسی معجزے کو دیکھ کر عمرو بن العاصؓ اور محمد بن قاسم ہندوستان کی طرف دوڑے گئے اور طارقؒ نے اندلس پر ڈیرے جما لئے! تب پوری امت کی آنکھیں اندھی ہوگئیں' لھم قلوب لا یفقھون بھا واذان لا یسمعون بھا کا سماں سب طرف بندھ گیا! کروڑ در کروڑ مسلمانوں میں سے ایک آواز' ایک صدائے احتجاج' ایک آہ اس ناروا تخیل کے برخلاف بلند نہ ہوئی۔ عرب جن کو علم و عملؐ کی ناخوش آیند کارفرمائیوں سے ہٹا کر شعر و فصاحت کی طرف پھر متوجہ کرنا "سرود بمستان یا دوہانیدن" کے مترادف تھا' اس آرام دہ بدعت کو شوق سے جذب کرنے لگے' عجم نے جو عرب کے بالمقابل پہلے سے گنگ تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی پر زور تائید کی۔ عوام

نے اس راحت افزا تخیل کو مرحبا کہا' پھر کیا تھا لوگوں کی نگاہیں پر تلوں میں حمائل کی ہوئی تلواروں سے ہٹ کر کلام الٰہی کی فصاحت کے "نشتروں" پر جم گئیں' صفحہ قرطاس میدان جنگ بن گیا' قرآن کا مطالعہ رسم و تبرک کے طور پر ہوتا گیا' لوگ اس کو پڑھ پڑھ کر بالائے طاق رکھتے اور خدا کو بالائے طاق رکھنے میں ذرہ بھر نہ شرماتے' ادھر عمامہ پوش علماء نے فصاحت اور بلاغت کے فنون کو وضع کیا' صرف و نحو کے اصول ایجاد کئے' جاہلی شعراء کے کلام سے استناد کر کے قرآن کے مطالب کی تعیین اپنے زعم میں کی' قرآن کو ادبیات کی سند قرار دے کر صرف و نحو کے قواعد مرتب کئے' پھر کلام الٰہی کا مطالعہ صرف و نحو' اعراب و تعلیل' عروض و بلاغت' صنائع بدائع کا مطالعہ بن گیا' شعرائے جاہلیت کے سب دوا دین تبرکا پیش نظر ہوگئے' زیر و زبر میں مناظرے' بات بات پر شعر' رنگ رنگ میں اختلاف' سطر سطر پر کج بحثیاں امت کا شعار بن گیا' لوگ کمال مکر وریا سے انہی بحثوں کو "خدمت قرآن" سمجھتے اور عمل سے پہلے علم حاصل کرنے کے بہانے سے نفس مطلب کی طرف نہ کرتے۔ پھر کیا تھا ایک علم کو بھولی ہوئی کام چور اور بدنیت قوم کو شاعری کی سند خدا کے ہاں سے مل گئی' قرآن کا کفر خدا خدا کر کے ٹوٹا' لوگ اس شعر کے قرنوں کے بعد ماں جائے بھائیوں کی طرح ہم آغوش ہوئے' پھر وہی شاعر جو یتبعھم الغاون تھے تلا میذالرحمن (ایک موضوع حدیث) بن گئے۔ مالک زمین و آسمان شاعروں کا استاد منتخب ہوا! کسی نے روایت کے طور پر "ان من الشعر لحکمته وان من البیان لسحرا" اڑا دیا۔ کسی نے علمه البیان کی الٰہی سند پیش کر دی۔ ہر دربار میں شاعر' خطبوں اور تقریروں میں شعر' فرامین خسروی میں شعر' حتی کہ فوج کے سپہ سالاروں کی طرف خطوط لکھنے میں بھی سجع اور قافیہ کا التزام کیا گیا۔ شاہی کاتبوں کے انتخاب میں شعر فہم اور مسجع عبارت کا لکھنا خاص قابلیت تصور کی گئی۔ پھر جریر' فرزوق' اخطل' بشار' حطیہ' صریع الغوانی' ابونواس وغیرہ وغیرہ بیسیوں بے حیثیت شاعر حشرات الارض کی طرح پیدا ہوگئے۔ حریری اور بدیع الزمان وغیرہ نے نثر کو شاعری کا لباس پہنایا' ایک ایک لفظ اور جملے کو صنائع اور بدائع کی آہنی زنجیروں میں اس طرح جکڑا کہ مطالب کی روح قطعاً نکل گئی۔ سب زبان قوافی اور استعاروں کا مجموعہ بن گئی۔ ایک سیدھی سادی زبان کی حیرت انگیز قوت بیان پر اس ناروا تکلف اور آورد نے رفتہ رفتہ یہ مہلک اثر کیا کہ عرب کے لئے

کسی علمی تخیل کو بیان کرنا مدتوں تک محال ہوگیا۔ تخیل بیحد محدود، قوت بیان کمزور، علمی لغت مفلس اور اکثر بے دست و پا رہ گئی۔ بلاغت جو کسی زمانے میں عرب کی زبان کا خاص الخاص امتیازی نشان تھا ایک ادنیٰ سطح پر اتر گئی۔ آٹھ صدیوں کی مدت میں شعر قوم کی رگ رگ میں اس طرح جاری و ساری ہوگیا کہ متنبی نے شعر و فصاحت کی بنا پر نبوت کا دعویٰ کیا اور معتقد پیدا کئے۔ مکروریا کے اس تمام کذبستان عطل و جمود میں دین اسلام سرتاپا مسخ ہوگیا' توحید ایک نفع مند اور بلند عملی مرتبے سے گر کر اعتقاد اور قول کی ادنیٰ سطح پر اتر گئی۔ لوگوں نے دین کو سرتاپا قول بنا لیا! کلمہ شہادت قولی' رسولؐ پر ایمان قولی' خدا پر یقین قولی' قرآن کو ماننا' قولی' ایمان کا مطلب قولی' پیغمبروں کو تسلیم کرنا قولی' الغرض کوئی شے فعلی اور عملی نہ رہی۔ دلوں کے اندر اگرچہ ہزار در ہزار بتوں نے ڈیرے جما لئے تھے مگر توحید وہی منہ سے خدا کو ایک کہنا رہ گئی۔ جہاں احکام صریح تھے وہاں تاویل نے اپنے جال بچھا دیئے۔ صدہا صورتیں خدا کی آیات سے گریز کرنے کے لئے نکالی گئیں جہاد' ہجرت' اطاعت اولوالامر' وحدت امت' انفاق مال' مکارم اخلاق وغیرہ وغیرہ وہ سب احکام جو دین اسلام کی روح رواں حقیقت میں تھے اور جن کے باعث اسلام غالب تھا' وقتی اور مقامی احکام تصور کئے گئے۔ ان کو رفتہ رفتہ منسوخ سمجھ کر مسلمانوں نے مسواکوں اور ڈھیلوں' استنجاؤں اور ڈاڑھیوں کو پکڑ لیا' آسان اور غیر اہم باتوں کو اس قدر اہمیت دی' ان کی اصلیت کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دکھایا کہ مذہب ایک مضحکہ انگیز شے بن گیا' مشکل اور اہم باتوں پر اسقدر پردے ڈالدئے کہ ان کا کوئی خبر گیراں ہی نہ رہا۔ آج دین اسلام کی سب قولی اور اعتقادی صورت' اس کی حجت اور دلیل کا اکثر مسخرہ پن' اس کی نام لیوا امت کا اکثر زوال و انحطاط ان کی درد انگیز آہیں اور کراہیں' ان کے بظاہر دلگداز نوحے اور مرثیے اسی **یقولون ما لا یفعلون** کے گناہ کبیرہ کا نتیجہ ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ قرن اول میں توحید دین اسلام کی جان تھی۔ نبیؐ آخرالزمان اس عظیم الشان حقیقت اور دنیا میں خوش اسلوبی سے رہنے کے اس واحد اصل اصول کو لایا۔ تیئس برس کی زہرہ گداز اور جانکاہ تکلیف کے بعد اس پر عملی اور نتیجہ خیز یقین پیدا کیا اور چند برسوں کے اندر اندر تمام قوم ترقی اور امن کے آسمان تک پہنچ گئی! اس توحید کا سربمہر راز یہ تھا کہ دل کے اندر کسی ماسوا کو بت نہ بنایا جائے' کسی دنیاوی شے

سے محبت نہ ہو، کوئی تعشق، کوئی اعتنا، کسی شے کا اہتمام اس درجے تک نہ پہنچنے پائے کہ اس کے باعث اعضاء میں تکاسل اور جمود پیدا ہو۔ دل کے اندر صرف خدا بس رہا ہو، اس کے احکام کی اطاعت کا خیال غالب ہو۔ اسی کی ملازمت اور عبادت ہو، اسی کو خوش کرنے کی دھن ہر دم لگی رہے، شیطان سے تعلق ابداً" اور حتماً" نہ ہونے پائے۔ بعینہ جس طرح ایک نوکر اپنی مرضی، اپنی خواہشات، اپنی خودرائی، اپنی ہوا و ہوس، اپنی طمع و حرص کے سب جذبات کو تنخواہ دہ مالک کی مرضی کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے، اپنی رائے، اپنے آرام، اپنے نفس کو آقا کے حکموں میں دخیل نہیں ہونے دیتا، اسی قطع کی ملازمت اور عبادت کو اختیار کرنا توحید تھی۔ یہی توحید قرآن کی رو سے ایمان کی سب سے اہم شق تھی (والذین امنو اشد حبا" للہ) نہیں بلکہ یہی تعبد عین ایمان اور تمام ایمان تھا۔ صدر اسلام میں اگر اتحاد تھا تو اسی ایمان سے تھا کیونکہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کے بت، رنج اور کینوں کے بت، نفسانی مفاد کے بت، ذاتی اغراض کے بت معدوم ہو گئے تھے۔ اگر تفرقہ اور فرقہ بندیاں تھیں تو اسی ایمان اور اسی توحید کے باعث تھیں کیونکہ کسی اولیا، کسی پیر، کسی حاکم، کسی فقیر و کبیر، کسی غیراللہ کی محبت خدا کے تعلق میں دخیل نہ ہوتی تھی۔ آج تفرقہ اس لئے ہے کہ ہر ایک کا خدا الگ ہے، ہر ایک کا معبود جدا ہے کوئی محبت مال میں مست ہے، کسی کو اولاد سے عشق ہے، کوئی پیر پکڑے بیٹھا ہے، کوئی نفس پرستی اور تن آسانی کے بتوں کو پوج رہا ہے، کوئی اجنبی حاکموں کی عبادت کر رہا ہے، فاطر زمین و آسمان کے حکموں کو کوئی متنفس دل میں جا نہیں دیتا۔ جب تک توحید دلوں سے غائب ہے، جب تک غیراللہ سے تعلق اعضاء کو حرکت دے رہا ہے تب تک کسی قوم میں کسی قریے اور محلے میں کسی دو نفوس میں اتحاد محال ہے۔ لو انفقت مافی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بین ھم کی عظیم الشان حکمت کا راز یہی تھا۔ یہ خدا کی سچی اور بے ریا، پیہم اور لاشریک ملازمت ہی تھی جس نے دلوں کو جوڑ دیا تھا۔ روئے زمین کے بڑے سے بڑے خزانے، کوئی دنیاوی لالچ، کوئی فوری یا ذاتی حرص دلوں کو کسی مدت مدید کے لئے جوڑ نہیں سکتی۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی توحید یہی تھی کہ دو دلوں کے درمیان شیطان حائل ہونے نہ پائے، وہی عداوت اور تفرقے کی جڑ ہے، یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء کا حکم رکھتا ہے، خدا

اتحاد چاہتا ہے' امن اور قوت چاہتا ہے۔ الف بین قلوبکم چاہتا ہے' انما المومنون اخوۃ پر عمل چاہتا ہے' یہی عین ایمان ہے' یہی سچا اسلام اور خالص دین ہے! جہاں توحید ہے وہاں اتحاد ہے' جہاں شرک دلوں کے اندر موجود ہے۔ ایک سے زیادہ خدا بن گئے ہیں' شیطان کو خدا سے بہتر سمجھا جاتا ہے وہاں تفرقہ اور انتشار کا واقع ہونا قطعی ہے'ولا تکونو امن لمشرکین من الذین فرقوا دینھم وصاروا شیعا کل حزب بمالدیھم فرحون صدر اسلام میں اگر لوگ جانوں کو لڑایا کرتے تھے' اگر وہ جہاد بالسیف کیا کرتے تھے تو اس لئے کہ جان پیاری نہ تھی' اس کا بت دل میں نہ تھا' خدا کے بالمقابل جان کی بے قیمت متاع' ہیچ تھی' آخرت پر یقین تھا' خالق ارض و سما پر ایمان تھا' آقائے نامدار' پر اعتماد تھا' اس کے وعدوں اور انعاموں پر اعتماد تھا' اس کی سزاؤں اور دھمکیوں سے خوف تھا' قیامت کا دن' جزاؤں اور سزاؤں کا دن' مزدوریوں اور جرمانوں کا دن شمس و قمر کی طرح سامنے موجود رہتا تھا۔ اس حقیقت پر مہر و ماہ کی مانند یقین تھا کہ اس چھوٹی سی زندگی کے بعد ایک ابدی اور اخروی زندگی ہے' مسلسل آرام یا پیہم دکھ کی زندگی ہے۔ جنت الخلد یا دائمی دوزخ کی زندگی ہے! اس حقیقت کی تہ تک پہنچ چکے تھے کہ باقی سفلی مخلوق خدا کا خواہ کچھ حال ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن باخبر' باعلم' خود شناس اور صاحب ارادہ انسان زندگی کے اس بیکران اور لامتناہی سمندر پر صرف ایک بلبلہ ہی نہیں' اس کا ایک مستقل اور دائم وجود ہے' وہ ایک مشخص اور مفرد بالذات شے ہے نفخت فیہ من روحی کا مصداق ہے' مظہر خدا ہے' مجسمہ ابدیت ہے' پیکر حیات ہے' اس لئے گلا کٹوا دینے سے اس کی زندگی تمام نہیں ہو سکتی! ایک تنفس' ایک جان' ایک سانس' ایک حرکت دل کے متاع کی اس مالک زمین و آسمان کی خوشنودی کے بالمقابل کچھ وقعت نہیں! اس حاکم قاہر' اس بادشاہوں کے بادشاہ' اس خلاق شمس و قمر کی ملاقات کے بالمقابل ایک حبل ورید کٹوا دینا' ایک سر کو تن سے الگ کر دینا' ایک پانی کے بلبلے کو توڑ دینا کچھ شے نہیں'(۱) یہ ایمان بالاخرۃ تھا؛ (ان اللہ الشتری من المومنین انفسھم و

1 - مرزا غالب نے اسی مضمون کو شعر کا لباس پہنا کر اپنے قولی ایمان کا حق " جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا" کے الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اموالھم بان لھم الجنتہ) یہ خوف خدا اور تقویٰ تھا (انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم) یہ ایمان بالغیب تھا' نہ دیکھے ہوئے خدا کے ہونے پر یہ کاشف غطا یقین تھا الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلواۃ ومما رزقنھم ینفقون) یہی توحید تھی! اسی ایمان بالاخرۃ پر ان کے سعی و عمل کا تمام حصر تھا' اسی پر انفاق مال ہوا کرتا تھا۔ بیت المال کے خزانے لبالب بھرے رہتے تھے۔ "غزوہ عسرۃ" کے دن ابوبکرؓ نے اپنا سارا اثاث بیت جمع کر کے رسولؐ کے قدموں پر ڈال دیا' اگر حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال اس نیک سیرت نبیؐ کے حکم پر اٹھا لائے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ مال کا بت دل سے قطعاً نکل چکا تھا' اس کو اپنے سے جدا کرنے میں دل کو اذیت نہ ہوتی تھی' اس کو دینے میں احسان کا حس نہ رہا تھا یایھا لذین امنوالا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی توحید دلوں میں بس رہی تھی' شیطان کا کوئی دوست نہ رہا تھا' آخرت کا اجر تھا' مالک الملک کی دی ہوئی دس گنا تنخواہ کا انتظار تھا' من جاء بالحسنتہ فلہ عشر امثالھا ' جنات زمین تھے' الجنتہ کی نہریں تھیں' دنیا اور آخرۃ تھی' لقائے رب العالمین کا عشق تھا۔ اگر قرون اولی میں مسلمان اولوالامر کی اطاعت کرتے تھے' اگر وہ اپنا تن' دھن' من اپنے جلیل القدر سپہ سالارؒ کے اشاروں پر قربان کردیتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی اطاعت کے جذبے میں شیطان دخیل نہ تھا' تن آسانی اور آرام پسندی کا بت قطعاً نکل گیا تھا' اس کے حکم پر دس بیس یا پچاس کوس چلنا گراں نہیں گزرتا تھا' رسولؐ کی اطاعت خدا کی برابری کا حکم رکھتی تھی: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ' رسول کے مقرر کردہ ماتحت حکام کی اطاعت گویا رسولؐ کی اطاعت تھی' سب ان کے حکموں پر چونک اٹھتے اور دوڑ دوڑ گرتے' وہ اولوالامر مسلمانوں کو جاں کلہ تکلیف میں ڈالتے' رات دن جہاد کے فرامین جاری کرتے' جانیں بدن سے کھچ کر حلق تک پہنچ جاتیں مگر مسلمان ان کے حکم کے آگے اف تک نہ کر سکتے! اگر کوئی حکم باوجود اس مشقت اور محنت' اس خوش دلی اور خدمت قوم کے طبیعت پر فی الواقع گراں گزرتا تو طوعاً" و کرہاً" اپنی عرضداشت اپنے حاکم اعلیٰ اور خدا کے مقرر کئے ہوئے ایلچیؐ کے پاس لے جاتے' اس کے فیصلے کے منتظر رہتے مگر اپنے امیر کی اطاعت میں کچھ کسر نہ اٹھا رکھتے: فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول ان

کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر - مدتوں تک توحید کی یہی ایک شق یہی اطاعت امیر مسلمانان عالم کو دنیا میں غالب کرتی رہی! اور آج جس قوم کو یہ علم حاصل ہوگیا ہے وہ فطرت کے خزانہ عامرہ سے بے حساب انعام پا رہی ہے! حضرت خالدؓ کی اپنے امیرالمومنین عمرؓ کے حکم سے معزولی کا مشہور واقعہ ان کے حیرت انگیز یقین توحید کی وہ واحد مثال ہے جس کا مثیل سطح زمین مدتوں تک پیدا نہ کر سکے گی- الغرض اسی عملی اور نفع مند' اسی تکلیف دہ اور غلبہ اندوز توحید کی وجہ سے اسلام غالب تھا- یہی وحدت امت اور اتحاد' اطاعت امیر اور جہاد بالسیف' قربانی مال اور ہجرت وطن' ایمان بالاخرۃ اور سعی و عمل کسی شخص کے خدا پر یقین کرنے اور توحید کو ماننے کے صحیح معیار تھے- انہی کے ذریعے سے معلوم ہو سکتا تھا کہ کسی شخص کے دل پر خدا کی حکومت ہے یا شیطان کی ملازمت کر رہا ہے- یہی خدا کی سچی عبادت بلکہ عبادت' کی صحیح تعریف تھی اور یہی دین اسلام کا بنایا ہوا وہ صراط مستقیم تھا جس پر چل کر انعمت علیھم کا وعدہ ہے- وان اعبدونی ھذا صراط مستقیم- آج جس قوم کے اندر دین الٰہی کے یہ عظیم الشان اصول' یہ پیغام انبیاء کا لب لباب یہ قانون زمین و آسمان کی روح رواں' یہ خدا پرستی اور توحید جاری و ساری ہے' وہی ختم رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے قرآن کی صحیح معنوں میں مومن اور امت محمدیہ کہلانے کی اصلی حقدار ہے' آج کل کے مسلمانوں کو نبیؐ آخرالزماں کی امت کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے!

کچھ کم ایک صدی کی مدت میں جب اسلام مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گیا' ہر گروہ نے قرآن کا سہل اور حسب مطلب حصہ اپنے لئے پسند کر لیا' سب کے سب فتقطعوا امرھم بینھم زبرا" کی طرف لگ گئے' سب کل حزب بمالدیھم فرحون کے مصداق بن گئے' وہ اگلی بے لاگ اور بے ریا توحید نہ رہی' ہر ایک کا الگ خدا بن بیٹھا اور شرک صحیح معنوں میں دلوں پر غلبہ پا گیا تو فرقہ صوفیا نے قرآن حکیم کے اسی توحید کو عیاں کر دینے والے ٹکڑے والذین امنوا اشد حبا للہ کو لیا' ان الفاظ الٰہی کو غلط زاویہ نگاہ سے دیکھ کر خدا سے عاشقانہ محبت کرنے لگے' اس کا تصور معشوقوں کی طرح دل میں باندھا' گھنگھٹ لے کر اعتکاف خانوں میں بند ہو گئے' عاشقوں کی طرح سوز و گداز پیدا کیا' آہیں اور کراہیں' مجنونانہ

ولولے، بکاء و تعزیت، الغرض تعشق کے سب لازمات جمع کر دیئے، سب ماسوا کو یک قلم اور بے سعی مرام چھوڑ دیا، دنیا کی "متاع قلیل" پر ایسی بے طرح لات ماری کہ مصلاؤں پر ہوش سنبھال، مصلاؤں پر بڑے ہوئے اور مصلاؤں پر مرے! آرام پسندی اور جمود کی یہ وہ نفس فریب ہیئت تھی کہ لوگوں نے اس تخیل کو شوق سے لیا، تسبیحوں کو لے کر رام رام جپنا جہاد بالسیف اور ترک وطن، اطاعت امیر اور اتحاد امت کی مشکلات سے بدرجہا آسان نظر آیا، تیغ و خدنگ کی چبھتی ہوئی اور تکلیف دہ نوک کو تاویل کے بے دھڑک قطع و برید کرنے والے پتھر پر رگڑ کر جہاد کے معنی کوئی "روحانی مجاہدے" بنا لیئے۔ رسول خدا صلعم کی مکے سے مدینے کی طرف کی ہوئی ہجرت میں ذرا ناگوار تکلیف برداشت کرنا پڑتی تھی، اسوۂ حسنہ پر چلنے والے صوفیائے کرام نے اس سے مراد اپنے اثاث بیت سے ہجرت، فرض کر لی، حکومت اور عزت، غلبے اور شوکت کے سامان کو چھوڑ دینا سمجھ لیا۔ اطاعت رسول سروں پر سبز عمامے، رنگین کپڑے اور گلے میں تسبیحیں ڈال لینا ٹھہرا لیا۔ عبادت سے مراد وہی تغزل اور تعشق کی آرام دہ صورت لے لی، اس غلو فی الدین اور افراط و تفریط کا نتیجہ شدہ شدہ یہ ہوا کہ وراثت زمین اور دنیا میں اعلون، بن کر رہنے کا نصب العین مسلمانوں کی نگاہ سے قطعاً اوجھل ہو گیا۔ ملک یک بیک چھنتے گئے، ثغور اسلام تنگ ہو گئے، ذل و مسکنت کا ماحول سب طرف پیدا ہو گیا، حجروں میں آنکھیں بند کر کے بیٹھ رہنے کا شیوۂ زناں سیف زن مسلمانوں نے مذہبا" اختیار کر لیا، نگاہیں سعی و عمل کے بلند مرتبے سے گر کر جبن و اعتقاد کی ادنیٰ سطح پر جم گئیں! بے عملی کی اس ناکار برآر اور بے نتیجہ حالت میں عشق خدا کے اظہار کا شعر میں مبدل ہو جانا طبعی امر تھا۔ ایک ایجاب و قبول سے عاری اور نامستجاب عشق کے مریل اور کمزور جذبے کو بھڑکانے، اور دل کے اندر اس کی بجھتی ہوئی چنگاری کو گرم رکھنے کے لئے کسی بیرونی محرک کی ضرور طبعی تھی۔ شعر سے بہتر اس نظری اور قولی عشق کو زندہ رکھنے کی کوئی ترکیب نہ تھی۔ اس کا نتیجہ بالاخر یہ ہوا کہ فرقہ صوفیا کا سارا ایمان ویقین، شعر میں منتقل ہو گیا۔ ولولہ انگیز غزلیں اور ہوش ربا قوالیاں اور نعتیں خدا کی اس قولی توحید اور رسول کے اس قولی ایمان پر لکھی جانے لگیں، صوفی ان کو سن سن کر وجد میں آتے، ان کو پڑھ پڑھ کر حال کھیلتے اور اسی مضحکہ انگیز حالت کو اپنے ایمان کا آخری معراج سمجھتے۔ حافظ شیرازی علیہ الرحمتہ اس قطع

کے شعر کا موجد تھا ان کی تمام غزلیں اسی "توحید" اور "معرفت" کی چاشنی کے باعث مزیدار ہیں۔ لوگ ان کے اندر "غیب" کی آواز سنتے ہیں، ان سے فالیں لیتے ہیں، استخارے کرتے ہیں، تبرکاً سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں، ان کے مصنف کو لسان الغیب کہتے ہیں، جامیؒ، عراقیؒ، مولانا رومؒ وغیرہ وغیرہ سب جلیل القدر شعراء اس نظری معرفت کے بڑے مفسر تھے اور جو اثر ان کے اقوال کا امت اسلام کے تخیل پر ہوا، جس حیرت انگیز سرعت سے ان کے شعر نے "ایمان" اور "توحید" کی اصلی صورت مسخ کر کے دین اسلام کو اقوال کا مجموعہ بنا دیا تاریخ میں شعر کی بے مثال طاقت انقلاب کی واحد مثال ہے، شعر سے موسیقی کی طرف بڑھنا "قدمے فاصلہ دارد" کا حکم رکھتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت محمدیہؐ نے بھی اور مذاہب کی طرح ترنم کو اپنے دین کے اندر داخل کر لیا۔ صوفیا نے اس فن کو نہایت سرعت سے ترقی دی، عجیب و غریب بحریں جن کا ترنم دل کے محسوسات کو بھڑکانے میں خاص طور پر مدد دے سکے، اس مطلب کے لئے رواں کیں۔ پھر پیروں اور اولیاؤں کی مزاروں پر ان کا گانا دین اسلام کا مستقل جز بن گیا، مزاروں پر رونق اور زائروں کا ہجوم روز بروز بڑھتا گیا، لوگ ان قوالیوں کو عود بربط اور طبلوں کی تھاپ پر سنتے، سر دھنتے، عورتوں کی طرح روتے اور بے ہوش ہو ہو جاتے۔ ادھر زیارتوں کے نذر نذرانوں کا بڑی مقدار میں جمع ہو جانا بجائے خود ایک اچھی خاصی دکانداری تھی جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ سجادہ نشینوں اور پیروں کا دامن لوث زر سے بھی پلید ہونے لگا، بڑے بڑے "اولیاء اللہ" اور "خدا رسیدہ" حضرات اس ترکیب سے "پھر دنیا" کے پیچھے پڑ گئے، پیر بڑے رئیس اور دنیادار شمار کئے جانے لگے، ان کی گدیاں مستقل طور پر بنائے نزاع بن گئیں، ایک دوسرے کے برخلاف صف آراء ہو گیا، ہر ایک نے اپنا الگ فرقہ، الگ طریقت، جدا مسلک، جدا سلسلہ، علیحدہ شریعت، علیحدہ دین قائم کیا، لوگوں میں تفرقہ، آپس میں تفرقہ، ہر ایک کی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد، جدا حجرے، جدا حرم، جدا مودی خانے، جدا لنگر، جدا دیوان، الغرض دین اسلام میں شکست و انتشار کا ایک حشر برپا ہو گیا! پیری اور سجادہ نشینی اس حد تک گر گئی کہ باہمی کفر کے فتوے تو درکنار بیعت کرانے کے مکر سے عورتوں کے حلقے بنائے جانے لگے، پیر حضرات ان میں آج آتے ہیں، نظریں بھر بھر کر عورتوں کو دیکھتے ہیں، ان کے حسن و عشق سے لطف بھی اٹھاتے ہیں، مریدوں کی نظریں آسمان کی طرف

لگا کر ان کی جیبیں بھی کترتے ہیں، آپ بھی خوش ہیں، خدا کے خوش ہونے کا زعم بھی ہے، طبلہ اور ستار بھی ہے، مئے و معشوق بھی ہے، تسبیح و سجادہ بھی ہے، انتظار جنت بھی ہے، لذت وصل بھی ہے، زر بھی ہے، زور بھی ہے، زن اور زمین بھی ہے، الغرض سب طرف رنگ رلیاں ہیں، اچھا تماشہ ہے، بڑا مزہ ہے اور توحید، آہ، اس لرزہ فگن اور زمیں شگاف، اس قلعہ شکن اور آسماں پاش توحید کی یہ مٹی پلید ہو رہی ہے کہ اس کو بازار کی طوائف کسی نیک سیرت ولی کی قبر پر بیٹھی ہوئی پان زردہ کھا کھا کر گا رہی ہیں!

صوفیا کی شاعری کے انحطاط کے ضمن میں ایک اور انقلاب عالم اسلام کی اخلاقی حالت میں پیدا ہوا جس کا اجتماعی اثر اس تفریق و انتشار کے اثر سے کہیں مہلک تر تھا۔ ایرانی عشقیہ شاعری کی بنیاد حافظ، جامی وغیرہ علیہم الرحمتہ نے توحید اور اشد حبا للہ کے تخیل پر رکھی تھی۔ اس تغزل اور تعشق میں صرف خدا اور رسولؐ مخاطب تھے، حب و عشق کے لازمات اور جذبات کا اطلاق انہی پر ہوتا تھا اور خطاب کا صیغہ اشارۃ یا بدایتہ" عرب شاعری کے اسلوب تغزل کے برخلاف مذکر تھا۔ یہ تلمیحی علم ادب جب عوام میں محبوب ہونے لگا اور لوگوں کے سفلی جذبات اس کے پیدا کئے ہوئے ہیجان سے خوب بھڑکنے لگے تو غیر صوفی شعراء نے بھی متقدمین کے تتبع میں اپنے معشوق کو مذکر باندھا، اس کو ایک زلفوں اور سنبل گرہ گیر والا امرد سمجھ لیا، اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ تمام عالم اسلام میں رفتہ رفتہ امرد پرستی کی شرمناک رسم شروع ہو گئی، اس تخیل کی اشاعت سے مسلمانوں کی اخلاقی حالت نہایت سرعت سے گر گئی، اوباشی اور عیاشی کے نئے نئے طریقے مروج ہو گئے، بدمعاشی بر سربازار ہونے لگی اور ایک صدی کے اندر اندر یہ بیماری وبا کی طرح ہر طرف پھیل گئی، ایران، ہندوستان، وسط ایشیا، روم حتیٰ کہ عرب اور مصر بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے، ایشیائی علم ادب کے اندر اس شرمناک تخیل کا تداخل امت محمدیہؐ کی خدا پرستی اور خیرالامم ہونے کے ادعا پر وہ بدنما داغ ہے جس کے دھونے کے لئے ہفت اقلیم کے سمندر بھی ازبس ناکافی ہیں۔ آج اگر ممالک اسلام کے طول و عرض میں علم کی جگہ بداخلاقی اور بے حیائی نے لے لی ہے اور سعی و عمل کی جگہ جمود اور ناکارہ پن قوم کا شعار بن چکا ہے تو یہ اس امر کی مسکت اور مبرہن دلیل ہے کہ کسی قوم کے اعلیٰ جذبات کو زندہ اور برقرار رکھنے

کے لئے صحیح اور مناسب علم ادب کو رائج کرنا کس قدر ضروری ہے۔

الغرض مسلمانان عالم کے اس تمام ہبوط میں شعر کو بہت بڑا دخل تھا' شعر کے پیدا کئے ہوئے جذبات کا اثر انسان کے صرف سطحی محسوسات کو چند لمحوں کے لئے برانگیخت کرتا ہے۔ لیکن اس عارضی تموج میں قیام' یا اس کے ذریعے سے اعضاء میں مستقل حرکت پیدا ہونا محال ہے۔ انسان کے جسم کی اس چھوٹی سی اوارت کے اندر ذہن وہ عضو امیر ہے جو باقی سب اعضاء پر حکومت کرتا ہے' اس کے سب محسوسات کی پہلی اطلاع براہ راست اسی کو پہنچتی ہے اور یہی وہ رئیس اعظم ہے جس کے ہاں سے سعی و عمل کا فرمان خسروی اعضاء کے نام نافذ ہوتا ہے' جس شئے کو ذہن مسترد کر دے' اس کو بے نتیجہ سمجھے' اس میں کوئی فوری یا اخروی فائدہ نہ دیکھے' اس کے اندر کوئی منطق' کوئی صغریٰ کبریٰ نہ پائے' اس کے ذریعے سے تگ و دو کا پیدا ہو جانا از بس متعذر ہے' یہی وجہ ہے کہ جب ذہن کو کسی مطلوب کا علم اور اس کی نافعیت کا یقین ہو جاتا ہے تو وہ یقین بجائے خود محرک اعضا بن جاتا ہے۔ دین اسلام کی ہیئت جب تک نفع مند اور یقین انگیز رہی' جب تک اس کے سامنے غلبے اور تمکن فی الارض کا نصب العین علم کے زور پر قائم رہا' جب تک اس کے قانون کا علم صحیح معنوں میں علم رہا' اور ذہن اس کی منطق کو قبول کر گیا' تب تک مسلمان سرتاپا عمل بنے رہے' لیکن جب وہ ذہنی یقین دل کے ایک سطحی سے اعتقاد یا زبان کے ایک لفظی قول سے بدل گیا تو اعضا سب جامد ہو گئے۔ شعر چونکہ بالطبع علم نہ تھا' اس لئے اس نے مسلمانوں کی طبائع پر حاوی ہو کر دین کی علمی تصویر یکسر مسخ کر دی۔ افعال کو اقوال اور اعتقادات کی صورت میں بدل دیا۔ اس کی سب منطق بے دلیل اور بے نتیجہ بنا دی۔ دل کے محسوسات کو پیہم بھڑکا کر ذہن کو بے حس بلکہ متنفر کر دیا۔ آج اگرچہ عالم اسلام کے اندر شاعری کے پیدا کئے ہوئے جذبات اس قدر وسیع ہو گئے ہیں کہ سب مسلمان متفقہ آواز سے اپنی بدقسمتی پر رو رہے ہیں' سب کے دلوں میں اپنی کھوئی ہوئی عظمت کی جلن باقی باقی ہے' سب نوحوں اور مرثیوں' دعاؤں اور سجدوں سے خدا کی غیرت کو جوش زن کرنے کے زعم میں ہیں لیکن عمل اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ شاعری کے بے اندازہ غلبے نے مذہب کو ہمہ تن اقلیم اعتقاد میں بدل دیا ہے۔ جو قول ہے بے عمل ہے' جو عمل ہے بے نتیجہ ہے' نہ قانون خدا کا علم ہے' نہ سبب و اثر کی صحیح

منطق ذہنوں میں ہے۔ اگر کچھ لے دے کر باقی رہ گیا ہے تو یہی آہیں اور کراہیں ہیں اور وہ بھی اس وقت تک کہ اذا جا اجلهم لا یستاخرون ساعته و لا یستقدمون کی میعاد محکمہ قضا و قدر کے ہاں سے پوری نہیں ہوتی۔ حکومت مدت ہوئی پہلے سے چھین چکی ہے، دولت، عزت، علم، تجارت، قطعاً جا چکے ہیں، فلاکت اور مسکنت کے بادل سب طرف سے گھر رہے ہیں، جوئیں اور چیتھڑے جزو بدن ہو چکے ہیں، صرف آخری گھڑی کا انتظار ہے، جس دن وہ کڑا اور کپکپا دینے والا وقت آ پہنچا اور موت کے نقارچی نے کوچ کے نقارے پر چوٹ لگا دی اس دن ان کی یہ سب لن ترانیاں ختم ہو جائیں گی اور روحیں قبض کرنے والے خدائی جلاد زبان حال سے پکار اٹھیں گے کہ شکر ہے اس بے نیاز خدا کا کہ اس نااہل قوم کا قصہ روئے زمین سے پاک ہو گیا، فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد لله رب العالمین

شاعری کی برائیوں کے متعلق ان خیالات کے ہوتے ہے میرا آئندہ اوراق کو عوام کے سامنے پیش کرنا بہت کچھ باعث اعتذار ہو سکتا ہے۔ نہیں، بلکہ آپ شعر کہہ کر شاعروں کی مذمت کرنا ایک نقطۂ نظر سے بجائے خود یقولون ما لا یفعلون کے گناہ کبیرہ کا مصداق ہے۔ چند شعر یا ایک بڑا دیوان لکھ کر اپنے آپ کو شاعر کہلانا میری نظر میں ذریعہ عزت، ہی نہیں بلکہ باعث توہین ہے۔ میں ہر رطب و یابس شاعر کو امت اسلام کا گورکن سمجھتا ہوں، میرا یقین ہے کہ وہ شعر کہہ کر اور دل کے سطحی جذبات کو بھڑکا کر امت کے کسی عضو کو معطل کر رہا ہے۔ جمود اور ناکارہ پن کا سبق دے رہا ہے، کارکن عنصر کو بے کار کر رہا ہے، آپ بیکار بن رہا ہے، نوحوں اور مرثیوں کا مکر کر کے سعی و عمل سے بھاگ رہا ہے، خلق خدا کو دھوکا دے رہا ہے، سوتوں کو اور سلا رہا ہے، میرے نزدیک باعث عزت آج وہی اشخاص ہیں جو کام کر رہے ہیں، اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈال کر قوم کو بہتر بنا رہے ہیں، کڑیاں جھیل جھیل کر امن، دولت، عزت، حکومت کی سبیل پیدا کر رہے ہیں، وہی صحیح معنوں میں اسلام کے دعوے دار ہیں، میرا عذر آئندہ اوراق کو پیش کرنے میں صرف اس قدر ہے کہ یہ سب اس وقت کے ہیں جب میں بمشکل پندرہ برس کا تھا، آج ان کو کہے ہوئے بائیس برس گزر چکے

ہیں صرف حقائق کا ایک باب ہے جو ابھی ابھی اضافہ کیا ہے۔ جس وقت یہ رباعیات اور غزلیں کہی تھیں میں فی الجملہ شعر کے مضر اثرات سے ناواقف تھا بلکہ شاعری کو ایک ہنر سمجھتا تھا۔ بچپن سے سنتا آیا تھا کہ شاعری ایک بڑی چیز ہے' اس میں دسترس رکھنا انسان کی ایک خوبی ہے۔ قرآنی فصاحت اور بلاغت کے چرچے اس قدر ہوتے تھے کہ دل میں آتا تھا کہ جب خود خدا معاذ اللہ ایک بڑا شاعر ہے' بلیغ اور فصیح قرآن کے بارے میں فاتوا بسورۃ من مثلہ کا اعلان کرتا ہے' جب اس فاطر زمین و آسمان نے عرب کے بڑے بڑے شعراء کو شکست فاش دی تھی' ان کو شاعری میں مدمقابل بنا کر پچھاڑ دیا تھا تو شعر کہنے میں کیا عیب ہے بلکہ شاعر بننا تخلقوا باخلاق اللہ کا ایک جز ہے۔ یہ حال کم و بیش انیس برس کی عمر تک رہا۔ جس وقت طالب علمی کے مخمصوں سے فرصت ملتی ایک دو رباعیاں یا شعر کہہ دیتا اور چونکہ گھر سے صرف شعر فہمی کی تلقین ہوا کرتی تھی اور شعر گوئی کو تضیع اوقات قرار دیا جاتا تھا اس لئے حتیٰ الوسع ان کو چھپائے رکھتا۔ اس عمر کے بعد رفتہ رفتہ اس حقیقت کا طلوع ہوا کہ شعر دراصل ایک نابکار شے ہے' مغرب کے تمدن اور عمران میں شعر کہیں نظر نہیں آتا' شعراء کی انگلستان میں بے قدری' یورپ کا علم و عمل سے شغف' اس قوم کی حیرت انگیز تگ و دو' ان کا کارگاہ فطرت سے عشق' ان کا اشیائے کائنات سے حیرت انگیز طلب عمل' ان کی قانون خدا سے بڑی باخبری' ان کے اعمال کی دین اسلام کے احکام سے مماثلت' الغرض اس علم اور حکم اور نبوۃ کو دیکھ کر شعر سے بیزار ہو گیا' وہاں باوجود ایک مدت رہنے کے صرف دو یا تین نوحے لکھے اور وہ بھی اس وقت کہ اسلامی شوکت کے مٹے ہوئے نشان دیکھ کر جی بھر آیا۔ مگر شعر سے نفرت قطعاً پیدا ہو چکی تھی' اسلامی زوال کی وجوہات میں اور اسباب کے علاوہ شعر کی لت پڑ جانے کو بھی داخل کرتا تھا لیکن قرآن کی فصاحت کا عقدۂ لاینحل اس وقت دل میں کھٹک رہا تھا کبھی کہتا تھا کہ زہر کا تریاق زہر ہی ہو سکتا ہے' لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے اس لئے رب العالمین نے بھی عرب کو دم بخود کرنے کے لئے اپنا "طبعزاد کلام" پیش کر دیا ہو گا۔ قرآن کے علم و حکمت کی خبر بعد میں ملی اور وہ اس وقت جب یہ معلوم ہوا کہ علم فی الحقیقت کیا شئے ہے اور اس کی صحیح تعریف کیا ہے۔

یہ اشعار اس وقت تک نذر آتش کر دیئے ہوتے مگر کچھ مدت گذری خیال آیا کہ

اپنی کتاب "تذکرہ" کی آواز کو شعر پسند طبقے کے کانوں تک پہنچانا از بس متعذر ہے۔ قرآن حکیم کی عظیم الشان حکمت اور دین اسلام کی صحیح تعلیم سے تمام عالم اسلام قطعاً نابلد ہو چکا ہے، قرآن کو اٹھا کر دیکھنا تو درکنار اس کا ذکر کرنا بھی وجہ پسند حلقوں میں باعث عار ہے اور شاعر طبقہ تو ایسا بے طرح واقع ہوا ہے کہ شعر کے بغیر کسی کلام کو سننا گوارا ہی نہیں کرتا۔ مزید برآں اس دیباچے کے لکھنے کا خیال تھا۔ قرآن کو شعر و فصاحت کے نقیض بہانگ دہل اعلان کرنا مقصود تھا، شاعری کے عالم اسلام پر مہلک اثر کی سرگذشت بیان کرنا پیش نظر تھا اور غیر شاعر کی زبان سے یہ باتیں زیب بھی نہ دیتی تھیں، اس لئے ارادہ ہوا کہ ان اشعار کو تلف نہ کیا جائے، یہ ایک بچپن کی شاعری ہے، "ساقیا مرنج از من عالم جوانی ہست" کی مصداق ہے، اس میں اگر کسی نکتہ چیں نقاد کے خیال میں سقم ہوں گے تو ہوتے رہیں، میں کم از کم اس تحریر کے وقت مرفوع القلم تھا۔ اس خیال سے پچھلے سال چند دنوں کے اندر "حقائق" کے باب اور "تحریف اسلام" کے اشعار کا اضافہ کر دیا، جس ترتیب سے اشعار کہے گئے تھے برقرار رکھی، ان کی تاریخیں جس قدر یاد تھیں لکھ دی گئیں اور کتاب مطبع کے حوالے کر دی، اس باب میں اسلام کی صحیح تعلیم کا لب لباب اس امید پر درج کر دیا ہے کہ شعر گو اور شعر پسند حضرات قرآن کی طرف متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ وہ کیا علم و حکمت تھی جس کے باعث مسلمان اوج امن پر مشرف ہو گئے تھے۔

الغرض شاعری کے متعلق میرا رطب و یابس سب کچھ آئندہ اوراق میں ہے۔ میں نے حتیٰ الوسع کوئی کہا ہوا شعر نہیں کاٹا اور ماسوا حقائق کے باب اور تحریف اسلام کے عنوان کے کچھ نیا نہیں لکھا۔ کہیں کہیں کوئی مصرعہ بدل دیا ہے اس لئے کہ مسودے کو دیکھتے وقت پہلے سے بہتر ذہن میں آگیا تھا مگر بہ حیثیت مجموعی جو کچھ لکھا جا چکا تھا اس کو بہتر بنانا مد نظر نہیں رکھا، شاعری سے مجھے بے حد نفرت ہے اور اسی لئے اس رنگ میں اور کچھ کہنے کی امید عبث۔ البتہ اگر ان واہیات کو پڑھ کر کسی متنفس کے دل پر صرف اس قدر اثر ہو جائے کہ شاعری ایک عبث شئے ہے، کوئی صاحب علم و عمل قوم اس کا اس حد تک احترام نہیں کرتی جس قدر کہ مسلمانوں نے اس کو چھ صدیوں سے معزز مانا اور بہ تکلف اپنے اخلاق کا جز قرار دیا، اور اگر وہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد قرآن حکیم کو معناً" اور عملاً" اس خدائے عظیم کا علم و حکمت سے بھرا ہو آخری

پیغام قرار دینے لگے اور میری طرح شعر کو خیرباد بھی کہہ دے تو میں سمجھوں گا کہ اس زہر سے بھی تریاق کا کام نکل آیا اور اس چھوٹے سے داشتے نے بھی اپنی حیثیت کے مطابق بڑا کام کیا!

ادارۃ الاشاعۃ للتذکرہ امرت سر

رقم زدہ یکم رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۷/ فروری ۱۹۲۴ء

المشرقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رباعیات

ای آنکہ بیاد تو خوداز یاد شدیم
درخانہ زنجیر تو آزاد شدیم
بہ ہوائی تو بسارنگ محبت دیدیم
برباد شدیم وباز آباد شدیم

ترجمہ

یاد آیا ہے تو تو سربسر یاد ہوئے
قیدی ترے ہر قید سے آزاد ہوئے
پس کر جستجو میں رنگ الفت دیکھا
برباد ہوئے تو جا کے آباد ہوئے

اعجاز تبان تجلی جان ھم دیدیم
ازدست حنا تبان ہم دیدیم
گیریم تقاضا ست ولی طرفہ ترست
اللہ بقید لامکان ہم دیدیم

کوہ کن کہ زیاس تیشہ زد برسر خویش
لاریب زبان طعنہ زد برسر خویش
حمکین بہ بی ستون بہالیستی دید
ای کاش باوزدی کہ زد برسر خویش

ناسازی توزمن عجب داشت لزام
ناسازی من زعالم آن کردبکام
توباتو وناز وساز مشھور شدی
من بے تو شدم فتادہ صد طشت ازبام

در عشق تو این و آن نیر زیدم ہیچ
نقد دل و دین وجان نیر زیدم ہیچ
سودائی تو تابہ سنگ در سر کردم
این نقد سرگران نیر زیدم ہیچ

آمدنہ کسے بہر خریداری منا
بیند نہ کسے بجان گرانباری ما
چندانکہ گران شدیم ارزان ارزیم
کاسد شدہ وای گرم بازاری ما

ترجمہ

آیا نہ یہاں کوئی خریداری کو
دیکھا ہی نہیں جاں کی گراں باری کو
ہم لاکھ گراں ہوئے پہ ارزاں ہی رہے
اب کیا کہیں اپنی گرم بازاری کو!

آبادی من چوباد برہم نفس ست
دانم بہ ہوائے دل کہ تاراہ کس ست
از راہ کرم دمی زدن بس ہوس ست
درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

ناصح تو برو مرا گوارا ست کہ ہست
یارائی جفائی یار مارا ست کہ ہست
تو گریہ نیم شب پیری موہوم
چیزی نہ برای آن دل آرا ست کہ ہست

گہ خامشی ام تبو عذابی شدہ است
گہ از تو بخامشی جوابی شدہ است

گو ناز و نیاز پو دو تار است ولی
این جامۂ دوستی حجابی شدہ است
ترجمہ
چپ رہنا کبھی کبھی تو اک عذاب ہوا ہے
خاموشی میں بھی کبھی مگر جواب ہوا ہے
بنیاد وفا سہی، بجا سہی، ناز و نیاز
پر جامۂ دوستی ہی اک حجاب ہوا ہے

ازوشت جنون چہ بی دماغی شدہ است
فریاد کہ خانہ بی چراغی شدہ است
کاین آبلہ پائیم گلی نوبد مید
ہر خار ہزار رشک باغی شدہ است
ترجمہ
کیا دشت جنوں سے کوئی بے دماغ ہوا ہے
فریاد کہ خانہ بے چراغ ہوا ہے
ان پاؤں کے آبلوں نے گل کھلائے کیا کیا
ہر کانٹا ہزار رشک باغ ہوا ہے

شادم کہ بسوز مانوائے سازست
دردامنم وچاک گریبان رازست
مااز کف نار سائی خود میترسیم
گیریم کہ دامان تو ہر چند درازست

معشوقی وعاشقی ماراتازست
غنچہ دہنی مراخدارا نازست
یعنی کہ بناز مت مراین کم سخنی
پنہان زنیاز وآشکارا نازست

ای فتنہ! بشو بپا کہ باز آمدہ ایم
عشق ازسر نوسرا کہ باز آمدہ ایم
تواز روش خویش نہ باز آئی حیف
مارا بنگر بیا کہ باز آمدہ ایم

ترجمہ

پھر عشق کا ساز اٹھا کہ لوٹ آئے ہیں ہم
فتنہ ہو کوئی بپا کہ لوٹ آئے ہیں ہم
تو اپنی روش سے باز آیا نہیں حیف!
ہاں دیکھ ہمیں ذرا کہ لوٹ آئے ہیں ہم

در دیرو حرم جلوہ یکتائی ہست
آئینہ سان نگر دہر کہ تماشائی ہست
شیخ از ہند رود سوئی حرم گواز من
باد پیائی تو بادیہ پیائی ہست

ترجمہ

یہ دیر و حرم جلوۂ یکتائی ہے
آئینہ کا عکس ہر تماشائی ہے
یہ بات مگر شیخ کو سمجھائے کون
باد پیائی تری بادیہ پیائی ہے

صد ساز ورہ سخن بماواکردن
صدرنگ ونگاہ ناز برماکردن
این ست تکلف کرم فرمائیم
بازاز چنہ زدوست شکوہ بے جاکردن

ای آنکہ مثال خودز خود ساختنہ
ازہم چو منے بغیر پرداختنہ
خوش کردن غیر نافئی غیرت تست

حقا کہ زخویش وغیر نشنا ختہ

یا رب بجز تو کس خریدارم نیست
در بندہ نوازی تو گفتارم نیست
ہیشت چو سبک شوم گران می ارزم
یعنی کہ ز عریانی خود عارم نیست
ترجمہ
یارب تیرے سوا کوئی مرا خریدار نہیں
ہاں! تیری عنایتوں سے مجھ کو انکار نہیں
عزت ہے مری تیرے حضور ہلکا ہونا
عریانی سے اس در پہ مجھے عار نہیں

مجبور زاضطراب خوئی خویشم
محرم زدماغ یار وبوے خویشم
در عشق چہ ذقن فتادم گیرید
من تشنہ خون ابروئی خویشم

پندم مدہ اے ناصح ہشیار پسند!
آیدنہ نصیحت تو ہر بار پسند
تو زاھد خشکی ومنم تر دامن
چہ ترا نور پسند وچہ مرانار پسند

آنہا کہ سبق زشمع آموختہ اند
خود سوختہ وبزم برافر وختہ اند
وین شمع رخان زگرمی رونق حسن
افروختہ خودرا ومرا سوختہ اند

مائیم وحرار بدگمانی

تو مست خمار نوجوانی
زین پس برقیب همزبانی
یعنی انقد چنان کہ دانی

یار ازپئ آن برغم جانم نشود
ترسد کہ بہائے حسن اوکم نشود
ای خون کن دعوی فلا بعدی عشق
تذلیل کنم کہ کس حریفم نشود

حال دل ماچو سیم آب ست ہنوز
ماکشتہ شدیم واضطراب ست ہنوز
ہر کشت امل کہ وقف کردیم باب
دیدیم کہ حاصلش سراب ست ہنوز
ترجمہ
پارے کا سا پیچ و تاب باقی ہے ابھی
دل کشتہ ہوا پہ اضطراب باقی ہے ابھی
ہر چند کہ ہم نے کشت آرزو کو سینچا
حاصل میں مگر وہی سراب باقی ہے ابھی

باصد رعونت دل شیدا نشستہ ایم
نو گل شگفتہ ایم بہر جانشستہ ایم
گلزار کردہ آبلہ پائیم خار رہ
مابھر باغبانی صحرا نشستہ ایم
ترجمہ
اک کوہ رعونت ہے دل ہمارا گویا
ہاں پھول کھلائے ہیں ہر اک جا گویا
خار رہ تلوں سے گلزار کئے
ہم لوگ ہیں باغبان صحرا گویا

جان صرف بیک ناز دل بسمل ماکرد
ماآه چه گویم چها قاتل ماکرد
هر حرف الف سیلی زنهار قضا بود
زان مشق خرای که بلوح دل ماکرد

ازضعف پیش تو بتقاضا نشسته ایم
حد ادب شمار اگر مانشسته ایم
کردیم اختراع تکلف بطرز خاص
ماپیش قد تو بتولا لانشسته ایم

هان اهل صفا ازدل دلدار مجوئید
آئین مدارازلب یار مجوئید
دروادی ایمن به شب تار تجلی
آتش برگ سنگ شرربار مجوئید

گرمن آیم بسر بزم تومارا راندن
باشکر خند دوصد سوختن وتشاندن
ورتو آئی بشب ای مهر شم گردد روز
آه نتوان شودم باتو شی گزراندن

از مجلس دوست غیر راندن نتوانست
برخاست چونقش مانشاندن نتوانست
گفتم که شوم سایه قدت اما
آنهم به شب ظلم تو ماندن نتوانست

پائین رودم اشک دبهالاروا وتنم
رحمی [illegible] [illegible] بدین [illegible] [illegible]

ای وائی گرت سرد نشد دل که شب وصل
ماگرم دعایم که کن روز سیاهم

وفا ازشیوه اہل نیاز ست
تغافل ازرسوم دلنواز ست
نمک پاشیم بر زخم و بشوریم
نیاز مانمک پرور دناز ست

ای محتسب افترا به بستی حیف ست
شاید زغم مال رستی حیف ست
من توبه دل به مل شکستم نه ہنوز
تو شیشه مل بدل شکستی حیف ست

ازدرد دل غمین کس آگاه نشد
کر دیم علاج چون شفا آه نشد
چندا نکه شب فراق زلف تو بسر
بردیم به پیچ وتاب کوتاه نشد

رسوا کن راز ہائے ساز آمده است
جان پرور نغمه ہائے ناز آمده است
در چشم تو آبروئے من باز آمد
یا آب زجو برفته باز آمده است

ای مایه درد ہاست درمان شدنت!
تمہید فشار ہاست جانان شدنت!
تو وہزار رنگ یک جلوه ناز!
ماؤ جانی برائی قربان شدنت!

ترجمه

ہے درد کی اصل تیرا درماں ہونا
تمہید خلش ہے تیرا جاناں ہونا
اک جلوہ ناز کی ہزاروں شکلیں!
اک جاں کا نصیب تجھ پہ قرباں ہونا

ای حکم مقدر تو گوش ہمہ کس!
وی چاک گنہ کہ بردہ ہوش ہمہ کس!
گرید بہزار اشک چشم سوزن
ای عذر نیوش وپردہ پوش ہمہ کس!

زنہار مشو غرہ آزادی زیست
آزاد بجز خدا بگو کیست کہ زیست
چون دست چوشعلہ پیش ہر خس بستن
رسم ست چہ ارکسی چنین زیست نزیست

ای کلبہ عشق نیک برباد ز تو
وی خانہ آئینہ پر آباد ز تو
تو تیر بیفگنی وزہ ے گویم
ای داد ملورسم بیداد ز تو

یارب توبہ فضل خویش درمانم کن
پر از گل سوز عشق دامانم کن
یعنی کہ بجیب صد زبان ساز چوگل
وز پردہ سازا دغز لخوانم کن

ترجمہ
اللہ کرم سے میرا دامن بھر دے
پر عشق کے پھولوں سے یہ دامن کر دے
ہاں مجھ کو بنا کے ساز گل کی مانند

ہر پردہ ساز میں غزل خواں کر دے

جان راز برائے امتحانم دادند
دل تختہ مشق دوستانم دادند
چون نیست بد ہر چو نتو غم دور کنے
سامان غمت درخور آنم دادند

بادیدہ تماشا تو نہ زنہار کنے
خواہی کہ نظر براہ اسرار کنے
آری پس پردہ جلوہ نتوان کردن
بر بند دو دیدہ راکہ دیدار کنے

ترجمہ
آنکھوں سے نہ کوئی سیر انوار کرے
چاہے جو نظر، راز کا اظہار کرے!
جلوے کے لئے حجاب ہے پردہ چشم
ان آنکھوں کو بند کر کہ دیدار کرے

جان باختن از لہو ولعب مید انیم
جانبازی بو الہوس عجب میدانیم
تمکین نیاز بین کہ سراز قدمت
برداشتن ازسو ادب میدانیم

ترجمہ
جاں دینے کو محض کھیل گردانتے ہیں
جانبازی بوالہوس کو کب مانتے ہیں
یہ حسن نیاز ہے کہ سر اٹھانے کو ہم
قدموں سے ترے بے ادبی جانتے ہیں

در مذہب عشق شکوہ کردن عیب ست

حالم ابتر مگر عجب لاریب ست
زخم ست شکر فشان باین شور لبی
چاک ست که خنده زن بجال حبیب ست

می خور که شعار عارفان دین ست
درباز گرت دل وفاآگین ست
درمذہب ماتقیہ نیست روا
پرہیز مکن کہ عین تقویٰ این ست

بی عشق بدہر کس چسان شادبزیست
وزمخمصہائے اوکہ آزاد بزیست
برباد شد آنکہ درہوا خواہی دوست
لاریب فرشتہ بدکہ برباد بزیست

شادی وغمی بدہر ہم آغوش ست
ازہردو کنارہ کن کہ نیش نوش ست
بر ہیچ مدار وار غافل ورنہ
این چرخ بماتم تو نیلی پوش ست

ترجمہ
شادی و غمی جہاں میں ہیں دوش بدوش
بچ دونوں سے ہے لذت و غم ہم آغوش
رہ سب سے تو بے نیاز غافل ورنہ
یہ چرخ ہے ماتم میں تیرے نیلی پوش

می ہست کہ برگناہ پردہ پوش ست
ابرست کہ آبروی دردی نوش ست
ساقی ست کہ دل برد بیک جام صبوح
یار ست کہ دشمن حیاؤ ہوش ست

اسرار خدا مجو که ہم راز ست این
بین قدرت پاک او که درباز ست این
دربار گہش عقل ہمہ عقال ست
از عجز برس باو که اعجاز ست این

ترجمہ

تو راز خدا نہ ڈھونڈ اک راز ہے یہ
فطرت پہ نگاہ کر کہ درباز ہے یہ
وہ ذات بلند عقل کے وہم سے دور
کر عجز یہاں کہ بزم اعجاز ہے یہ

عشق بس مشکل وکار تو بس آسان بالیست
ای نو آموز وفاہمت مردان بالیست
عرض یک دل چہ کند ازپی سودای غمش
چون بہر جوہر حسنش رقم جان بالیست

غنچہ دہنی بگو دلم گویدچہ!
تو سرو قدی، گل اہل بویدچہ!
ای حسن ملیح تست محشر گہ شور
کان نمکی مجبستم زو یدچہ!

عشق ست وزاین وآن ہزار استغنا
ضعف ست ونزاکت آز مائی رعنا
یعنی سر ہمسری شاہد دارم
بنگر کہ رسیدیم کجاتا بہ کجا

ترجمہ

ہے عشق بھی اور بے نیازی کا گماں
یہ ضعف ہے ناز آزمائی کا نشاں!

گویا ہے خیال ہمسری محبوب!
ہاں دیکھ تو! پہنچا ہوں کہاں سے میں کہاں

محمود دلم ببیین ایازش بنگر!
ای ضعف نبر دکن نوازش بنگر!
پر سدحالم ولے ست ضعفم مانع
نازم بنگر، دگر نیازش بنگر!

یاد آن روز کہ خود درد مداوای کرد
غم یک عشق توصد کار مسیحای کرد
دل زپرہیز ونواز درد نہ محرم بودی
دیری خود غم وسیر تماشای کرد

اسرار نہان چنانکہ اندر دل ماست
یکیک بی کشف پردہ حائل ماست
در مذہب عشق رہنمون کیست کہ ہست
خود جادہ نمودہ است کین منزل ماست

بیرونِ زمحیط وہم آوازہ تو!
افزون زقیاس وفہم اندازہ تو!
یارب رخ آتشین ہلا کم کردست
غازی شدہ است ہان مگر غازہ تو!

ترجمہ

ہے حد گماں سے دور آوازہ تیرا
بالا ہے قیاس و فہم سے اندازہ تیرا
یا رب رخ آتشیں نے مارا ہے مجھے
غازی ہے مرے حق میں تو یہ غازہ ترا

دنیاے طرب ہمہ خیال ست وجنون
افسانہ عمر نیز افسون افسون
زنہار کہ گرد شے تنت گرد کند
درزیر دو سنگ آسیائی گردون

زاہد بنماز وروزہ ضبطے دارد
عابد بہ بہشت وحور ربطے دارد
ملو دلکے کہ سیل بارد شب و روز
ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

دنیا بسرا چہ دوور مشہور ست
رہرو کہ درآمدست لنگ وکورست
گو آوسرا درخت بر بند وبرو
بشتاب کہ ہان ہنوز منزل دورست

ای مست مجاز عشق میدانی چیست
وزحاصل عمر بی وفادانی چیست
من حسن گلی بخار یکیک بنیم
پس کلبہ فقرو کاخ سلطانی چیست

زاہد روزے بہ محتسب آمد و گفت
مستے بہ سیاہ دل سر رہ می خفت
کف برلب وموی سراسر آشفت
گفتنا مکن عیش کہ بگیرندت مفت

رفتیم ازین زمانہ ناکام بے
آمدنہ بدست جز ہواؤ ہوسے
ساقی کہ ہوائے بادہ میداشت بسر

صد جام زدم ولے نیا مد نفسے

ای چرخ فلک کمینه دون پرور!
از آشتی تو آتش دل خوشتر
خوش بود سر خاک مرا غلطیدن
ای خاک بسر که کرد خاکم برسر

من سبحه صد دانه بدندان بفروشم
سجاده بیک سجده جانان بفروشم
تشریف شرف به ننگ عریان بفروشم
گیرید بگیرید که ارزان بفروشم!

ازخالق خود چهار جا خواهی کرد
بس عیب تو کردی وبسا خواهی کرد
این توبه که چون شیشه مل می شکنی
این جاچونکر دی تو کجا خواهی کرد

افسانه ملومن شنیدیم بسی
دیدیم بسی سر خوش بلو هوسی
اماچو عیار مانحک کرد عیان
ناکس به کسی وناکسی رابه کسے

جان پید چو شمع سر بسرخواهم کرد
افسانه عشق مختصر خواهم کرد
برقے بزبان خامشی خواهم کرد
ابرے برواق چشم تر خواهم کرد

من دل دهم وکه گفت مقصود نه

سرمیز نم دکہ گفت مسجود تہ
مانی چوبدیدہ وصل عین ست مرا
باز این چہ کہ شاہدی ومشہود تہ

ترجمہ

دل میں نے دیا کیوں جو کوئی مقصود نہیں
ہوں سربہ سجود کیوں جو کوئی مسجود نہیں
آنکھوں میں ہے تو یہ وصل کیا کم ہے مجھے
شاہد ہو کہاں! جو کوئی مشہود نہیں

دانی زچہ بر چرخ نشان می بینی
ہر روز نہان وشب عیان می بینی
چرخ ست بمہر خور بسی غم کردہ
زانرو بہ شبش زغم تپان می بینی

تا چند بفکر پاس ننگ وناموس
آخر نشوی وقارکوہ راما نوس
ای شیخ پیالہ کہ برسنگ زنی
بنگر کہ ہمی زنم بصد بانگ کوس

ای دوست بسی غم خورد خون نوش وستیز
بیاارے آشام مگر کم آمیز
کاین کاسہ سر نگون کہ بینی برسر
گوید بزبان حال کج دارمریز

گویند کسی راچو بجنت ہوس ست
مفتاح درش قبول رنج وتعب ست
من آتش وخون خورم مدام ای ساقی
پس درخور خلد بہ زمن کیست کہ ہست

سجادہ برہن دار و جام ای ساقی
برنسیہ بہ بخش یا بہ وام ای ساقی
درحلقہ ی کشان کہ من مے نخورم
افتادہ مراطشت زبام ای ساقی

روزی زالم سران فرو خواہی دید
خون گشتہ ہزار آرزو خواہی دید
ہر بند کہ بازلف مسلسل بستی
ازخویش گستہ موبمو خواہی دید

چون ہست کنار آب وسروی بکنار
ازبہر خدادی زکف می مگذار
کج دید فلک جام حباب لب جو
بنگر کہ بیک لحظہ شکست آخر کار

در حضرت استاد ازل بودم دوش
ناگاہ زغیب آمد آواز سروش
کای دوست بدہر خانہ بردوش برو
زان پیش بخانہ ات برندت بردوش

دی شیخ کہ از حدیث زہدو تقویٰ
می کرد بہ تنگ راہ عالم برما
بنگر کہ چگو نہ گردمش مست امشب
بردرد کفم چگونہ لغزیدش پا

انا نکہ قدم بعقل ہم ددش زنند
آتش بہزار خرمن ہوش زنند

ای خواجه بیاری که دل گم شدگان
چون نیش زنند غم تو این نوش زنند

ساقی نظرے که بس دل افگارم من
در حلقه زاهدان گرفتارم من
پیو سته مرا عقوبت صوم کنند
کردم چه که این قدر گنهگارم من

ای معتقد کفاف رنج ومحنت
بالش زده بناز آن بلی وپرت
وی منکر آیه وما من دآبه
غم راچه خوری که غم خورد بیشترت

چون هست بدست شاهدو ساقی وے
کن ازی کهنه تازه رسم جم وکے
گو دوست غزل سرا وساقی می ده
دربست وشکست عشق بودن تاکے

ای شیخ کجا همجو مدام باده؟
تسبیح کجارفت وکجا سجاده؟
آخر بدرپیر مغان آمده
انگشت بلب زراه دور افتاده

ازتامده هاچه جائی جنگ ست و ستیز
وز آمده هاکجا ست یلدای گریز
بنشین قدحی پر کن وبیهوده منج
[illegible] نه تیز

حقائق

دل راز غمت قرار بہ شد کہ نشد
زخم غم عشق یار بہ شد کہ نشد
عشق از ہمہ نیک وبدبسی مستغنی ست
مارا چہ ازین کہ کار بہ شد کہ نشد

ترجمہ

غم نے دل کو قرار بخشا کہ نہیں
زخم غم عشق راس آیا کہ نہیں
بے پرواہ ہے خوبی و خرابی سے عشق
ہاں کچھ تو ہوا خوب ہوا یا کہ نہیں

دل کا رنکو کرد کہ ایوب نہ شد
عاشق بہ شد بدوست محبوب نہ شد
بد گشت چونیک، نیک بد شدمارا
کاری کہ بہ عشق شد نکو خوب نہ شد

ترجمہ

اچھا کیا دل نے کہ نہ ایوب ہوا
عاشق ہی بھلا رہا نہ محبوب ہوا
بد نیک ہوا تو نیک ہی بد ٹھہرا
جو خوب ہوا عشق میں نا خوب ہوا

مطلوب دو دزشوق ازپیش بہ پا
این ست تقاضائے سر رہ پیدا
عشق وزوصال بی نصیب امکان نیست
اسلام کجاؤ مسلم خستہ کجا!

ترجمہ

طالب سے بھی دو قدم ہو مطلوب رواں
یہ عشق کا [illegible]

ہو وصل سے دور عشق ممکن ہی نہیں
اسلام کہاں یہ مسلم خستہ کہاں

معیار عبادت ست تکلیف بجان
ای بندہ! ملازمت کجاہست آسان
کارست کلید وصل درکن درکن!
قول ست گناہ بعشق کم ران کم ران!
ترجمہ
معیار عبادت ہے فقط جاں کا زیاں
اے دوست ملازمت کہاں ہے آساں
اے کام کلید وصل کچھ کام کرو
یہ قول ملازمت کہاں عشق کہاں
خاصان خدا وبند گان افضل
تسبیح بدست بردہ قرآں بہ بغل
حالابہ تبہ کنی خود مشغول اند
ای چرخ شکن بہ مسلم زشت عمل!
ترجمہ
اب تو یہ ہوا ہے حال خاصان خدا
قرآں پس پشت ہاتھ تسبیح نما
ان بے عملوں پہ آسمان ٹوٹ پڑے
جو اپنی تباہیوں پہ خود ہیں شیدا

لب محشر شور نغمہ الا اللہ
دل بتکدہ انجمن حرص وہوا
اقرار ہمہ غلط ہمہ مکروریا
توحید کجاست بندہ ! توحید کجا
ترجمہ
ہونٹوں پہ ہزار نغمہ الا اللہ

دل بتکدہ انجمن حرص و ہوا
تو حید کہاں جناب توحید کہاں
اقرار بھی سب غلط ہے سب مکر و ریا

مسلم چہ رجا کندزرب تدبیر
نظمے، نہ امارتے، نہ امرے نہ امیر!
دنیا ہمہ پاک باخت درزعم صلاح
کلا ہمہ پاک سوخت در خوف سعیر!
ترجمہ
مایوس ہوا بندہ رب تدبیر
تنظیم و امارت ہے نہ ہے امر و امیر
اصلاح کے زعم میں جہاں بے کردار
یہ خوف جہنم میں ہے سیرت سے فقیر

تو سرورٔ عالی وسردارٔ زمین
توشافع روز محشر ستی بہ یقین
اماچہ یقین پیش خدا امت خود
تسلیم کنی مسلم بے عزت ودین!
ترجمہ
تو سرورٔ عالم تو ہی سردارٔ زمیں
تو شافع محشر ہے یقیں عین یقیں
کس طرح کہوں پیش خدا مانے گا
امت تیری یہ مسلم بے عزت و دیں

دی گفت بہ گل مسلم افسردہ زجان
کافر! خندی ومن بہ اسلام تپان
گل گفت تو اسلام من ازاسلم بین
اصلے نہ ترانہ وصل و روحے نہ روان

ترجمہ

کل گل سے کیا یہ مسلم فسردہ نے بیاں
اسلام سے میں ذلیل! کافر خنداں
گل نے کہا اسلام تو ہے اصل سے ربط
تو اصل سے دور جیسے جسم بے جاں

دنیا چہ لکد زنی تو اے صوفی خام!
فخرست خدائے رابرا فلاک وانام
دنیا چو مطیع کنی طلسمے ست حلال
ور بندہ اوشوی حرامست حرام!

ترجمہ

دنیا پہ تو لات مارتا ہے اے صوفئی خام!
نازاں ہے اس افسوں پہ خود آقائے انام
دنیا تیری تابع ہو تو یہ سحر حلال
تو بندہ دنیا ہو تو دنیا ہے حرام

بت چیست؟ نہان پیکر لذات وہوا
نے بردرد یرد یوسنگ خارا
این بت شکنی چہ سہل پرس از محمود
پرس از احمدؒ چہ سخت آن دیو ہوا

ترجمہ

بت کیا ہے مگر یہی بت حرص و ہوا
بے قدر ہیں دیر میں یہ پتھر کے خدا
یہ بت شکنی سہل ہے محمودؒ سے پوچھ
احمدؒ سے تو پوچھ سختی بت حرص و ہوا

تسبیح چہ میکنی تو اے زاہد خام!
حاشاکہ رسی ازین مقامے بہ مقام

از خلق بریدہ؟ بایں سبحہ نگر!
صد دانہ ویک رشتہ و یک نظم والم

ترجمہ

تسبیح تو کیا کرے گا اے زاہد خام
پایا ہے بلندی سے یہ پستی کا مقام
اے خلق سے برگشتہ یہ تسبیح تو دیکھ
سو دانے ہیں اک رشتہ ہے اک نظم و الم

جنت گفتی؟ کجاست جنت بہ بغل
آقائے دو کون یکی ست اے ہرزہ امل!
اینجا ندہد خذف چوبے سعی بلیغ
گوہر بخشد چگونہ بے جہد وعمل

ترجمہ

جنت کا حصول اس قدر سہل کہاں
ہے ایک جو اے دوست خدائے دوجہاں
پتھر بھی نہ دے وہ بے عمل دنیا میں
موتی وہ بغیر سعیٔ بخشے گا کہاں

آراستہ پیش خود سرا پردہ ہزار
بنشاندہ بہ ہر پردہ بتے بس عیار
زین فتنہ چو بگذرم ترا دریا بم
حجاب عجب گرفتی اے فتنہ شعار!

ترجمہ

آراستہ سامنے ترے پردے ہزار
ہر پردے کے پیچھے اک بت عیار
ان فتنوں سے گزروں تو کہیں پاؤں تجھے
دیواریں درباں ترے اے فتنہ شعار

وارستہ زبند فرقہ و لون تہ
لرزندہ بسے زمالک کون تہ
تسلیم نمے کنی و مسلم شدہ
مومن زکجا شدی چواعلون تہ

ترجمہ

فرقے ہیں کہیں تو بندش نسل کہیں
ہاں خوف خدا سے دل لرزتا ہی نہیں
مسلم ہے مگر رضا و تسلیم سے دور
مومن ہے کہاں اگر تو غالب ہی نہیں

خوش زی کہ نہ از تو یک نشان خواہد ماند
تو خاک شوی واین جہان خواہد ماند
بادے کہ زدی بخندہ آن خواہد رفت
آتش کہ زدی بہ نالہ آن خواہد ماند

ترجمہ

خوش رہ بکہ نہ کل ترا نشاں باقی ہوگا
مٹ جائے گا تو مگر جہاں باقی ہوگا
لذت کی ہوا نہ مسکرا سکے گی لیکن
اعمال کی آگ کا نشاں باقی ہو گا

مسلم ہمہ غم کہ ذکر یارے بکند
کافر ہمہ خوش بخوش کہ کارے بکند
گفتم کہ زقول فتح بابے نہ شدست
گفتا تو برو کہ رم آرے بکند

ترجمہ

مسلم کو فقط یہ غم کہ ہو ذکر خدا
کافر کریں کام سب کے سب حسب رضا
باتوں سے کہیں کھلا بھی ہے باب عروج

تو کچھ بھی نہ کر کہ رب ہے اعجاز نما

مسلم چہ خوش ست سجدہ بت را نکند
گویدنہ کسے را بجز اللہ احد
اللہ ہمہ ملک اولکافر بخشد
او گویدو مینالد وخوش میبالد

ترجمہ
مسلم خوش ہے کہ سجدہ بت کو نہ کیا
معبود بجز خدا کسی کو نہ کہا
سب ملک خدا نے دے دئے کافر کو
ناراضئی رب کو یہ رضا ہی سمجھا

چون سعی نہ کردہ قضاراچہ گناہ
عزمے نہ کنی بانگ درا راچہ گناہ
حالاچہ شود چورخت بربست اجل
قرآن چونہ دیدہ خداراچہ گناہ

ترجمہ
کوشش ہی نہ کی تو نے قضا کا کیا دوش
ہمت ہی نہ کی بانگ درا کا کیا دوش
کی موت نے بند تجھ پہ ہر راہ عروج
قرآن نہ دیکھا تو خدا کا کیا دوش

یک نکتہ بگویم اے نو آموز الست!
کو بندہ احد احد باقا گفت ست؟
توحید این ست کاریک خواجہ کنی
شرک این کہ احد گوئی وبا شیطان مست

ترجمہ
توحید یہی ہے گر تو پھر کیا کہنا

آقا کو بس ایک ایک جپتے رہنا
توحید ملازمت ہے بس اک آقا کی
ہے شرک احد کہہ کے بھی شیطاں رہنا

توحید موحد قلوب ست بسی
شرک ست مفرق کسے راز کسی
از ہم چوجد است قوم صد بت دارند
آقا چو یکے، کار یکے، قوم یکے

ترجمہ

توحید دلوں کو ایک کرنے کا ہے نام
اور شرک ہے انتشار و تفریق کا جام
ہے قوم کا انتشار بت پرست کی دلیل
اللہ جو ایک ہے تو ہو ایک ہی کام

طاعت رازے ست ازخفایائے جلی
طاعت کروست آن کہ میکرد نبیؐ
جمعے کہ مطیع اند مطاع اند بدہر
وز معشر سربریدہ جز شرنہ بری

ترجمہ

طاعت کہ ہے کائنات کا راز جلی
سنت ہے اطاعت کہ ہے معمول نبیؐ
وارث ہے زمیں کی ہر اک قوم مطیع
معشر کا جو سر کٹے نہیں شر سے بری

راہے کہ بہ منزل نر ساند کفرست
طاعت کہ حکومت نہ دہاند کفر ست
ہر عسر کہ یسرش نہ ہو یداست خطاست
اسلام کہ غالب نہ کنا ندکفرست

ترجمہ

جب راہ کہ منزل پہ نہ پہنچائے تو کفر
طاعت نہ حکومت کا نشاں لائے تو کفر
جو تنگی کہ آسانی نہ بخشے وہ خطا
اسلام اگر غلبہ نہ دلوائے تو کفر

اے مسلم نابکار ومکار اجل
بوسہ چہ زنی بنامہ عزوجل
کو بندہ کہ خواجہ خط فرستادش واو
بوسہ زندش، نظر نہ دارد بہ عمل؟

ترجمہ

اس مسلم مکارنے کیا روپ بھرے
قرآن چومے خدا پہ احسان دھرے
ہے بندگی کیا یہی کہ نامۂ آقا کو؟
چومے چاٹے مگر عمل کچھ نہ کرے

مابین دو نقطہ راست راہست یکے
مابین خدا وماپناہ است یکے
قومے کہ بیک رہ نرود گمراہ ست
بندہ است بکاریک چوشاہ است یکے

ترجمہ

دو نقطوں کے درمیاں ہے ایک سیدھی راہ
اللہ کے اور اپنے درمیاں ایک پناہ
راہیں ہوں اگر جدا تو گمراہ ہے قوم
ہو ایک چلن سب کا جو ہے ایک اللہ

اے مسلم ناشناس کیف توحید
از قال گزر، نگر بہ قرآن مجید

توحید پناه بیکس موج بلاست
توبت گر ساحلی چه یک خواہی دید؟
ترجمہ
مسلم تو ہے توحید سے محروم اثر
قرآن کو دیکھ قول باطل سے گذر
توحید بھنور میں جیسے بے کس کی پناہ
اے بت گر ساحل تجھے کیا آئے نظر

اے عاکف ناشناس انداز خدا
بر خیر و نظر کن اندرین ارض و سما
ہر پردہ حجاب جلۂ محمل اوست
گو ذرہ کہ بنی و نیابی اورا
ترجمہ
اب تک ہے تو ناواقف انداز خدا
اٹھ دیکھ ذرا غور سے یہ ارض و سما
ہر پردہ حجاب جلۂ محمل ہے
ہر ذرے کے دل میں ہے خدا جلوہ نما

خواہی کہ کنی عروس دنیا در بر
اے مرد! گذر زحب دنیا یکسر
کین فربہ عجوز ست پے شوہررا
بگذار دو میرو دپے شوئے دگر
ترجمہ
خواہش ہے تری عروس دنیا مل جائے
ہے شرط کہ دل میں حب دنیا نہ سمائے
دنیا ہے وہ بیسوا کہ شوہر ہو جو ست
یہ اور کسی جواں کا جا کے پہلو گرمائے

توحید گر لات و منات ست جهاد!
محمل بر لیلائے نجات ست جهاد!
زنده ست هر آن قوم که خوش می میرند
اے مسلم بے خبر! حیات ست جهاد!

ترجمہ

جہاد کہ ہے بت شکن لات و منات
جہاد کہ ہے محمل لیلائے نجات
زندہ ہے وہ قوم خوش ہو جو مرنے سے
اے مسلم بے خبر ہے جہاد حیات

آن عالم سرو خالق ارض و سما
دانی زچه منع شرک کر دست ترا
هر بت که بدل نهی جمود انگیز ست
دل سخت کند ست کند بس اعضا

ترجمہ

وہ عالم راز و خالق ارض و سما
کیوں شرک سے تجھ کو روکتا ہے بتلا
ہر بت ہے جہاں میں ہادی بے عملی
اور شرک دلوں کو بے بصیرت کرنا

این طرفه حکایت ست مسلم! به جهان
تورانده سگ و وارث ارض اندسگان
آن رب خدائے تست یارب کفور؟
وین ارض زرب تست یا ازایشان؟

ترجمہ

مسلم ہے ذلیل اس یہ زعم کہ ہاں
کرتا ہے زمیں کے وارثوں پہ کتوں کا گماں
اللہ ترا خدا ہے یا خدائے کفار؟

ہاں کون ہے مالک زمیں خدا یا شیطان؟

درماندہ بہ شک روی کہ توحید خدا
اعلون چگونہ می کند مومن را
این عجز تو بس زشرک توقیر بتانست
داری چونہ بت بہ دل زمین ست ترا!
ترجمہ
تو شک میں ہے جتلا کہ توحید خدا
کس طرح سے دے گی مومنوں کو غلبہ
یہ عجز ہے تیرا سر بہ سر شرک ہی شرک
دنیا ہے فقط اہل یقیں کا حصہ

اے مرد جدا کن نبیؐ راز نبیؐ
رازے زخدا دہم اگر گوش نہی
معبود و عباد چون یکے، حکم یکیست
زین پس چہ تفاوتے بہ پیغامبری
ترجمہ
اے نبیوںؐ میں فرق کرنے والے ساتھی
اک رازِ ازل کہوں ذرا سن تو سہی
جب عابد و معبود بھی ایک حکم بھی ایک
پھر کیا ہے یہ اختلاف پیغامبری

اے درس خدا بہ گوش ناکردہ بشر
دانی زصلواۃ ست چہ ات پیش نظر
یک امت ویک طاعت ویک امرو امیر
تاحزب خدا شوی وغالب یکسر
ترجمہ
اے درس خدا کو بھولنے والے بشر

مقصود خدا نماز میں یہی آیا نظر
اک امت و اک، طاعت و اک امر و امیر
تو حزب خدا بن کے ہو غالب یکسر

تو مست بہ زعم این کہ سالارِ جہان
دین داد چوپاک کرد کعبہ زبتان
من درپے دین آن کہ دل پاک کنم
زین سہ صد وشصت بت کہ دارم پنہان
ترجمہ
اس زعم میں تو مست کہ سالارِ جہاں
بت دور کئے کعبہ سے دیکر قرآں
اس دین کے در پے ہوں کہ میں دور کروں
یہ تین سو ساٹھ بت کہ ہیں دل میں نہاں

صوفی بہ خدا بماندوبے راہ بماند
مسلم پئے دنیا وزن وجاہ بماند
اوارض خدا بہشت وجنت نخرید
دین شد زخدا وبندہ شاہ بماند
ترجمہ
صوفی خدا کے قرب میں بھی گمراہ رہا
مسلم منت کش زن و جاہ رہا
محروم وراثت زمیں وہ جنت کے لئے
یہ دور خدا سے بندۂ شاہ رہا

پیران طریقت ای مرید ہشمند!
دانی بہ خدا نظر چہ کردن گویند
چشمان مرید سادہ دل سوئے سما
می کردہ، ززیر کیسہ اش می بزند

ترجمہ

یہ راز سلوک اے مرید کچھ سمجھا ہے
پیروں کا خدا پہ تکیہ کرنا کیا ہے
پیروں کی نظر مرید کی جیب کی سمت
بے چارہ مرید سوئے آسماں تکتا ہے

مسلم! زصراط مستقیمت خبرست
کزتیغ سوا تیز وز مونگ ترست
این بازی سخت کار مردان خداست
بازیچہ طفل نیست بس پر خطر ست

ترجمہ

کیا تجھکو صراط مستقیم کی بھی ہے خبر
خنجر سے سوا بال سے باریک مگر
مردوں کی طلبگار ہے یہ بازئی سخت
بچوں کا نہیں ہے کھیل یہ راہ خطر

قرآن ہمہ فطرت وزفطرت چہ مفر
اسلام جہاد ست واخوت یکسر
ازکس بجز اسلام نہ شددین قبول
قومے کہ ہلاک شد بمیرد کافر

قرآن ہے فطرت نہیں فطرت سے مفر
اسلام جہاد اور اخوت یکسر
اب دیں بجز اسلام نہیں کوئی قبول
جو قوم "ہلاک محض ہو" وہی ہے کافر

کفرست بدہر نامنظم ماندن
نے وضع فرنگ وموئے ریش استردن

اے مفتئی بے خبرز آئین ازل
برخوان دگر آیت کرٗبادٍا زمن
ترجمہ
ہے کفر جہاں میں نامنظم رہنا
تیرے لئے کفر داڑھی منڈوا دینا!
مفتی ذرا آئین ازل غور سے دیکھ
کیا شے ہے عمل کا "راکھ بن کر اڑنا"

اے مسلم بے خدا وا ے پیر پرست!
دین رازچہ داوہ بکستے بہ شکست
زینان کہ زہم دگر صف آراستہ اند
شیرازہ امت چہ خواہی بربست
ترجمہ
مسلم ہے خدا سے دور پیروں کا شکار
ہر ایک عمل ترا ہے اسلام کی ہار
ہے وہم کریں گے نظم امت قائم
ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں کے یہ خطیب و معمار

تو مست بزعم این دور رکعت بہ کنشت
مفہوم عبادت ست و تمہید بہشت
کو بندہ کہ یافت حق خدمت بہ سلام
طاعت نہ گزید و کاریک کر دو نہ کشت
ترجمہ
دو رکعت بے حضور کا زعم تجھے
جنت کے محل تری عبادت کی صلے
اجرت کی طلب فقط سلامی کے عوض
طاعت بھی نہ ہو نہ کوئی اک کام کرے

پیران زن بے پسر جوان خوب کنند
دعوی صدارت جہان خوب کنند
دردین زنقد قلب و سودائے خدا
دکان متاع دیگران خوب کنند

ترجمہ

پیروں بہ زعم کی ہے اولاد عطا
اور خوب کیا صدارت جہاں کا دعویٰ
اسلام ہے نقد دل خدا سے سودا لیکن
یہ کرتے رہے ہیں ماسوا کا سودا

اے گروہ بے زمکرو تاویل ودغل!
قرآن خدائے بے بدل سہل و بدل
مرغے کہ زگر بہ چشم بربست و بجست
می کرد چہ سہل کار خود براز اجل!

ترجمہ

تاویل سے عمر بھر فریب کا جال بنا
قرآن خدا بدل کے کیا سہل کیا
جس مرغ کی آنکھ ڈر سے بلی کے ہو بند
خود اس نے اجل کا کام آسان کیا

بس کردہ پنج شش بارکلن پیچ
اے در شش و پنج دین گرفتار مرنج!
دین ست زیک بودن و یکتا بودن
یک کردن ویک شدن تو این نکتہ بہ سنج

ترجمہ

ہاں پانچ سے بن گئے ہیں اب ہزاروں ارکاں
اے کشمکش دیں کے اسیر نالاں
ہے دین فقط ایک ویکتا ہونا

یک رنگئ اعمال ہے اعمال کی جاں

تفریق بہ دین کنی و مشرک تونہ
عشق بت چین کنی و مشرک تونہ
پیش بت اولاد وزرو پیرو کبیر
پیوستہ جبین کنی و مشرک تو نہ

ترجمہ

ٹکڑے کیئے دیں کے پھر بھی مشرک تو نہیں!
عشق بت چین ہے پھر بھی مشرک تو نہیں
پیش بت اولادو زرو پیروکبیر
سجدے کیئے تو نے پھر بھی مشرک تو نہیں

اے کردہ جدا عالم دنیائے زدین
تاچندز عسرآن باسانئے این
دین ست بدنیاز تمکن ماندن
ایمان کہ تو اعلون بمانی بہ زمین

ترجمہ

ہاں تو نے کیا ہے دیں کو دنیا سے جدا
اک رسم بنا ہے دین انجمن دنیا!
اسلام کی شرط ہے حکومت کا نشاں
ایماں کی صفت زمیں پہ غالب رہنا

گر پیر گرفتہ غضب کردستی
تفریق بہ دین بلا سبب کردستی
تقدیس وجود خاکی و ہچیرز
ہمدوش بہ ذات پاک رب کردستی

ترجمہ

پیری میں پھنسا غضب کیا ہے تو نے

ٹکڑے دیں بے سبب کیا ہے تو نے
تقدیس کے عرش پر یہ اک پیکر خاک!
بندے کو بڑھا کے رب کیا ہے تو نے

سیاسی اور اجتماعی غلبہ کا راز

اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو اس نتیجہ پر لامحالہ پہنچنا پڑتا ہے کہ قرآن کریم کا انسانی افراد کو ہر حکم اس کو جسمانی طور پر مضبوط اور ناقابل شکست بنانے کا حکم ہے۔ ہر حکم کی لم یہ تھی کہ افراد کے اس پر عمل کرنے سے تمام جماعت میں محبت اور رواداری' اتفاق و اتحاد' باہمی اتحاد عمل' امن و عدل' رحمت اور راحت' پاکیزگی اور صداقت' اعتماد اور سکون' مجاہدانہ طاقتیں اور شکست دینے والی قوتیں پیدا ہوں اور مذہب کے حکموں کی مانند قرآن نے انسان کو کسی مافوق الفطرت پر یقین کرنے' کسی روحانی ریاضتوں کو اپنا شعار بنا لینے یا گوشہ نشین بن کر خدا کو پوجتے رہنے یا دنیا کو ترک کر کے کسی "آخرت" کی اقلیم کا دھیان کرتے رہنے کے احکام نہیں دیئے۔ قران صرف دنیاوی زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کو پیش نظر رکھ کر انسان کو اس دنیا میں جسمانی اور ایمانی طور پر مضبوط بنانے کے درپے رہا صرف آنکھ سے دیکھی ہوئی اور کان سے سنی ہوئی سچائیوں کو پیش نظر رکھ کر انسان کو ان اعمال کی تعلیم دیتا رہا جو اس کے لئے اس دنیا میں مخالف قوتوں' رکاوٹوں اور مشکلات پر غالب آنے کا سامنا پیدا کر دیں اور اس دنیا کو ہی انسان کے لئے مفید ترین جولانگاہ عمل ثابت کر کے صحیفہ فطرت کو زمین و آسمان کا سب سے بڑا' سب سے سچا اور عدیم المثال کارنامہ ثابت کر دیں۔ انہی مختصر مگر لاانتہائی طور پر مفید احکام نے سو دو سو مسلمانوں کی ابتداء سے بالاخر چند لاکھ کی تعداد کو چند قرنوں کے اندر اندر روئے زمین کے ایک بڑے سے بڑے حصے پر سیاسی اور اجتماعی غلبہ عطا کر دیا تھا اور اگر آج بھی مسلمانوں کے چند صد افراد انہی احکام پر کماحقہ عمل کر کے اس طاقت کے مالک ہونے کے بعد سیاسی اور اجتماعی غلبہ کی ابتداء کر دیں تو وہ چند قرنوں کے اندر اندر عالمگیر غلبہ پھر حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت علامہ مشرقیؒ

غزلیات

۱۹۰۲ عیسوی تا ۱۹۰۹ عیسوی

مطابق ۱۳۱۹ ہجری تا ۱۳۲۶ ہجری

گرمہ بہ طلعت تو مقابل نہادہ اند
اصلے ندیدہ اندو مماثل نہادہ اند

مردم بیک اشارہ آن چشم و مردمان
تہمت بدست و بازوے قاتل نہادہ اند

ازناز جان سپردن ابلش کہ قاتل ست
بالیدگی کہ درتن بسمل نہادہ اند

اے تیغ آبدار! فزودست تشنگی
شیر ینئے کہ درلب قاتل نہادہ اند

تابہرہ زخوف ورجایک روش بریم
کشت امید مالب ساحل نہادہ اند

ازگل بطعنہ گوکہ نیرزد بہ پرشے
شورے کہ درزبان عنا دل نہادہ اند

از جنبش دو گام مژہ رہ بہ پے برند
مردان دل کہ روئے بمنزل نہادہ اند

عذرے منہ بیاکہ محبان خنجر
درزیر ہر قدم کہ نمی دل نہادہ اند

گر عشق راحیات زموت ست غم مخور
کاسانئے بہ عقدہ مشکل نہادہ اند

فرما اشارتے کہ تصدق کنند جان
کاین سر بصدقہ بت مایل نہادہ اند

اے مشرقی! زذوق طلبگار چشم دار
لیلائے آرزو کہ بہ محمل نہادہ اند

بانوائی کنداین بی سروسامانی هم
عارے آیدازین جامه عریانی هم
تازه وحشت کده تعمیر کن ای دست جنون
که مراسنگ زند طفل بیابانی هم
آسیا سان به همان دور برفتم همه عمر
حیف دیدیم نه ماگردش دورانی هم
غم توقیر عدوراند هم راه بدل
میدهی دوست اگر خدمت دربانی هم
جان وایمان ندیمان به غزای طلبی
کافر دین شده باز مسلمانی هم!
دعوی مهر غلط، اجر عبادت معلوم
هان مگر پیش تو میریم وتو میرانی هم
مشرقی عشق کجا عاشق جانباز کجا
ورنه یارست کریم آن که تو میدانی هم!

شعله روی بکف آوردم وشیدا گشتم
نارجویان من سرمازده موسی گشتم
گهی خندم گهی گریم، چه تماشا گشتم
یک نفس صحبت او کردم و رعنا گشتم
باسیه بختی خود یافتم آن عزت وقدر
جابدل یافتم وخال سویدا گشتم
ضعفم آن مدوم کرد که بی همت وسعی
من بان اوج رسیدم که بس عنقا گشتم
منم آن کشته دید تو که بی چشم وصال
عین سر تابقدم نرگس شهلا گشتم
شوق دید تو مرا نقش قدم ساخته بود
از دریار ندانم بچه یارا گشتم

هیچ یا بم نه اثر جزبه لب جان بخشت
هر قدر بهر شفاگرد مسیحا گشتم
مشرقی کیف محبت چه کنم باتو بیان
من چه گویم که چه بودم بچه مانا گشتم

وله

ای دست جنون برس بسنیه — احسان اناال تو باشد
اینک زنگاه عشوه سویم — اینک دل من دل تو باشد
قربان بتوہر که بادل و جان — آن عاشق بیدل تو باشد
آب آب و کشیده رو وحیران — آئینه مقابل تو باشد
آوارهٔ دست هر دو عالم — پابند سلاسل تو باشد
خوش آمد فرش راه چشمان — دررانده محفل تو باشد
ای مشرقی الحذر عشقی — کز خنجر قاتل تو باشد

بیابمیکده امروز شیخ خوش جائیست
مپیچ درغم فردا که کار فردائیست
نمود حسن حسیم چه یارب افتادست
که مردمک همه درعالم تماشائیست
شعار ماهمه می خوردن وطرب جستن
زمابه شیو نیان شیخ صد تبرائیست
کدام نغزادای گزشت سوی چمن
که سرورا همه اش محودر تولا ئیست
متاع جان ودلم عرض ناز او کردم
سواداوچشم مگر باز درتقاضا ئیست
وقار حسن اجازت برفتش ندهد
خرام ناز مگر باز محویغمائیست
بما حکایت خلدو سقر مکن زاهد

وجود ماز دو عالم وجود عنقاییست
اگر بدے بتو بدمست گفته است مرنج
گناه اوچه که شیدای نیمکابایست
بمشرقی تو حدشے زحسن یارگو
که عاشقے ست بهر شیوه مرد هرجائست

بگذار تاز جان دل خویش بگذریم
کز خویشتن گسته بشا هدبسر بریم
یارب! بسنگ شیشه مازن که درجهان
آواره در تلاش طرب همچو ساغریم
ای چشم ترا! زسیل نگهدار جان ما
ماپیش او عزیز تراز درو گو هریم
تاکشت مازبرق الم آب داده اند
ماخر من نشاط بیک جونمی خریم
تاواد درس عشق ادب آموز مکتبم
درناز کی طبع بشا هد برابریم
واعظ گراین همه که بکردیم منکر ست
بربانگ کوس پیش تو گوئیم کافریم
دل بردوست وجان بلب ایمان بعرض بیع
تایک نفس بروی جمال تو بنگریم
واعظ مپرس حالت زندانیان عشق
آسوده ماکه زین بدرے باز ننگریم
ناصح به عشق ذکر حدیث صلاح چیست
مانیک منتظرز همه پاک بگذریم
ای مشرقی ! درے طلب از سر نیاز
باز این بگوکه بنده سرکار آن دریم

تاز پاشنید آهم ناله راسر میز نیم

آب بررویش که تابرخیز داخگرنیز نیم
محتسب گردل شکست وشیشه ام برسنگ زد
توبه بشکنیم وما ساغر بساغر میزنیم
آنچنان رندیم کزبد مستی وتردامنی
درسقر آب افگنیم آتش بکوثر میز نیم
توچه ے خائی نو آموزاکه جان درراه گم
بار ہا کر دیم ولاف عشق کمتر میز نیم
حلقه پیرمغان وشاهد بس نوجوان
خیز کین جان رانوا برطرح دیگر میزنیم
ناصحاگرباده تلخ آتشین داروائر
جام یک پر کن که چون قندمکرر میز نیم
مشرقی ازطعنه مسلم چه شرم آید ترا
"غازی" ایم وطعنه بررب وپیمبر میز نیم

چون سوز شمع رانه سخن مختصر گرفت
هر شب ز ساز عشق زبانی زسرگرفت
از پرده تابجلوه هزاران منازل اند
این جلوه نے چویار زرخ پرده برگرفت
ای شوق پرده درسر بیچارگی بنه
مرغ هوائی راهوس بال وپرگرفت
مواج بودناله که چون بحرشدروان
حراق بودآه که چون شعله درگرفت
ازنفس واگذار که دربندگی یکی ست
گرخواجه این گزاشت وگر آنقدر گرفت
کم کن رواکه از ستم بی پناه تو
حالم چنان شدست که مجنون جذرگرفت
ای مشرقی زشهرت سودائی عشق تو
کوه کن گذاشت تیشه وکاردگر گرفت

گره به غنچه آن عشوه کام افتادست
مدد که مشکل مالا کلام افتادست
هنوز کنگره بام وصل شاهدرا
کمند نیست که مشتم زبام افتادست
بیا میکده ساقی که درغم تو مرا
سبوز خون پرو آتش بجام افتاد دست
زره چه رغبت برخاستن دهی ای شیخ
که پرده ازرخ ناموس ونام افتادست
غلام همت مستم که ازورت چند انکه
لکدزنی وبرانی مدام افتادست
کنون چه تکیه ابرباد پائی عمر روان
که ازدودست سوارش زمام افتادست
به مشرقی چه حدیث نوائی آزادی
که مرغ بی پرے هست وبدام افتادست

من که بس سوخته جان ازغم جانان رفتم
بوالهوس سوخت که چون شمع فروزان رفتم
آن شدم کشته عشق تو که بامطرب وعود
تادر گور بتابوت غزل خوان رفتم
خس بدندان بدرش رفتم وعیم کردند
که طرب ساز نواہائے نیستان رفتم
آمدم تابدر اوبصد امید قبول
که به بے عزتی ہیچ میرزان رفتم
بحرم نعره لبیک زدم کس شنید
آمدم ازدر ویرانه وحیران رفتم
آمدم برسرہم تو وراندند مرا
که چسان آمدم وباز چه آسان رفتم

کہ شد پردہ اخفائے من ننگ وجود
مرگ جویان بسر چشمۂ حیوان رفتم

...م ای عشق باقصائی تقرب نہ رسی
کہ زجان سوزن غم بستہ بدامان رفتم

رفتم وراہ نمائے رہ گم گشتہ عشق
تہنیت گوئی کہ چون شمع شبستان رفتم

ازعصائے بط می گردن سالوس شکن
تانگوئی بخود اینک رہ مردان رفتم

پاگران کرد مرا عظمت تعمیر جنون
چون بوحشت کدہ خاربیان رفتم

لوح دل داد مراتا ادب آموزازل
بہر ہر حرف تمنا بہ نیستان رفتم

مشرقی حرف غلط بود طلسمات بقا
ورنہ سردر زدہ چون بازبہ نسیان رفتم

ہجر وسوز وصل غیر، وصل وصد نگہبانی
عشق من چہ می ارزد، اے کہ عشق من دانی

زاہد تقرب جو، بحال ماتپردازد
غافل او زلذ تمائے انتظار جانانی

قبلہ مسلمان شد تبکدہ چوای واعظہ
ازمن ازچہ ناموزی نکتہ ہائی عرفانی

آہ باد پیائم طرفہ تراثر دارد
می سزد کنم گرمن دعوی سلیمانی

گربچشم حق بینی وارہی زبندغم
کاندرین شکستہا ستہاست پنہانی

ای نگارشاحد جو! پردہ ازرخت برکش
تابروی تو بینم حسن یوسف ثانی

چشم ہندویت بنگر خون خلق می ریزد

کافر انمی زیبد دعوی مسلمانی
محتسب بیک ساغر یار میکشان باشد
درد بر کفش نه تپاپائے او بلغزانی
مشرقی بالفت در سرکشی نمی شاید
خاک شود دم درکش پیش ازان که بتوانی

افسون من بجادوے چشمش اثر نه کرد
هر لحظ خون گریستم اویک نظر نه کرد
حسنت که واشت بادل من کارهازجان
کرد آن که کس معامله بااودگرنه کرد
شب حشر خون که شمع بپاکر دوخنده زد
شامت چنان گرفت که ظالم سحر نه کرد
ای دل نکوست لذت پائینده فراق
کووصل شب بسی که فلک مختصر نه کرد
یارب تو شوخ وزد نظر یک شیم نواز
کورخت صبر پاک ربو دوخبرنه کرد
بگذشت جان چنان که گذشتم بسی زجان
وان کم گزر ببین که من یک گزرنه کرد
آتش به آب زن که درین طرفه گاه بے
یک آه کرده است که صد چشم تر نه کرد
نجم وشجر زبیم ورجائیش به لرزه اند
دین هرزه کاربین که زربش حذرنه کرد
من کیستم که جان زتصدق کنم دریغ
چون مشرقی متاع دل ودین وسرنه کرد

مسلم خسته تن چه شد حشر بپانمی کند
راه زمین نمیرتد، عزم سمائی کند
هر نظرے زانجمن مانده وعزم بر شکن

ثیست کہ بازاز نگاہ کار قضائی کند
شیشہ وبزم وجام می شحنہ شکست پے بہ پے
پیست کہ توبہ نشکند طرفہ خطائی کند
عشوہ گرے کہ درزمن طرح گفنداز چمن
دل بہ گلے نمی دہد، یاد صبائی کند
مرد غیورکش ببر خفت عروس سلطنت
صحبت غیر غیر تش زلزلہ زائی کند
مرد خدا کہ کوہ راکرد چوکاہ ہیبتش
خوف خدنگ می کند خوف خدا نمی کند
محمل شاہد شہی شدز نظر بے نہان
وین عجبے فراق مست شور وعزائی کند
شہ نظرے بہ نیم جو ملک فرنگ می فروخت
خوف فرنگ می کند، شرم شمائی کند
قول وعمل بہ مشرقی ہر دو خلافت غیرت اند
این زرعایت بجے، وان زریائی کند

گفتم بہ مسلم این چہ تراختہ جان کنند
تقدیر اینچنین ست بگفتا چنان کنند
گفتم مقدر توچسان شدچنان بدہر
گفتانصیب ماست ہمین وہمان کنند
گفتم خدا نصیب چرا کردہ این، بگفت
شاہان گہے معاملہ این گاہ آن کنند
گفتم خدائے ظلم ندارد روا، بگفت
شنیدہ شہان برعیت چسان کنند
گہ خلعتے دہند بد شنام وباز گہ
رنجتند از سلام چنان کش زجان کنند
گفتم بہ سعی وجہد وعمل ہیچ سوٗد گفت
تغیر درقضانہ کسان میتوان کنند

گفتم زچیست آیہ حتی یغیروا
گفت این سخن شعور نہ بس نکتہ دان کنند
گفتم چہ مطلب ست زالفاظ ماسعے
گفت این ثواب روز قیامت بیان کنند
گفتم کہ گفت حزب خداغالب اند؟گفت
محرم بسے نہ کہ چہ تاویل آن کنند
گفتم صحابہ ازچہ جہانبان شدند؟ گفت
اے بی ادب سلام برآن انسو جان کنند
تو نام شان بری ودعائے نمے دہی
کس راچہ ہمت ست کہ اتباع شان کنند
گفتم کہ مومنے نہ اعلون چون نہ
گفت این زمان بہ مسجد ماموستان کنند
گفتم کہ شرط خلد جہاد ست گفت بود
منسوخ شدولے' علما این بیان کنند
دردین خدائے مانہ نہادست تیگے
تامردمان زشوق خودش حرزجان کنند
جنت خداے بخل نہ کردست ازکسے
اقرار باللسان بہ دل ارسندگان کنند
بنیاد دین ماہمہ بر قول ثابت ست
گر لا الہ گفت کسے درجنان کنند
گفتم نہ ثابت ست زقرآن قول تو
گفت این زمان ثبوت حدثے روان کنند
گفتم عمل چونیست زقولت چہ فایدہ؟
گفتا خموش کین سخن ازملحدان کنند
گفتم بکافران چہ دہدملک بحساب
گفتاروز حشرخود ایشان زیان کنند
گفتم کہ وارثان زمین اندصالحون
گفت این صلاح شرح زارض جنان کنند

گفتم کہ ازکلام خدا آیتے بخوان
گفت این زمان زقول خدا کم بیان کنند

گفتم کہ دین چہ داد چودنیانہ داد، گفت
اسلامیان نظر نہ بہ سودوزیان کنند

آن نقد مکہ می بفروشند دست غیر
زان پس نظر بہ نسیہ حوروجنان کنند

دنیائے دون مرست ہمان جیفہ کزد
ابراروصفیا ہمہ تن الامان کنند

تاآفریدہ است نکردہ است یک نظر
سویش خدا، کہ امثالش ہمان کنند

گفتم چہ گوئی ارض وسماباطل اند؟ گفت
قرآن نہ گوید این، علما این گمان کنند

گفتم کہ ازچہ ہست برین ارض فخر او
گفت آن کہ تانہ ہمسریش ازتان کنند

گفتم چہ کرد مگر تریٰ من تفٰوت
گفتا کہ تانہ عیب خدا کا فران کنند

گفتم چو عیب چین توشدی توکہ ای ؟ بگفت
الحق توکافری کہ بدوزخ روان کنند

کافر مرابگوئی وترسی نہ ازخدا
وان کزخدا احذر بکندوقف آن کنند

گفتم بچشم، لیک چہ بدخالق ست او
کو جیفہ آفرید وتہ حسنش بیان کنند

گفتاتو نیک بے ادبی داشدبدی
عہد فرنگ، ورنہ بدارت کشان کنند

گفتم فرنگ ازچہ باین جیفہ قابض اند
نشے زنند خوب وزپس نوش جان کنند

گفتا خموش شوکہ نیرزد بہ عابدان
کزرب قطع کردہ حدیث جہان کنند

ماقصہ زمین ہمہ بازیم پاک، تا
شہرت بہ پاکبازی خودمردمان کنند
مایان گدائے گوشہ شینیم وبخیروش
اسلامیان حکومت ارض جنان کنند
آن حکم ران نیندولے بحہ ران کہ تا
حوران زپاکبازی خودزیران کنند
گفتم کہ سبحہ راند نہ سالارؐ انبیا
گفت این عمل ملا کہ وقدسیان کنند
گفتم عمرؓ بہ گوشہ کجا سبحہ ران نشست
گفت این عمل بہ مذہب ماحنفیان کنند
گفتم کہ مذہب ست سیاست خموش ؟ گفت
شنیدہ فرنگ چسان این زمان کنند
اول زخوف دارورسن سرزنش کنند
زان پس بسوئے حجرہ زندان روان کنند
بے مصلحت تو لب مکشا کا ندرین زمان
این آن حکاتے ست کہ کم نکتہ دان کنند
اے مشرقیؔ! معاملہ صورت چواین گرفت
اسلامیان چہ ذکر غم این و آن کنند

برشہ رسان پیامے تو صباز بے نوائے
کہ گدائے شہر دارد نہ نوابجز صدائے
چہ خدا ستی کہ داری بہ زمین رواتظلم
بخداکہ می نبود ست مثل توناخدائے
کشتی شکستہ ایم، ات چہ شدہ است برنخیزد
نے شرطہ صبائے، نہ نوید جان فزائے
ناگاہ ندائے آمداز غیب کاے عنایت
توچہ الٰہی کہ بہر مسلم کنی دعائے
چہ بہ شکوہ ای کہ جانش بہ گلورسید وشادم

بخدا کہ کارم اکنون نہ رسیدہ تابجائے
من ازین بان کہ زان سان برباغش بخوابے
کہ نہ برکند سرش راونہ سر زند صلائے
نہ اخوتے نہ نظمے، نہ جماعتے نہ امرے
ا۔لنہانہ یک بتے ہست، ایمان نہ یک خدائے
نہ زذوق وصل یاور، نہ زبیم ہجر مضطر
نہ عنازکس بتے یک نہ نیک خداولائے
بہ قمار گہ ہستی آن مرد پاک باز اند
کہ باین نمط نہ بازورندے نہ پارسائے
ہمہ ذوق نامرادی، ہمہ شوق بینوائی
زچہ پرزندبداے مرغ شکستہ پائے
چہ کشود کار آنان کہ بہ پیچ وتاب شادند
چہ بہ زلف کارداردوست گرہ کشائے
مسلم حدیث ے جو وبہ مشرقی زمن گو
بہلم کہ لرزد عرشم زنوائے جانگزائے

متفرقات

جفا ناکرونی کردی سخن ناگفتنی گفتی
سرت گردم تغافل راعلاج آسان چسان کر دی
بگفتی راز الفت پوش، گفتم رائے زلفت گوش
جواب ازر-سمان وادم سوال از آسمان کر دی
اگر از گردش تسبیح حور عاشق شود ناصح
غلط گفتی عجب گفتی خطا کر دی زبان کر دی
بہ پیش بوالہوس گفتی کہ می میری چو میرا نم
چہ بد عہدی کہ ایغالیش بان نامہربان کر دی

آنان کہ طول عرنش بازلف ہمسری کرد

در درگه قبولشگو مختصر بیایند

ساقی بدست مستت ده جام مئی پیاپے
گونا صحان به پندم خود سرد بریٰایند

نشان تیر مژگانت کند آنجگاه دلہا
که نار عشوه امت اندر جهان صد خان و مان سوزد

مابدین منت تیغ تو چرا سر نه نہیم
که تواز کاوش٠ آن تیغ به ما آمدهٔ

تذکرہ

میرے تذکرہ کی لم کو ابھی چاہئیں زمانے
کہ میں اب تک اس کے پیچ پر خود محو حبذا ہوں
نہ کہیں مفر زمین کو میرے حل عقدہا سے
میں بیاض چیستاں پر سر حرف مدعا ہوں

(دہ الباب) حضرت علامہ المشرقیؒ

باپ کی دعا!

"میرے والد بزرگوار مذہبی' ادبی اور صاحب تالیف و تصنیف تھے' میرے اونچے خیالات سے پورے طور آگاہ نہ تھے اس لئے زیادہ مطمئن نہ تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کی دولت میری تصنیف "تذکرہ" کی طباعت میں ضائع جا رہی ہے۔ میں نے "تذکرہ" سب سے چھپا کر لکھا اور طبع ہوتے پہلی جلد والد صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ والد صاحب نے مسلسل پڑھنا شروع کیا۔ اور جب ختم کر چکے تو خلاف عادت میرے کمرہ میں یکایک گھس آئے۔ مجھے ڈر ہوا کہ خدا جانے کیا آفت آجائے۔ مگر آتے ہی مجھے گلے سے لگا لیا اور فرمایا بیٹا! تمہاری یہ کتاب قیامت تک رہے گی۔ اب مجھے اطمینان ہوگیا کہ میری کمائی خیر ہوگئی"

حضرت علامہ مشرقیؒ

تھدیہ الی اللہ عزوجل

میں سب سے بڑے حاکم آسمانوں اور زمینوں کے خالق خدائے عزوجل کی خدمت گرامی میں اپنا ناچیز ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ پروردگار! آپ کے حضور میں ایک انوکھی چیز لایا ہوں، ان چیزوں میں سے جو تو نے مجھے ارزانی فرمائیں۔ میرا دل اس خیال سے ہراساں ہے کہ میں تیرے پاس واپس آنے والا ہوں اور تو مجھ سے میرے اعمال کی نسبت باز پرس کرنے والا ہے۔ تو میری سعی و کوشش کو قبول فرما۔ میرے تدبر میں صلاحیت پیدا کر اور میرے دل کو اس کی برکتوں سے استقلال اور ثبات سے بہرہ اندوزی عطا فرما۔ لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ چیز تیری جناب سے عطا ہونے والی حقانیت اور صداقت کے تحت ہے اور اس کے زیر اثر ان کے دل تیری اطاعت شعاریوں کا کلمہ پڑھنے لگیں۔

پروردگار! تو اب بھی مسلمانوں کی اصلاح و درستی اور اپنے نور سے ان کی رہنمائی کا اسی طرح بندوبست فرما جیسا کہ تو اس سے پہلے ان کی ہدایت اور اصلاح کے سامان بہم پہنچاتا رہا۔ پروردگار! وہ ایک نادان قوم ہے۔ پروردگار! تو نے مجھے خبر دے دی ہے کہ وہ جلد ہی ہلاکت سے دوچار ہونے والے ہیں پھر میں ہی ان کی مخلصی کے لئے تیرے نور کی ایک اہم اطلاع ان کے پاس لایا ہوں۔ پروردگار! انہیں اتحاد و ائتلاف کی نعمت سے مالا مال کر دے اور ان کے افتراق کو اتفاق سے بدل دے اور ان کو ان لوگوں کے سیدھے راستے پر چلا جو نہ تو تیرے غضب اور ناراضمندی کا نشانہ بنے اور نہ گمراہی کی آسودگی سے ملوث ہوئے۔

(التذکرہ جلد اول)

حضورِ رسالتمآبؐ میں نذرِ تحسین

خاتم الانبیاء اور سرور کونین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس و اعظم پر ہمارا صلواۃ و سلام ہو جو داعیانِ خیرو اتقا کے امام اور تاریخ انسانی کے مقنن اعظم ہیں کہ ان کی وساطت سے ہمیں قرآن عظیم کا وہ ضابطہ حیات بخشا گیا جس کے صدقے میں ان کی قوم رشد و ہدایت سے بہرہ ور ہوئی اور ایک دردناک مصیبت سے نجات پاگئی۔ اس قوم کے لئے وہ ایک جنت نعیم کی وراثت چھوڑ گئے اور اسے خدا کی زمین پر تمکن اور غلبہ عطا فرما گئے۔ اس حکیم ربانی نے ان کی بے بسی اور بے چارگی ایک قوت محکم میں بدلدی اور خوف و ہراس کی کم نصیبی سے بچا کر مقام امن تک پہنچا دیا۔ نافرمانوں کی اکڑی ہوئی گردنیں بار گاہ خداوندی میں جھک گئیں اور ان کے فکر و عمل کی وسعتوں میں دین حق کا تخت اجلال بچھ گیا۔ وہ اسی بار گاہ جلیل سے تائید و نصرت پانے لگے اور اسی جبل متین سے ان کی وحدت و اخوت کے رشتے بندھ گئے۔ انہوں نے گزر گاہ حیات پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوش قدم کو نشان راہ بنا لیا۔ ہاں! اس پیشوائے انسانیت پر ہزاروں سلام جسے خدائے عزیز و علیم نے تحسین و تبریک سے نوازا۔ حق تو یہ ہے کہ حضورؐ کو علم و نبوت میں معراج کمال حاصل ہوا اور خدا کے ہاں اکرام و اتقا میں افضل ٹھہرے۔ یہ بطل جلیل کار گاہ عمل میں اپنی عظمت کے جو نقوش چھوڑ گیا وہ کسی دوسرے فرزند آدم سے ممکن نہ ہوئے۔ وہ جادۂ حق پر اس مضبوطی سے متمسک رہے کہ اس کے صدقے میں مقام جلیل پر فائز ہوئے۔ دنیا میں وجاہت و ابدیت اور آخرت میں اجر عظیم سے مشکور ہوئے۔(عربی افتتاحیہ ص ۳۔۴)

تری لولاکی عیاں ہے ظلمتیں سب مٹ گئیں
بے بصر دنیا تھی تجھ بن اے جبال سروری (المشرقیؒ)

تذکرہ کی تصنیف کن حالات میں شروع ہوئی

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہندی مسلمانوں کی حالت قوم بنی اسرائیل سے کسی طرح مختلف نہ تھی۔ شجر ملت کی ہر شاخ پژمردہ ہو چکی تھی۔ مدت ہائے دراز کی غلامی اور محکومی سے حوصلے پست اور ہمتیں کمزور پڑ چکی تھیں۔ قوم راکھ کا ایک ڈھیر تھی جسے مخالف طاقتیں جدھر چاہتیں اڑائے پھرتی تھیں۔ تسبیح کے دانوں کی طرح بکھری ہوئی امت یوسف بے کارواں کی طرح اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہی تھی۔ اسے نہ منزل کا سراغ تھا اور نہ ہی نصب العین کی خبر! مسلمان بھول چکا تھا کہ اسے ربط ملت کی تعلیم دی گئی تھی جو راز زندگی ہے۔ اس راز زندگی کی نقاب کشائی کے لئے نقیب فطرت حضرت علامہ عنایت اللہ خان المشرقیؒ نے جن حالات میں "تذکرہ" کے ذریعے قرآن حکیم کی اپنے اصلی رنگ میں بے مثال اور بلند پایہ تفسیر اور پیغام آخیر دیا اس کی تفصیل ان کی اپنی ہی زبان سے سنئے:

"اس اپنا الو سیدھا کرنے والوں اور تمام باقی دنیا کو الو بنانے والے ملانوں کی اس ہلاکت انگیز تعلیم کے اثر کو دنیائے اسلام سے جلد از جلد دور کرنے کے لئے میں نے ۱۹۲۰ء میں جبکہ یہ لوگ کانگریس کی ملی بھگت سے قوم کا پچھتر لاکھ روپیہ بے ڈکار ہضم کر کے اور پچیس ہزار انسانوں کو بغیر کسی بلاوے کے افغانستان میں بے یار و مددگار موت کے منہ دھکیل کر آپ اسی سرزمین ہندوستان میں گاؤ تکیہ لگائے اپنی مونچھیں پونچھ رہے تھے، قران حکیم کی تشریح میں ایک کتاب لکھنے کا عزم کیا۔ میں قرآن حکیم پر غور و فکر اس وقت کم از کم سترہ برس سے کر رہا تھا اور جو کچھ اس کتاب عظیم پر لکھا جا چکا تھا مطالعہ کر کے اپنے نتائج پر پہنچ چکا تھا۔ یہ سماں اگست ۱۹۲۰ء کا ہے جبکہ یہ پچیس ہزار انسان مولویوں کی بتائی ہوئی "ہجرت" کر کے لنسو منمم حسننته فی الدنیا کے خدائی وعدے کے خلاف، تمام گھر بار پھونکنے اور کشتیاں جلا دینے کے بعد تین مہینے کے اندر اندر ان قوم کش ملاؤں کی جرنیلی میں افغانستان سے سر جھکائے واپس آ رہے تھے۔ کابل سے لے کر درہ خیبر تک اور تمام

پہاڑیوں میں گرداگرد لاشوں کے پشتے لگے تھے۔ زمین کے شگافوں سے چیخیں نکلتی تھیں۔ معصوم اور کنواری لڑکیاں جن کے چہروں کو خدا کے سورج کے سوا کسی نے نہ دیکھا تھا، عاجزی اور بے کسی کے عالم میں سڑکوں پر پڑی تھیں اور ان کے بدن پر چیتھڑا تک نہ رہا تھا۔ میں نے خود اپنے کانوں سے ایک اٹھارہ برس کی بچی کو کہتے سنا کہ "الٰہی! موت دے دے۔" کیونکہ اس عصمت کی دیوی کو نہ صرف رستہ کے ڈاکوؤں بلکہ دشمن کے مقرر کردہ ہم سفروں سے اس لئے خطرہ تھا کہ اس کا بوڑھا والد سفر کی تکان کی وجہ سے سڑک پر دم توڑ رہا تھا۔ تین بھائی بہنیں سب خوبصورت اور جوان ساتھ تھے، ان کا اسباب گدھوں پر تھا جن کو ایک ایک بچہ ہانکتا تھا۔ میں سب کو موٹر میں بٹھا کر دو گھنٹے کے اندر اندر گھر پہنچا دیتا لیکن وہ گدھوں کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے اور کہتے تھے گھر کہاں لے جاؤ گے۔ گھر گیارہ ہزار کا چار سو میں مہاجن نے لے لیا۔ اب ہمارا گھر یہی گدھے ہیں، ہم گدھوں کے بغیر کہیں نہ جائیں گے۔ میں اس وقت پشاور سے ۴۰ میل کے فاصلے پر تھا اور شام کے چار بج چکے تھے۔ میری بیوی ساتھ تھی اور اس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ گرداگرد سب "مہاجرین" تھے، کوئی کسی کی نہ سنتا تھا اور ایک قیامت برپا تھی۔

میں نے آخرت کا سماں وہاں دیکھا اور فوراً اذا جاء وعد الاخرہ یسوء وجوھم کا مفہوم میری آنکھوں کے سامنے صاف پھر گیا۔ مشہور شاعر ڈاکٹر اقبال نے اپنے ایک شعر میں بتلایا ہے کہ جس معرکے کا غازی ملا ہو اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ میرے سامنے اس دن دہلی کے ان نابکاروں کی تصویر عفریت سے زیادہ مہیب تر نظر آتی تھی جنہوں نے قرآن کو دام تزویر بنا کر سچے ایمان والے اور خدا کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے والے مسلمانوں کو قرآن حکیم کی حکمت کے صریحاً خلاف اور اس سے کامل ناواقفیت کے سبب ہزارہا کی تعداد میں ہندوستان سے ہجرت کرنے کا فتویٰ دیا تھا۔ میں دل سے پوچھتا تھا کہ یہ علم قرآن کے دعوے دار قرآن کی کون سی سطر پڑھے ہوئے ہیں؟ ان کو دین اسلام سے مس کیا

ہے؟ انہوں نے دنیا کی کون سی مہم سر کی ہوئی ہے؟ کون سا دس اینٹوں کا قلعہ فتح کیا ہے؟ کون سا چھ انچ لمبا چاقو ہاتھ میں پکڑا ہے کہ یہ بیس ہزار انسانوں کی ہجرت کا فتویٰ اس وقت دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی ہر حرکت میں پچھلے کئی سو برس سے نفس اور شیطان کار فرما رہا ہے اور اس وقت بھی یہی حضرت کام کر رہا تھا۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا' غرض یہ ہے کہ میں نے اس قیامت اور دنیا ہار کر مسلمان کی آخرت کی فکر کو دیکھ کر "تذکرہ" لکھنا شروع کیا۔ میں چونکہ قرآن کے غائر مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ مولوی اور ملا کا تمام بنایا ہوا مذہب غلط ہے اور ان کے دماغ میں اس مسلک کے سمجھنے کی استعداد ہی نہیں رہی جس کو خدا کا آخری نبیؐ اس زمین پر تیرہ سو برس پہلے لایا تھا' اس لئے میں نے "تذکرہ" کو ایسی سخت دقیق اور مغلق عبارت میں لکھا کہ کم از کم ہندوستان کا بڑے سے بڑا مولوی اس کی ایک سطر کے مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور اگر لیاقت کے اس بلند معیار پر اس کا علم پورا اترتا ہے تو قرآن حکیم کی آخری تہہ تک جلد از جلد پہنچ سکے۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ ہندوستان کے ہزاروں بلکہ لاکھوں قابل مگر دنیادار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ "تذکرہ" کو اگر پہلی بار نہیں تو کم از کم متواتر مطالعے کے بعد خوب سمجھ سکیں گے اور "تذکرہ" ہوشمند انسانوں کی دنیا میں فی الحقیقت ایک تہلکہ مچا دے گا۔ میں جانتا تھا کہ قومیں کتابوں کے لکھنے سے اٹھا نہیں کرتیں لیکن کم از کم ذہنی قیامت کی یہ تمہید ضرور تھی۔ خدائے عزوجل کا شکر ہے کہ میرا اندازہ صحیح ثابت ہوا اور "تذکرہ" نے دین اسلام کے متعلق ذہنوں کی اقلیم میں صور اسرافیل کا کام دیا۔ چار برس کے اندر اندر "تذکرہ" دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا اور بڑے سے بڑے اسلامی بادشاہ سے لے کر بڑے سے بڑے دینی عالم تک ہر شخص نے اس کا خیر مقدم کیا۔"

حضرت علامہ المشرقی کی مشہور عالم تصنیف "تذکرہ" چھ سو صفحات کی بڑی تقطیع پر مشتمل ہے۔ یہ ایک مایہ ناز علمی شاہکار ہے جس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ

قرآن--- انسان کے نام خدا کا آخری پیغام اور حکم نامہ خدا ہے اور یہ کتاب "قانون خدا" جس کو وہ دین فطرت کہتے ہیں کی مکمل شرح ہے۔ "تذکرہ" کے ابتدائی ۱۴۴ صفحات عربی زبان میں ہیں۔ اس میں ان کے نظریے اور مرکزی خیال کے خد و خال نمایاں ہیں۔ حضرت علامہ دنیا بھر میں پہلے مسلمان سکالر ہیں جنہوں نے دلائل و براہین کی کسوٹی پر پرکھ کر دین کو علم ثابت کیا اور تحقیق و تنقید کے ناقابل رد دلائل سے واضح کیا کہ یہی قانون فطرت ہے۔ انہوں نے مذہب اور اس کے بتائے ہوئے خدا' نبوت' جنت' دوزخ' ملائیکہ' آخرت وغیرہ وغیرہ سے متعلق وہ تمام انسانی تصورات اور مضحکہ خیز و بے بنیاد خیالی عقائد کی قرنوں سے تعمیر شدہ سربفلک عمارات کو قرآن ہی کی محکم سندات اور بین آیات کی روشنی میں اپنے ناقابل تردید زور بیان اور الہی دلائل و براہین کے کدالوں سے پیوند زمین کر دیا۔ برعظیم ہند اور دنیائے اسلام کے صاحب علم مسلمان "تذکرہ" کی عمیق اور انقلاب انگیز فکر کو پا کر عش عش کر اٹھے اور اس کی مسجع و مقفی زبان اور ندرت بیان کے سحر پر مرمٹے۔ بعض جاہل' تنگ نظر اور بے علم ملاؤں نے اپنے روایتی انداز میں مصنف پر انکار اسلام کے الزامات لگائے اور کفر کے فتوے صادر کر کے سمجھ لیا کہ انہوں نے دین اسلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دے ڈالی ہے اور اللہ و رسولؐ کی خوشنودی حاصل کر لی ہے اور اب وہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ لیکن ہوشمند اور دنیا کے چوٹی کے عالم اور عالمی شہرت کے حامل دانشور "تذکرہ" کے ظاہری اور باطنی محاسن پر اس قدر فریفتہ ہوئے کہ انہوں نے اسے قوموں کی تعمیر کا حتمی اور بے خطا' کامیابی کا ضامن اور عالمگیر قانون قرار دیا۔

اسلامی دنیا میں جو ذہنی اور سیاسی انقلاب ۱۹۲۴ء کے بعد سے ہوا اور اب تک ہو رہا ہے کلیتہ" ان مسلمان سربراہوں کی طفیل ہے جن کے پاس تذکرہ تھا۔ ہندوستان میں جو رنگ ہر قماش کے اسلامی لیڈروں' مقرروں' محرروں یا شاعروں نے اختیار کیا یقیناً اسی کے مطالعہ سے تھا۔ بڑے بڑے مصنفوں اور مفسروں نے اس سے استفادہ کیا اور آج جو کچھ قرآن اور اسلام کے متعلق کہہ رہے ہیں اسی "تذکرہ" سے جھلک لے کر کہہ رہے ہیں اور اسے لاکھ پردوں میں چھپائیں چھپ نہیں سکتے۔ ہندوستان کے ایک بڑے اور مسلم عالم دین نے جوش عقیدت سے لکھا کہ "تذکرہ" کے بعد قرآن کی تمام تفسیریں جلا دی جائیں تو بہتر ہو گا۔ دس سال کے بعد اپنی ایک نئی کتاب کا نسخہ

علامہ صاحب کو بھیجا اور خط میں لکھا کہ یہ اسی خرمن سے کچھ خوشے لے کر لکھی گئی ہے لیکن اس صریح آواز کے باوجود اس کتاب کے اندر یا دیباچے میں "تذکرہ" کا ذکر تک نہ تھا (الاصلاح ۹ جون ۳۹ء)

حضرت علامہ المشرقی ؒ نے "تذکرہ" میں واضح کیا ہے کہ قرآن حکیم (جو اپنے الفاظ کے لحاظ سے قطعی طور پر محفوظ ہے) امتوں کے عروج و زوال کا ایک عالم آراء قانون ہے جو سب قوموں پر حاوی ہے اور پہلے مذاہب بھی اسی قانون کے ابتدائی ٹکڑے تھے جو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے انسانی شعور کے مختلف مراحل میں انبیاء کی وساطت سے بنی نوع انسان کو دیئے گئے۔ اس نقطۂ نظر سے سب انبیاء کا پیغام ایک اور مسلسل تھا اور اس کا مقصد انسانی قوموں کو ان کے زمین پر قائم رہنے کا قانون بتدریج واضح کرنا تھا۔ تذکرہ کے دیباچہ (ص ۳-۴) میں آپ فرماتے ہیں کہ "میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغامبرؑ جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام لائے تھے۔ انہوں نے اس کارخانہ جہاں کو ایک ہی چشم تحیر سے دیکھا تھا۔ وہ انسان کی حیران کن مخلوق کو ایک ہی مقام بلند سے دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔ حیرت کی بجلیاں اور علم و خبر کی سنسنیاں ان کے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوئی تھیں۔ وہ اس سوال میں محو تھے کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور کیوں ہے؟ اس محویت اور عشق کے پردہ شکن اضطراب میں حجاب آرائے حقیقی نے چلمن کی آڑ میں جھلک دکھلائی اور کچھ کہہ کر پھر او جھل ہو گیا۔ لیکن جو کہا وہ سب ایک تھا، نوائے ساز ایک تھی، بوسہ بہ پیغام ایک تھا، چشمک ناز ایک تھی، کلمہ راز ایک تھا! جب تک یہ محرم اسرار لوگؑ اس دنیا میں رہے اس راز کو برملا کہتے رہے۔ سولی پر چڑھ چڑھ کر اور رسوا ہو ہو کر خلق خدا کو آمادۂ عمل کرتے رہے۔ سب کو ایک نصب العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے۔ لیکن جب ناحقیقت شناس اور ناجلوہ آشنا لوگوں نے اس کام کو سنبھالا تو لوگوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا! پیغام خدا غلط سنا کر اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر دیں! آج سطح زمین پر خدائے قاہر کا منتقمانہ عذاب اکثر اسی ضد اور بغاوت سے ہے۔ یہ تنگ ظرفی کی چڑ اور نابلند بینی کی ضد ہی ہے جس نے دنیا کو اکثر قصاب خانہ بنا رکھا ہے اور اگر چندے یہی حال رہا تو نسل انسانی کا خدا حافظ ہے۔

پس مذہب کی ضد فی الحقیقت جہالت اور ناشناسی کی ضد ہے۔ کم نگہی اور

تنگ حوصلگی کی ضد ہے۔ نسیان درس اور انسانیت کی ضد ہے۔ علم اور نبوت کی ضد قابتہ" نہیں! علم جہاں ہوتا ہے اتحاد و اشتراک پیدا کر دیتا ہے' حفظ و امن اور سعی و عمل پیدا کر دیتا ہے' اس کے بالمقابل مخالف کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی' اس کے ہوتے ہوئے جدال ناممکن ہے' شقاق متعذر ہے' جمود محال ہے' دو مخالف فریق آج تک اس بات پر نہیں لڑے کہ پانی سیال نہیں' آگ ٹھنڈی ہے' یا بوجھل شئے آسمان کی طرف گرتی ہے اس لئے کہ سب کو ان کے متعلق علم ہے۔ سب نے حقیقت کو برائی العین دیکھا ہے۔ سب ان کے اثر کو ہر وقت اور بہرحال مشاہدہ کر رہے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح اگر روئے زمین کے تمام مذاہب علم کی کسوٹی پر پرکھے جائیں' اگر ان کی اصلیت اور تعلیم بھی علم کے معیار پر آزما کر الم نشرح کر دی جائے' اگر ان پر سے بھی وہ تمام رسمی غلاف جو جہل و نسیان سے لوگوں نے ڈال کر ان کی حقیقت کو مسخ کر رکھا ہے الٹ دیئے جائیں اور اس مشترک اساس' اس حقیقت مجردہ اور اس نفس الامر کی طرف رجوع کیا جائے جو فی الحقیقت ادیان عالم کی سنام اور ان کا صدق بسیط ہے' جس پر ہر جا اور بہرحال عمل ہو رہا ہے' جس کو ہر شخص بچشم خود دیکھ رہا ہے' جس کو علم نبوت نے عیاں کر کے سب کو متفق علیہ کر دیا تھا' تو آج ہی نسل انسانی متحد اور متفق العمل اسی طرح پھر ہو سکتی ہے جیساکہ ابتدائے آفرینش میں تھی' آج ہی سب مقاتلے پھر بند ہو سکتے ہیں' زمین کی سب بگڑی پھر بن سکتی ہے۔"

میری پیش کش

کیا تفسیر کے اس ظلمت انگیز چراغاں کے ہوتے ہوئے میں بھی فی الحقیقت آئندہ اوراق میں اپنی خوش اعتقادی کا ایک اور دخاں خیز دیا لے آیا ہوں اور اس طرح پر قرآن کو اور سیاہ کرنے کا مجرم بنا ہوں، اس کا فیصلہ زمانہ آپ کرتا رہے گا۔ مگر حسن نیت کے ولولے میں اور شارحین کی طرح غالباً مجھے بھی حق حاصل ہے کہ ظاہر کردوں کہ کلام الٰہی کی اس تبیین میں میں نے جان بوجھ کر کوئی بددیانتی نہیں کی۔ کوئی تاویل، کوئی مکرو تلبیس، کوئی ذاتی قیاس یا رائے، جس سے اپنے زعم میں میرا اپنا چھٹکارا ہو سکتا تھا، میں نے حتماً" پیش نہیں کی۔ میں نے صرف علم اور صحیح علم کی برقی مشعل کو قرآن حکیم کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ اس کی دروں رس، حقیقت کشاء اور مبرق شعاعیں کلام خدا کے مطالب کی اصلی اور پہلی تہہ تک پہنچا دی ہیں۔ انسان کے اس پر اپنے ہاتھوں کئے ہوئے بدنما رنگ و روغن کے نیچے حقیقت کی پردہ نشین اور تاب گسل، حسن سے مزین اور تجلی سے بے نیاز عروس کی ایک جھلک دکھا دی ہے، کم از کم یہ درک لگا دی ہے کہ الفاظ کے انہی مستعمل، بے قدر و قیمت اور دیدہ آشنا جھروکوں کی آڑ میں انسانی فلاح کی وہ آسماں تاب عفیفہ اور ضیاء پاش عصمت مآبہ بیٹھی ہے جس کو قرنوں سے کسی جن وانس نے چھواء تک نہ تھا۔ وہی اس قدوسی کلام کے اندر بچی مطلوب ہے، وہی ملعبہ مقصود ہے۔ اسی کو پالینے سے قومیں عشق و نیاز کی اس جا گداز منزل میں فائز المرام ہو جاتی ہیں۔ اسی سے بے نیاز ہو کر عالم اسلام پر ذل و مسکنت کے بادل آج چھا رہے ہیں۔" (تذکرہ ص ۵۸)

علامہ المشرقیؒ

تذکرہ کی صحیح قدر و منزلت؟

"تذکرہ" کی قدر و قیمت ابھی دنیا کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ ابھی صرف اس کے چند ہزار یا چند لاکھ واہ واہ کرنے والے یا اس کو پڑھ پڑھ کر چٹخارے لینے والے پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت امام سنوسی علیہ الرحمتہ امیر طرابلس کا مجھے لکھنا کہ "میں تم سے اس کی باقی جلدوں کے شائع کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں، تم نے مجھے قرآن کا نور دے دیا ہے۔" تذکرہ کی صحیح قدر و منزلت نہیں "تذکرہ" کی صحیح قدر آج سے کئی قرنوں کے بعد اس وقت ہو گی جبکہ یورپ کی تمام سائنس اور سائنس کے تمام حیرت انگیز انکشافات بھی انسان کے دل کو مطمئن نہ کر سکیں گے اور انسان خدا کے پیغام کی طرف ناچار ہو کر رجوع کرے گا۔ اس وقت خدا کی صحیح معرفت کرنے والا انسان سمجھے گا کہ "تذکرہ" میں اتحاد عالم کی کیا عظیم الشان بنیاد اور دنیا کی واحد اور بنیادی حقیقت کا کیا ذکر ہے، اس وقت معلوم ہو گا کہ بنیاد قیام عالم اور احساس رضائے خدا کیا ہے؟

نقیب فطرت حضرت علامہ المشرقیؒ

۱۶/ جولائی ۱۹۳۹ء

قرآن حکیم کی مظلومی

آج قانون امم کی یہ مفصل کتاب، سنت خدا کا یہ ناممکن البدل مرقع، یہ الٰہی محکمہ قضا وقدر، علمی معجزات کا یہ سحرستان جلال انسان کی قرنہا قرن کی باطل آرائی، طرفہ اندیشی اور عجایب نوازی کے بعد، طاق نسیان وریا کا وہ ناقابل فہم اور ناکارہ برار دفتر بن چکا ہے کہ اس کے بارے میں امت حاضرہ کی غلط روی کو دیکھ کر عقل کانپ اٹھتی ہے اس کی تعلیم و تعظیم کے اکثر مدعی آج کشور کشائی جہانبانی، اور قوت اور امن، تمکن اور تغلب کے سب اگلے لشکر انگیز ارمانوں کو پاؤں سے ٹھکرا کر خوف و مسکنت، ذل واساک اور عجز وخمول کے عبرت انگیز ماحول میں حجروں کے اندر بیٹھے، کبر مولویت میں مگن ہیں۔ اس کی رواں تلاوت کو دار آخرت کی طلسمی کلید سمجھتے ہیں۔ اس کو اکثر بجھارت اور چیستان بنائے بیٹھے ہیں۔ کہیں اس کو پڑیوں میں لپیٹ کر بیچا جارہا ہے۔ کہیں اس کے تعویز بن کر گلے کا ہار ہو رہے ہیں۔ کہیں اس کی خوب خوانی پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے کہیں خوش اعتقاد اس کو گھول گھول کر پی رہے ہیں۔ کہیں ستم ظریف پھونکیں مار مار کر اڑا رہے ہیں۔ کہیں اس کے اوراق میں کسی "اسم اعظم" کی تلاش ہے۔ کہیں اس کو رٹ رٹ کر بے اثر کیا جارہا ہے۔ کہیں اس سے مردے کو ثواب پہنچ رہا ہے۔ کہیں خدا کو داد تحسین مل رہی ہے۔ کہیں تحسین شناس اور جاہل کی واہ واہ ہے۔ نہ غرض و مطلب سے بحث ہے، نہ مقصود و معانی سے سروکار ہے۔ اس کتاب جلیل سے اگر کچھ اخذ ہو رہا ہے تو یہی استخارے اور فالنامے ہیں۔ تمائم اور ٹوٹکے ہیں۔ فسونی اور سحری اعمال ہیں۔ اگر کوئی طبقہ ان مہلک اثرات سے نسبتاً محفوظ ہے تو اس میں مقاصد قرآن کے بارے میں ہولناک افتراق ہے۔ ذہنی ویرانیاں اور غوغائے قیامت ہے۔ سطحی حیص بیص اور لفظی تنازعے ہیں۔ تفریق آراء ہے۔ انتشار نظر ہے۔ تشتت عمل ہے

(التذکرہ)

علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ

امت اسلام کی ہلاکت کا اعلان

مسلمانان عالم، دین اسلام کی اس تبیین سے پچاس یا سو برس تک اور انکاری ہو لیں، لیکن جب تک شدید العقاب خدا کا منتقمانہ عذاب اس طرح پر نازل نہیں ہو گا کہ موت کے علمبردار خدائی جلاد سینوں پر چڑھ چڑھ کر امت کا گلا گھونٹ رہے ہوں گے اور فنا کی لازوال حقیقت عین سامنے آ حاضر ہو گی تب تک اس کتاب کے مقصود کی طرف ہمہ تن رجوع ہو جانے کی امید عبث ہے۔ ابھی تک جو کچھ ہے صرف فاقہ مستی اور بے آبروئی کے نشے ہیں، فتح و شکست کے قمار خانے میں "پاکبازی" کی اکڑ ہے۔ ملائی تکبر یا جہالت کا پیدا کیا ہوا استغنا ہے۔ نسیان درس کی خوش طبعی یا بما عندھم من العلم (المومن ۴۰) کی فرحت ہے۔ لیکن جس دن موت نے چپکے سے آسلام دیا اس دن یہ اکڑ سب نکل جائے گی، یہ غفلت کے نشے سب ہرن ہو جائیں گے، یہ کبر و منی کے دعوے سب باطل ہو جائیں گے۔ ہاں، اس دن اس تحریر کی طرف پہلا رجوع ہو گا۔ اس کے اوراق کو طاق نسیان سے اٹھا کر پھر پڑھنا شروع کر دیں گے۔ اس کی توحید کو پا کر آمنا پکار اٹھیں گے، قرآن کو اٹھا اٹھا کر حسبنا کہہ دیں گے، غیظ واسف سے انگلیاں کاٹ کاٹ کر رہ جائیں گے، فرش سے عرش تک ایک چیخ و پکار پیدا ہو جائے گی، آہ لیکن وہ وقت توبہ اور عمل کا نہیں ہو گا۔ قضا اور اجل کا ہو گا، موت و ہلاکت کا ہو گا، یات بخلق جدید کا ہو گا۔ ھل من مزید کے نعروں کا ہو گا، جہنم کے سربفلک شعلوں کا ہو گا، آہوں و کراہوں کا ہو گا۔ اس آڑے اور آخری وقت میں اس توحید، اس اسلام، اس ایمان کی طرف رجوع کرنا عبث ہے۔

(دیباچہ ص ۱۳۲)

تذکرہ ---- مشاہیر عالم کی نظر میں!

"تذکرہ" کی پہلی جلد ۱۹۲۴ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر آئی۔ اس کی اشاعت نے مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ملت کے تین سو برس کے غلط اعتقادات پر بجلی گرا دی۔ "تذکرہ" نے دین اسلام کے متعلق غلط تخیلات بھسم کر دیئے۔ چند برسوں کے اندر اندر ملت کا مذہبی، ادبی اور سیاسی لٹریچر بدلنے لگا۔ قوم کے اکثر لیڈروں، واعظوں اور شاعروں حتیٰ کہ علامہ اقبال نے اپنی تقریروں، تحریروں اور شعروں کے رنگ عملی کر دیئے۔

"تذکرہ" کے اس علمی شاہکار کی وساطت سے المشرقی" نے قرآن حکیم کی روشنی میں قوموں کی موت و حیات کے قانون کو اس حسن کارانہ انداز سے واضح کیا کہ دنیا کے گوشے گوشے سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ہندوستان کے ایک بڑے اور مسلم عالم دین نے ۱۹۲۵ء میں جوش عقیدت میں کہا کہ "تذکرہ" کے بعد قرآن کی تمام تفسیریں جلا دی جائیں تو بہتر ہے۔ "تذکرہ" کی شوکت آفرین تحریروں سے متاثر ہو کر بڑے بڑے ہوش مند مذہبی رہنما اور روحانی پیشوا پشاور پہنچ پہنچ کر گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنے لگے۔ پچیس ہزار خطوط ملک کے طول و عرض سے لکھے گئے جن میں اعتراف تھا کہ "تذکرہ" نے ان کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ جس نے "تذکرہ" پڑھا قرآن کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

مجاہد اعظم امیر طرابلس حضرت امام شیخ السنوسی نے لکھا کہ

"جس طرح تم نے قرآن کو سمجھا، "تذکرہ" کی بقیہ جلدیں جلد شائع کر کے باقی مسلمانوں کو بھی سمجھاؤ۔ ورنہ قیامت کے دن ہمارا ہاتھ ہوگا اور تمہارا دامن"۔

عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد (دکن) نے اسے داخل نصاب کرنے کی درخواست کی لیکن شہرت سے بے نیاز مصنف نے لکھا کہ

"میں "تذکرہ" کو سعدی کی گلستان و بوستان بنانا نہیں چاہتا"۔

پروفیسر آر۔ اے نکلسن آف کیمبرج نے لکھا کہ
"آپ کی یہ تصنیف غالباً اسلام کے متعلق خیالات کو نشو و نما دینے میں ایک یادگار ثابت ہوگی"۔
کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر اے بیون نے کہا کہ
"مذہب اسلام کے متعلق جو تحقیقات آپ نے ہمارے سامنے پیش کی ہیں وہ ہمارے توہمات اور ان تمام تعصبات کو جو کہ ہمیں نسلاً بعد نسلاً بطور ورثہ ملتے چلے آئے ہیں، زائل کرنے میں مفید ثابت ہوگی"۔
پرفیسر پرمیج نے لکھا کہ
"میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی تصنیف "تذکرہ" آئندہ قرن کے لئے ایک بے بہا چیز ثابت ہوگی اور دنیا کے امن و امان کو ترقی دینے میں ممد و معاون ہوگی"۔
ہالینڈ کے مستشرق ڈاکٹر جے۔ ایم بلجان نے لکھا کہ
"تذکرہ" چودہ سو برس کی اسلامی تحریروں کے صحرا میں واحد نخلستان ہے۔
ڈاکٹر بلجان نے اپنی ایک کتاب میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ
"اس اسلام میں جو "المشرقی" نے پیش کیا ہے تعمیر اقوام کا انتہائی طور پر کامیاب اور عالم آراء لائحہ عمل موجود ہے اور یہ اسلام بالفاظ دیگر الٰہی اصلاح مدن Divine Sociology کا حکمی اور بے خطا مرقع ہے۔"
اگست ۱۹۵۴ء کے آخر میں پروفیسر ڈاکٹر بلجان نے ایک رسالہ شائع کیا جو مشہور سائیکلوپیڈیا ورلڈ آف اسلام کے ایک مقالہ "زمانہ حال کے دس قرآنی احکام" کا دوسرا اڈیشن تھا جس کو موصوف نے بڑی تعداد میں بطور خود چھپوا کر دنیا میں تقسیم کیا۔ یہ طویل مقالہ "تذکرہ" پر ایک بے مثال تبصرہ ہے اور اس میں کھلے طور پر اقرار ہے کہ "تذکرہ" تمام دنیا کی قوموں کے لئے ایک مستقل دستور العمل ہے او رخدائی علم معاشرت کا ایک ناقابل رد لائحہ عمل ہمیشہ کے لئے ہے۔
رائل سوسائٹی آف آرٹس کے جریدہ نے مذہبی تحریرات کے لق و دق صحرا میں واحد نخلستان اور یاد گار عالم شاہکار قرار دیا۔
ایک مشہور پروفیسر نے لکھا

"میں "قرآن" کو ناقابل توجہ اور بیکن کی کتاب "نودم آر گینم" کو دنیا کی سب سے بڑی کتاب مانتا تھا لیکن اب "قرآن" کو سب سے بڑی آسمانی کتاب اور "تذکرہ" کو سب سے بڑی مذہبی کتاب مانتا ہوں۔"

پیل سوسائٹی آف امریکہ کے فاضل پروفیسر اٹاری نے "تذکرہ" پر کئی ماہ تک یونیورسٹی میں لیکچر دیئے۔

نوبل پرائز کمیٹی کی پیش کش اور انکار

۱۹۲۵ء میں یہ علمی شاہکار نوبل پرائز کے لئے پیش کیا گیا۔ نوبل پرائز کمیٹی نے فوراً علامہ صاحبؒ کو لکھا کہ "تذکرہ" کا کسی یورپی زبان میں ترجمہ ہونا لازمی ہے کیونکہ اردو کمیٹی کی منظور شدہ زبان نہیں۔ "تذکرہ" کے مطالب کو سمجھنے کے لئے جن کی بے حد تعریف کی گئی ہے، نوبل پراز کمیٹی بے حد مضطرب ہے۔

اس کے جواب میں آپ نے لکھا "اگر وہ زبان جس کو دنیا کے کروڑوں انسان بولتے ہیں آپ کی کمیٹی کی تسلیم شدہ زبان نہیں ہے تو میں اس کتاب کو کسی یورپی زبان میں ترجمہ کرنا گوارا نہیں کرتا۔"

پروفیسر نکلسن آف کیمبرج نے "تذکرہ" کے عربی افتتاحیہ کے انگریزی ترجمہ کا ایک نمونہ لکھ کر بھیجا۔ مصنف نے اس ترجمہ کو ناپسند فرمایا اور جواباً لکھا کہ "میرا یہ مطلب نہ تھا جو آپ کے ترجمہ سے ظاہر ہے اس ترجمہ سے ہمارا مقصد فوت ہو گیا ہے"۔

اعزازات

"تذکرہ" کی یادگار زمانہ تصنیف نے علامہ مشرقی کو بین الاقوامی شہرت کا مالک بنا دیا۔ لیکن ابھی مزید اعزازات چشم براہ تھے۔ ۱۹۲۶ء میں فرانس کی ایشیاٹک سوسائٹی نے آپ کو اپنا فیلو منتخب کرلیا۔ اسی سال جیوگرافیکل سوسائٹی پیرس کی طرف سے بھی آپ کو فیلو شپ پیش کر دی گئی۔ انٹر نیشنل کانگریس آف اورینٹلسٹس کا ممبر بنا کر آپ کو دعوت دی گئی کہ "تذکرہ" کے متعلق عام اجلاس میں اپنی تصریحات پیش کریں۔ یہ وہ بین الاقوامی مجلس ہے جس کے ممبر تمام دنیا میں بیک وقت ایک سو سے زیادہ منتخب نہیں ہو سکتے۔

لیکن تذکرہ کا جلیل القدر مصنف ان تمام اعزازت سے بے نیاز تھا۔ وہ علم و بصیرت اور فلسفہ و حکمت کی بارگاہ میں اپنی لیاقت اور عظمت کے جھنڈے گاڑ چکا تھا اور اب وہ اس قرآنی دعوت انقلاب کے زور پر عظمت کردار کے وہ معرکے سرانجام دینا چاہتا تھا جو پوری دینا کی تاریخ کو بدل کر رکھ دیں۔

"تذکرہ" کے متعلق ایک مولوی کا اعلان حق!

ممتاز عالم دین مولوی غلام مرشد (جو بعد میں بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب مقرر ہوئے) نے "تذکرہ" کے مطالعہ کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ

"میں نے تذکرہ کو کئی مرتبہ پڑھا ہے اس نے ایک حقیقت کو کھلے لفظوں میں بیان کیا ہے "پوچا" پھیرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے حق پرستوں کی قطعاً تغلیط نہیں کی اور جن لوگوں کو اس نے برا کہا ہے وہ اس سے زیادہ برا کہلانے کے مستحق ہیں"۔

مزید فرمایا: "میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمانوں کو آزاد کرانے میں مشرقی ہی کامیاب ہو گا۔ ہاں، کوئی قوم ان اصولوں اور تجاویز پر چلے بغیر، جو مشرقی نے پیش کئے ہیں، دنیا میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتی"۔ (الاصلاح۔ ۷ فروری ۱۹۳۶ء)

امام الہند ملا کے اسلام سے بچ نکلے؟

اس واقعہ کی وضاحت ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے اس طویل مضمون میں ملتی ہے جو انہوں نے جریدہ "نقوش" کے سال نامہ کے لئے "علامہ مشرقی" کے عنوان سے سپرد قلم کیا تھا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ غالباً" ۱۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ڈاکٹر صاحب اور ان کے اہل علم رفقاء کی خصوصی دعوت پر حضرت علامہ مشرقیؒ اپنی موٹر کار میں، اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ کیمبل پور تشریف لائے تو دوران گفتگو انہوں نے انکشاف فرمایا:

"ابوالکلام آزاد کی تفسیر جلد میدان میں آرہی ہے۔ سنا ہے کہ آزاد نے "نظریہ عمل" تذکرہ سے چرا لیا ہے اور علمی بددیانتی کی حد یہ ہے کہ اعتراف تک نہیں کیا"۔

چند روز بعد تفسیر آزاد کی پہلی جلد مجھے ملی اور "مالک یوم الدین" کے تحت علامہ کے مشہور "نظریہ عمل" کی تفاصیل پڑھیں تو مسرت بھی ہوئی کہ امام الہند ملا کے اسلام

سے بچ نکلے اور افسوس بھی کہ "تذکرہ" کا احسان مان لیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔ (نقوش ۱۹۵۴ء ص ۱۲۰۸)

"تذکرہ" --- علامہ اقبال کی نظر میں!

۲۵/ اگست ۱۹۷۶ء کو پاکستان نیشنل سنٹر لاہور میں یوم پیدائش علامہ مشرقیؒ منایا گیا۔ ملک کے ممتاز دانشوروں، شاعروں، ادیبوں اور سیاست دانوں نے آپ کے حالات زندگی اور کارناموں پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ اس موقع پر شاہنامہ اسلام کے نامور مصنف ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اپنی صدارتی تقریر کے دوران یہ انکشاف کیا کہ:

"ایک دن میں ڈاکٹر اقبال کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ مخالف لوگ علامہ مشرقی کا تذکرہ لے کر آگئے اور کہا ڈاکٹر صاحب! آپ اس کے خلاف کچھ لکھیں۔ ڈاکٹر اقبال مسکرائے اور کہا "کیا میں قرآن کے خلاف لکھوں؟" (الاصلاح ۱۰ ستمبر ۱۹۷۶ء)

تذکرہ المشرقی" اور جمعیت العلمائے ہند!

محترم اللہ بخش یوسفی مدیر "آواز پختون" کراچی نے "یاد ایام" کے زیر عنوان ۱۰/ جولائی ۱۹۶۶ء کے شمارے میں خاکسار اعظم کی شہرہ آفاق تصنیف "تذکرہ" کے متعلق جمعیت العلمائے ہند کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ

"ان کی ذہنیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ایک واقعہ ہی لکھ دینا کافی ہوگا کہ دوران ۱۹۲۴ء علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی" کی کتاب "تذکرہ" زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی۔ یاد رہے کہ علامہ المشرقی" انڈین ایجوکیشنل سروس کے رکن کی حیثیت سے پشاور میں مقیم تھے۔ اس سے قبل وہ اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل رہ چکے تھے اس وقت سے انہیں اپنے اسلامی جذبات اور انگریز کی مخالفت کی وجہ سے شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں تحریک خلافت میں وہ قائدین خلافت پشاور کو راز دارانہ طور پر مشورے بھی دیتے رہے۔ ان حالات میں انہیں پشاور میں بہت عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا اور قومی کارکن انہیں اپنے میں کا ہی مخالف حکومت تصور کرتے رہے۔ "تذکرہ" کی اشاعت کے بعد، بالخصوص جمعیتہ العلمائے ہند کی دنیا میں

ایک کہرام مچ گیا۔ اسلام خطرے میں آنے لگا۔ علامہ مشرقی پر جنہوں نے ابتداء ہی میں اعلان کر دیا تھا کہ وہ کسی معترض کو جواب نہ دیں گے کیچڑ اچھالا جانے لگا اور پتہ چلا کہ جمعیت اپنے ایک اجلاس میں اس مسئلہ کو لاکر اسے سیاسی رنگ دینا چاہتی تھی۔ ان حالات میں مجلس خلافت نے فیصلہ کیا کہ حاجی عبد الرحیم اور اللہ بخش یوسفی فوری طور پر دہلی پہنچ کر ان قابل عزت علماء کو علامہ مشرقی کے سیاسی خیالات اور مجلس خلافت سے ان کے اشتراک کا ذکر کرتے ہوئے درخواست کریں کہ اگر "تذکرہ" سے انہیں کوئی اختلاف بھی ہو تو وہ اسے سیاسی رنگ میں نہ اچھالیں اور خلافت کمیٹی کوشش کرے گی کہ جمعیتہ علماء ہند کے نمائندوں سے علامہ کی اس سلسلہ میں مجلس مشاورت ہو جائے۔

اس دوران علامہ مشرقی کو کئی ایک قابل ذکر مستشرقین کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مصر سے عمر طوسون پاشا کے خطوط مل چکے تھے۔ مولانا آزاد نے صرف کتاب کی رسید پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ تفصیلی مطالعہ کے بعد وہ اظہار رائے کر سکیں گے اور عمر طوسون پاشا نے اس کتاب کو مشرق کی طرف سے فصیح ترین قابل قدر کتاب پکارا تھا۔ ہمارے دہلی پہنچنے پر پتہ چلا کہ جمعیت علمائے ہند نے اس مسئلہ کو آزادی ہند سے بھی زیادہ اہمیت دے رکھی تھی اور ہم جس عجز و انکسار کے ساتھ ان کی خدمت میں درخواست کرتے وہ مولویانہ شان میں اتنے ہی زیادہ بدکتے۔ حتیٰ کہ بالآخر مولوی احمد سعید ناظم جمعیتہ علمائے ہند کے منہ سے نکل گیا کہ "جو زندیق کیمبرج میں تعلیم حاصل کرچکا ہو اسے کیا حق حاصل ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر لکھے"۔ گویا علامہ مشرقی کو قرآن کے معنی بیان کرنے کی یہ مقدسین اس جرم کی وجہ سے اجازت نہ دے سکتے تھے کہ علامہ نے کیمرج یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرلی تھی۔

ناظم جمعیتہ علمائے ہند کے اس غیر مہذب اور غیر اسلامی جواب سے ہمیں بہت رنج پہنچا اور حاجی عبدالرحیم جو عمر میں مجھ سے بڑے تھے ازحد مشتعل ہو گئے اور بھری مجلس میں انہوں نے جواباً کہا کہ ہم اس وقت تک تو جماعتی حیثیت سے "تذکرہ" کے متعلق کسی پالیسی پر کاربند نہ تھے لیکن اب میں آپ سے کھلم کھلا کہتا ہوں کہ اپنی پوری جمعیت علمائے کو ساتھ لے آیئے ہم "تذکرہ" کی اپنے سٹیج سے حمایت کریں گے۔ اور حقیقتاً پھر اراکین مجلس خلافت نے بھرپور حمایت سے "تذکرہ" کو اس قدر

مقبول بنایا کہ شاید وہ ہزاروں روپے کے اشتہاروں سے بھی اس قدر مقبولیت حاصل نہ کر سکتا اور اس میں زیادہ تر کار نمایاں علماء صوبہ سرحد نے کیا جن کی اکثریت از ابتداء "تذکرہ" کی دلدادہ نظر آرہی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک اور رنجدہ حقیقت بھی سن لیجئے کہ ہندوستان کے ایک مشہور عالم مورخ نے بھی "تذکرہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ اس کی عربی زبان کی ہر ہر سطر میں پانچ پانچ غلطیاں ہیں۔ (خیال رہے کہ "تذکرہ" اردو زبان میں ہے لیکن اس کے ابتدائی ۱۴۴ صفحے عربی زبان میں ہیں۔ جنہیں بعد میں قدر دان افراد مصر نے قاہرہ میں علیحدہ جلد کی شکل میں شائع کر دیا تھا) ہم حیران ہیں کہ عمر طوسون پاشا جیسے ادیب اس کتاب کی تعریف کررہے ہیں۔ ادھر مصر کے اہل عرب اسے شائع کرنے کی فکر میں تھے اور یہاں اسے غلطیوں کا پلندہ ظاہر کیا جارہا ہے۔

میں نے جب علامہ مشرقی سے ذکر کیا تو وہ حسب عادت مشتعل ہو گئے (علامہ میں یہ بڑی کمزوری تھی کہ وہ بدیں وجہ بحث نہ کر سکتے تھے کہ وہ جلد مشتعل ہو جاتے تھے انہیں بہ آسانی مشتعل کیا جاسکتا تھا)۔ میرے ساتھ بے تکلف تھے۔ پھر کہنے لگے بھائی میں نے کلو کیل (گھریلو) عربی میں وہ دیباچہ لکھا ہے جسے تمہارے مولوی بیچارے تو پڑھ بھی نہیں سکتے۔ وقت گزر گیا۔ ۱۹۲۷ء میں جب جمعیتہ علمائے ہند کا سالانہ اجلاس پشاور میں منعقد ہوا تو میں نے کوشش کی کہ اپنے مذکورہ مورخ موصوف کی علامہ سے ملاقات ہو جائے۔ دونوں ایک دوسرے سے ملنے پر آمادہ نہ ہوئے لیکن میں نے اس وعدہ پر کہ "تذکرہ" پر کوئی بات نہ ہوگی ملاقات کا وقت مقرر کرا لیا۔ لیکن عین وقت پر ہمارے مورخ موصوف نے جانے سے انکار کر دیا اور جب میں نے اصرار کیا تو انہوں نے نہایت شریفانہ انداز میں فرمایا "یوسفی! تبصرہ کرتے وقت میرے پیش نظر تذکرہ نہ تھا بلکہ چند اخباری مضامین تھے جو "تذکرہ" کی مخالفت میں چھپے تھے۔ انہی سے مجھے غلط فہمی کا شکار ہونا پڑا" اور پھر جمعیتہ علماء کے اجلاس میں کسی کو "تذکرہ" کے خلاف لب ہلانے کی جرات نہ ہوئی۔

"تذکرہ" پر معترضین کے جوابات

علامہ المشرقی نے "تذکرہ" پر نکتہ چینی کرنے والے ایک صاحب کے جواب میں

لکھا:

میں نے "تذکرہ" میں "قرآن شریف" کسی نئے پیرائے میں پیش نہیں کیا۔ یہ وہی تیرہ سو برس کا پرانا قرآن شریف ہے جو کبھی بہت کچھ دیا کرتا تھا لیکن اس قرآن پر "غلاف" نہ چڑھے ہوئے تھے۔ وہ حضرت عائشہؓ کی چارپائی کے سرہانے ہڈیوں اور چمڑوں پر لکھا کھلا پڑا تھا اور مخلوق خدا اٹھ اٹھ کر کام کر رہی تھی۔ آج اس پرانے قرآن شریف پر "نئے غلاف" چڑھا کر "بالائے طاق" رکھ دیا ہے اور لوگ بیٹھے قسمت کو پیٹ رہے ہیں۔ فرق صرف نقطۂ نظر کا ہے۔ نہیں، تلخی میں لپٹی ہوئی شکر اور شکر میں لپٹی ہوئی تلخی کا ہے۔ اسی کو زمین و آسمان کا فرق کہتے ہیں اور یہی الٹی قسمت ہوا کرتی ہے۔ آج اگر بقول آپ کے مسلمان "تذکرہ اور صرف تذکرہ" سے ناراض ہیں تو اسی لئے کہ کئی سو برس کے بعد پھر وہی پرانے دکھ دینے والے قرآن کا ظہور ہوا ہے۔ انہوں نے تو اس پر ریشمین غلاف چڑھا کر اس کو "ختم نبوت" کے ساتھ ساتھ "ختم" ہی کر دیا تھا حتیٰ کہ اس کے پھر بے غلاف ہونے کا سان گمان نہ تھا۔ "تذکرہ" سے ملا ناراض کیوں نہ ہو، اس کو اس میں کئی سو برس کے "ملا ازم" کی موت کا سامان نظر آ رہا ہے۔ اس کی اپنے ہاتھ کی بنائی بیڑی غرق ہو رہی ہے اسی لئے وہ میرے متعلق کہتا ہے کہ "اس سے بچتے رہو، یہ آگے چل کر نبوت کا دعوی ضرور کرے گا۔ کافر اور دجال ہے کہ مزے کی نیند میں خلل ڈال رہا ہے۔" ملا کے نزدیک نبوت کے ساتھ ساتھ قرآن بھی ختم ہے۔ آج جو پرانا قرآن کھول کر دکھلائے دجال اور کافر!

آپ بے فکر رہئے۔ اب ملا، حلوہ، لیڈر، چندہ، انجمنیں، صدارتیں، ریزولیوشن سب ختم ہیں کیونکہ پرانا قرآن، پرانا اسلام اور پرانی خاکساری پھر شروع ہو گئے ہیں۔ غازی امان اللہ خان نے قرآن اور بندگی شروع نہیں کی تھی۔ قرآن سے بے نیاز ہو کر یورپ کی مضحکہ انگیز تشبیہ شروع کر دی تھی۔ اس کی تعلیم بھی اسی قدر مضحکہ خیز تھی جس قدر کہ آج کل کے ملا کی تعلیم جو قرآن کو چوم چوم کر اور نری ڈاڑھیاں رکھ رکھ کر خدا کو خوش کرنا اور جنت کے سبز باغ دکھانا چاہتا ہے، نہ امان اللہ خان نرا یورپ کا کوٹ پتلون پہنا کر قوم کو انگریز بنا سکتا تھا، نہ ملا نری شرعی ڈاڑھی رکھوا کر اور ٹخنوں کے اوپر پاجامہ پہنا کر اسوۂ رسولؐ کو پھر زندہ کر سکتا ہے۔ اسوۂ رسولؐ، اسلام، قرآن،

تقویٰ اس کے سوا کچھ اور شے ہیں۔ جس دن قوم اور اس کے لیڈر یہ سمجھ گئے نہال ہو جائیں گے۔

ایک اور معترض کے جواب میں علامہ المشرقیؒ نے فرمایا

آپ "تذکرہ" کو نہایت سخت اور "قول و فعل" کو قابل برداشت سمجھتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں جو اس کا الٹ کہیں گے۔ بعض وہ ہیں جو کہیں گے کہ دونوں ناقابل تحمل ہیں۔ بعض کہیں گے کہ دونوں میں حقیقت کے سوا کچھ نہیں۔ اپنی اپنی طبیعت اور اپنا اپنا مزاج ہے۔ ایسا کھانا کہاں سے پکاؤں کہ سب کو بھلا لگے۔ یہ ہو تو سب دنیا یک رنگ اور بے مزہ ہو جائے۔ یہاں قدم قدم پر نظر، نقطۂ نظر، استعداد، علم اور فکر کا اختلاف ہے۔ سب ذہن یکساں کیونکر بن جائیں۔ خود قرآن میں ہے یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا یعنی یہی قرآن بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست پر لے آتا ہے۔ جب اللہ کی کتاب کا ذہنوں پر یہ اثر ہے تو میں شکر میں لپٹی ہوئی گولیاں کیا دیتا، تلخ پسند لوگ کہتے، کیا مکاری ہے؟ شکر میں لپٹی ہوئی گولیاں کئی سو برس تک حکیموں نے اتنی دیں کہ قوم کو ذیابیطس ہو گیا۔ اب حنظل میں لپٹی ہوئی شکر کا مزا چکھ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح سچے مسلمان دھڑا دھڑ پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ کڑواہٹ نہ دیتا تو سچے اسلام کی آواز پشاور سے راس کماری تک کیونکر پہنچتی۔ آپ نے قرآن میں پڑھا ہو گا کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو اس حالت میں چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو کھلے طور پر عیاں کر دیا ہے وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ خدا ان سے روز قیامت کو ہم کلام نہ ہو گا۔ ان کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گا۔ اللہ کی آیتوں کو چھپانا اور شکر میں چھپی ہوئی گولیاں دینا ایک ہی شے ہے۔ اسلام کے زوال کے بعد جن لوگوں نے یہ چھپی ہوئی گولیاں دیں دیکھ لو انہوں نے قوم کی کیا گت بنائی اور ان کا ازروئے قرآن کیا حشر ہو گا۔ میں دنیا سے برا بن جاؤں تو بن جاؤں، اللہ سے برا بننے کی آرزو نہیں رکھتا۔

فکر و عمل میں انقلاب کا اسلامی منشور

البلاغ المبین

یعنی وہ کھلا پیغام جو تذکرہ کے عربی افتتاحیہ میں نقیب فطرت حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی" نے مسلمانان عالم کو دیا تھا اس امر کا متقاضی ہے کہ عربی زبان میں اس مکمل پیغام کے جوہر کو اردو زبان میں پیش کیا جائے۔ تاکہ عربی ناخواندہ مسلمان قرآن حکیم کے اس روحانیت انگیز پیغام سے کماحقہ واقف ہو سکیں اور موجودہ تذبذب اور بے یقینی کے ماحول سے نکل کر عزم و یقین کی دولت سے سرشار ہو کر غلبہ اسلام کے لئے مثبت اور ٹھوس راہ عمل اختیار کر سکیں۔

عربی افتتاحیہ کے اہم ترین حصوں کا رواں اردو ترجمہ ابو شوکت صفدر سلیمی مرحوم کے قلم سے وقتاً" فوقتاً" "الاصلاح" کے صفحات پر شائع ہوتا رہا ہے جسے آج پہلی دفعہ یکجا کر کے نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ عربی افتتاحیہ کی افادیت حضرت علامہ مشرقی" کی درج ذیل وضاحت سے عیاں ہے:

عربی افتتاحیہ کے متعلق وضاحت

میرے نزدیک وہ وقت اب گزر چکا ہے کہ اسلام کی اجل زدہ امت کو پوری دس جلدوں کا انتظار کرا کر سربمہر راز کو آہستہ آہستہ کھولوں یا جب تک مبادیات پر مختتم اور فیصلہ کن بحثیں نہ ہو چکیں اور ان کو من و عن قبلوانے کے لے زمین تیار نہ کر لوں منتہیات پر قطعی اور آخری فیصلہ پیش از وقت دینے سے محترز رہوں۔ میرے نزدیک اسلام کی اس پر آشوب حالت میں مصنف کے اپنی تصنیف کے بارے میں طبعی بخل کا وقت گزر چکا ہے۔ ایک مارگزیدہ امت کے لئے عراق سے تریاق منگوانے کی تجویز کرنا اب لاحاصل ہے۔ یہ تکلفات پرامن اور فرصت کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج وہ زمانہ ہے کہ مسلمانان عالم کے لئے چند لمحوں کے لئے بھی کسی مستقل اور یقین انگیز، کسی نفع مند اور مختصر راہ عمل کی طرف نہ آنا فوری ہلاکت کا سامنا کرنا ہے۔ دلیلیں اور بحثیں اصل کتاب کے آئندہ اوراق میں ہوتی رہیں گی۔ میں

نے ان اوراق میں اس بات کا التزام کر لیا ہے کہ کسی امر کے متعلق ایک حرف بے دلیل نہ کہا جائے اور ایک قدم آگے نہ بڑھا جائے جب تک کہ الٰہی حجت کو پیش کر کے پچھلے قدم کو قطعاً مضبوط اور غیر متزلزل نہ کر لیا جائے لیکن دس جلدوں کا انتظار ناظر کتاب اور بالخصوص قرآن سے آشنا شخص کے لئے نہایت تکلیف دہ ہے اور طوالت میں اصل مطلب کا خبط ہو جانا بھی بسا اوقات امر غالب ہے۔

اس امر کو مدنظر رکھ کر میں نے عربی افتتاحیہ میں جو کچھ کہنا تھا حتی الوسع کہہ دیا ہے۔ مسلمانان عہد حاضر کو ایک قطعی اور مختصر راہ عمل کی طرف عام فہم الفاظ میں پھر اشارہ کر دیا ہے' ایمان کے لازمات پیش کر دیئے ہیں' توحید کا سچا اور اصلی مفہوم بتا دیا ہے' اتقا کے اعمال واضح کر دیئے ہیں' شرک کی ماہیت کو کھول دیا ہے' کفر کی مستور حقیقت کے بخیے ادھیڑ دیئے ہیں' صراط مستقیم کو اظہر من الشمس کر دیا ہے' قانون خدا کا وہ عملی اور ابتدائی' وہ اہم اور اٹل حصہ پیش کر دیا ہے جس پر چل کر ہر قوم کو' ہر امت کو' ہر قریے اور محلے کو ہر وقت اور ہر جگہ اس دنیائے کسب و عمل کے اندر امن مل رہا ہے۔ وہ دس عظیم الشان اصول غیر مشکوک اور واضح الفاظ میں پیش کر دیئے ہیں جن کو پا کر امت محمدیہ کو چند لمحوں کے اندر بادشاہت زمین مل سکتی ہے' جن پر دین اسلام کا تمام حصر ہے' جن پر خاتم الانبیاءؐ کے لائے ہوئے قانون کی ساری بنیاد رکھی ہے' نہیں بلکہ جو ہر بادشاہ قوم کا واحد اور دائم مذہب ہے اور جب تک زمین و آسمان موجود ہیں یہی طرز عمل رہے گا۔ اس مختصر فاتحہ کتاب کے اندر حتی الامکان الٰہی سند بھی دے دی ہے۔ ایک ناقابل رد حجت کو قرآن عظیم سے لے کر "تاویل" کی فریب کاری اور "عقائد" کی بدمعاشی کو جڑ سے اکھیڑ دیا ہے۔ برہان خدا کی بے رحم کلہاڑی کو انسان کے اپنی کام چوری اور غفلت سے اگائے ہوئے جنگل پر یہ بے دریغ استعمال کیا ہے کہ ہر صاحب کو اس مہلک اور قاطع نمو' اس بے کار اور ناخوش آئند کاہ و گیاہ کے نیچے اسلام کے خوشنما اور ثمرور پودے کی شکل پھر نظر آ جائے۔ بے خوف و خطر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے' جو عامل ہے اس کا "عقیدہ" بھی درست ہے۔ نہیں بلکہ اس کو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں۔ جو قائل ہے وہ بہر نوع کچھ نہیں۔ آج کچھ نہیں' کل کچھ نہیں' ابدالاباد تک کچھ نہیں۔ نہیں' بلکہ اس دعوے کی الٰہی سند بھی ایک حد تک پیش کر دی ہے۔ قطعی

اور نصی، ناقابل تاویل اور نالائق جحود شہادتیں پیش کی ہیں۔ جو کچھ کھول دیا ہے اس امر کو پیش نظر رکھ کر کیا ہے کہ ناظر کتاب کو مذہب اسلام کے متعلق میرا عندیہ پہلے سے واضح ہو جائے۔ ابتداء سے اس پر یہ امر روشن ہو جائے کہ میں مذہب کو کیا سمجھ رہا ہوں، کس بات کی طرف جا رہا ہوں، میری دانست میں قرآن کا کیا لائحہ عمل ہے، دین کیا شے تھا اور کیا کا کیا بن چکا ہے۔ میں اس کتاب کے سیاق موضوع کے متعلق اس کے پڑھنے والے کی تڑپ کو پہلے سے دور کر دینا چاہتا ہوں، اس کو جو کچھ میں نے بالاخر اور بتدریج تمام کہنا ہے اول کہہ کر جلد جلد ورق گردانی کے اضطراب کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ قاری کو چند الفاظ کے اندر سب کچھ بتلا کر آئندہ اوراق پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کا خواہاں ہوں۔ الفاظ وحی کے مطالب کے متعلق سب پرانے اور دقیانوسی، سب ناکارہ اور بے نتیجہ خیالات پر بجلی گرا کر قرآن عظیم کو نئے سرے سے پھر پڑھوانا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب جلیل کے ایک ایک لفظ پر غور ہو، اس کے بارے میں صاحب القرآن کے واحد اور صحیح عندیے کا کھوج لگایا جائے، تہہ کو پہنچ کر ایک مستقل راہ عمل پر پہنچا جائے۔ الٰہی دلیل اور قرآنی سند سے بہ آہستگی تمام پہنچایا جائے، ماسوا کے اقوال کو یکسر نظرانداز کر کے مفہوم خدا کی تلاش کی جائے۔ لیکن اقلیدس کے مقالوں کی طرح دعاوی کو پہلے بیان کر دیا جائے۔ قرآن سے آشنا شخص یا گروہ کے لئے اس طریق کار میں یک گونہ سہولت ہے، وہ ممکن ہے پہلے ہی انہی نتائج پر پہنچ چکا ہو اور ظاہر کرنے کی فرصت یا ہمت نہ رکھتا ہو۔ مذبذب کے لئے سوچ کا کھلا موقع ہے، ناآشنا کے لئے ایک چونکا دینے والا انکشاف ہے، متلاشی حقیقت کے لئے مقصود کا پا لینا اور عامل کے لئے ایک اہم کام کا سردست پیش ہو جانا ہے۔ اس ترکیب سے مسلمانوں کے سامنے صدیوں کا بھولا ہوا قرآن پھر پیش نظر ہو جائے گا۔ ایک کامل صحیح یا کامل غلط راہ پیش پیش ہو جائے گی۔ وہ اس پر صحیح عملاً "معاً" شروع کرنے کے قابل ہو جائیں گے یا کم از کم اس کو فوراً غلط قرار دے کر دس مجلدات کی طباعت کے انتظار میں پریشان قلب ہونے سے بچیں گے۔ (دیباچہ ص ۸۶-۸۸)

قرن اول کے مومنین حق

قرن اول کے مومنین و صالحین کے لئے ہماری نذر تحسین و تبریک جو امکان کی

آخری حد تک انبیائے کرام کے نقوش راہ پر عملاً اور معناً جادہ پیما رہے۔ انہوں نے یہ راہ علیٰ وجہ البصیرت یقین کی بنا پر اختیار کی۔ انہوں نے اپنے عمل سے اس کی تصدیق کی اور (ہماری طرح) اسے مذاق بنا کر اس کی تکذیب نہیں کی۔ بلکہ روئے زمین پر اپنے غلبے اور تمکن کی شایان شان تکمیل کی۔ وہ جب تک زندہ رہے روئے زمین پر غالب رہے۔ انہوں نے اپنی ملت کو عزت و عظمت کے بام عروج تک پہنچایا اور آنے والوں کے لئے اس کے نشان راہ چھوڑ گئے۔ انہوں نے اس خدائے بزرگ و برتر کی صفات عالیہ کو اپنی ذات میں مشہود کیا جو کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں کار فرما ہے اور اس سلسلہ کائنات میں کوئی دوسری طاقت اس کی کارفرمائی میں شریک نہیں۔ انہوں نے اس راہ کو اپنا لیا اور خدا سے اس کا اجر پالیا۔ (ص ـ ۸)

احساس زیاں کی پکار

اے پسماندگان قرن اول کے گروہ جو آج پابندی شریعت کے مدعی ہو کر مبتلائے افتراق ہو اور دور حاضر میں "مسلمین و مومنین" کے نام سے یاد کئے جاتے ہو۔ جنہیں سلف صالحین کے اتباع کا گمان ہے اور ان کے نقوش قدم پر چلنے کا دعویٰ۔ جو اس خود فریبی میں مبتلا ہو کہ خدا کے بیٹے اور اس کے مقربین خاص ہو۔ سنو کہ تم نہ صرف خدا کے غیظ و غضب کا شکار ہو بلکہ گم کردہ راہ بھی ہو۔ تمہارے معاملات زندگی میں فساد ہی فساد برپا ہے۔ تہاری بستیاں اجڑ گئیں اور تمہارا جاہ و جلال لٹ چکا۔ تمہارا مال و متاع چھن گیا اور تمہارے شہر کھنڈرات میں بدل گئے۔ خدا کے رشد و ہدایت کا نور تم سے اچک لیا گیا اور تمہاری اس ہلاکت کے بعد صرف عظمت رفتہ کے افسانے باقی رہ گئے۔ تمہارا عروج و اقبال، زوال اور شکست سے دوچار ہے اور اس کارگہ حیات میں تمہاری حیثیت ایک عضو معطل سے زیادہ نہیں۔ تمہاری آواز گلے میں گھٹ کے رہ گئی اور اس بے حسی اور موت نے تمہاری قوت عمل کو ختم کر دیا۔ ہاں، تمہاری ہوا کھڑ گئی۔ کیا اس کے بعد بھی تم اپنے سلف صالحین کے اتباع کا دعویٰ کر سکتے ہو؟ ہم نے اس جماعت مومنین کے کارنامے سنے جو تم سے پہلے گزر چکے۔ ان کے احوال و واقعات اور ارتقاء پذیر صلاحیتیں آج بھی لوح زمانہ پر نقش ہیں۔ اس دنیا میں ہر شے ان کا ماحصل تھی اور ہر وہ علم اور نور معرفت ان کا سرمایہ حیات تھا جس کی بدولت وہ

دشمنوں کی پیدا کردہ ابتلاؤں پر غالب رہے اور مصائب و مشکلات کو شکست دی۔ (ص ۹-۱۰)

خدا نے تمہیں بھلا دیا؟

ہاں اے عصر حاضر کے مسلمانو! کیا تم واقعی اہل ایمان اور (اس بنا پر) دوسروں سے اعلیٰ و افضل ہو؟ کیا تم اپنے دعوے میں سچے ہو؟ وگرنہ سوچو کہ قرن اول کے مسلمانوں سے تمہاری کون سی بنائے اشتراک باقی ہے؟ تم وہ مقام کھو بیٹھے جو انہیں حاصل تھا اور آج ان کی طرح تمہیں کسی معاملے میں سبقت حاصل نہیں۔ تمہارے قدموں میں آگے بڑھنے کے ولولے تو درکنار تم سر راہ رکے کھڑے ہو۔ نہیں بلکہ تم دن بدن زوال پذیر ہو۔ تم میں اگر کوئی حرکت ہے تو عذاب مہین کی طرف۔ وہ تمہارے اسلاف اور پیش روہی تو تھے جن کے قدم جانب منزل آگے ہی آگے بڑھے جا رہے تھے اور وہ اپنی منزل مراد پالینے کے باعث مقربین خاص کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔ یہ اس لئے کہ انہیں دین حق کی راہوں پر ایمان کامل حاصل تھا اور ایک تم ہو کہ تمہارے لئے آگے بڑھنا ممکن نہ رہا اور تم پسپائی پر پسپائی اختیار کئے چلے جا رہے ہو۔ تمہارے معاملات زندگی میں خرابیاں بپا ہوتی گئیں اور اسی طرح آخرت برباد ہوتی گئی۔ تمہارے قدم اپنی منزل مقصود سے ایسے بھٹکے کہ تم سنگ راہ بن کر رہ گئے اور تم میں کوئی استطاعت باقی نہ رہی۔ تم اپنے مقام کو بھول گئے اور اس کے نتیجے میں خدا نے تمہیں بھلا دیا اور تمہاری کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہی۔ (ص ۱۰-۱۱)

کارگاہ عمل سے گریز کی راہیں

ہاں! تم نے عقائد و نظریات اور الفاظ و اقوال کا مکر اختیار کیا۔ کار گاہ عمل سے جان بچانے کی کوشش کی اور مقام مومن پر فائز رہنے کی بجائے نظریات و معتقدات اور الفاظ و اقوال کے گورکھ دھندے میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ تم نے کلام خداوندی کے مفہوم و معانی میں دل لگتی تاویلیں پیدا کرلیں۔ خدا کے امتحاں طلب اور مشکل پسند دین کو سہل انگاری میں بدل لیا اور اس کی حسب حال تفسیریں وضع کرلیں۔ تم نے اس پورے دین سے کنارہ کشی اختیار کی جو عملاً متشکل ہوتا ہے اور واضح نتائج مرتب

کرتا ہے۔ تم نے احکام ربانی کا مذاق اڑایا۔ اس کے دین کو کھیل تماشے میں تبدیل کیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑھا چڑھا کر اہمیت دی اور اس کے ارفع و اعلیٰ اصولوں میں ارادتاً اور مکاری سے تخفیف کی اور ان لوگوں کی طرح غلوا فی الدین کا ارتکاب کیا جن کے بارے میں ارشاد باری یہ ہے کہ "وہ بعض فرمودات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے کفر اختیار کرتے ہیں"۔ لیکن زبان سے دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ پورے کے پورے پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی کیفیت یہودیوں کی سی ہے جو خود فریبی کا شکار ہیں۔ (ص ۱۱)

جنت کا انتظار

خدا پر ایمان کے دعوے دارو! سوچو کہ منکرین خدا سے جہاد بالسیف کا مقصد کیا تھا؟ جہاد جان و مال کے احکام کیوں صادر ہوئے تھے؟ ہجرت کی آزمائشیں کس لئے تھیں؟ صوم وصلوۃ کی غرض و غایت کیا تھی؟ حج اور زکواۃ میں کیا حکمت مضمر تھی؟ صلح و اتحاد پر کیوں زور دیا گیا تھا؟ اولوالامر کی اطاعت میں کیا راز نہاں تھا؟ خدا سے بندھے رہنے کی ماہیت کیا تھی؟ عبادت شیطان کی ممانعت کیوں تھی؟ احکام خداوندی کی اطاعت عقل و بصیرت کو کیا دعوت دے رہی ہے؟ کیا یہ سب کچھ اس لئے نہیں تھا کہ اس کی بدولت تمہیں غلبہ حاصل ہو اور دشمنان دین سرنگوں ہو کر رہ جائیں؟ سوچو کہ خلفائے راشدین اور سلاطین اولین کیا نشان راہ عطا کرتے ہیں اور میدان جنگ کے شہدائے کرام اور عساکر اسلام کے تاریخی کارناموں سے اس کے سوا اور کیا سبق ملتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں ویسا ہی صلاحیت بخش انقلاب پیدا کرو اور ان صالحین کا راستہ اختیار کرو جو خوف و حزن سے نجات پاگئے۔ یہ ممکن نہیں کہ اس حیات دنیوی میں تم حرماں نصیبی کا شکار رہو اور حیات آخروی میں تعظیم و تکریم سے سرفرازیاں پاسکو۔ کیا تمہارے لئے خدا کا دین اور آیات قرآن حکیم منسوخ قرار پاگئی ہیں؟ کیا تم ان پر عمل پیرا ہونے کے مکلف نہیں رہے؟ ہاں، تمہارے پاس جو سرمایہ دین باقی ہے وہ کلمہ شہادت، متشرع داڑھیوں اور دستار فضیلت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس سرمایہ کی خود فریبی میں تم جنت کے منتظر بیٹھے ہو۔ ہاں، خوب انتظار کرو! میں بھی اس انتظار میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ (ص ۱۲)

قانون خداوندی کے مواخذہ کی زد میں

اے لشکر اسلام کے منتشر سپاہیو! جو خدا کی زمین پر اپنی توانائیاں کھو بیٹھے اور اپنے مقام بلند سے بے نصیب ہوگئے خداوند تعالیٰ نے تمہارے لئے ہی تو فرمایا تھا کہ "خدا سے تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور اپنی صفوں میں صلح قائم رکھو اور اگر تم اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو تو خدا و رسول کے اطاعت کیش بنو" (۸/۱) اور ہاں خدا نے تمہارے لئے یہ بھی تو ارشاد فرمایا تھا کہ "یقیناً اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تم بھائیوں کے مابین صلح قائم رہنی چاہئے اور خدا سے تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہئے تاکہ اس کی رحمتیں تمہارے شامل حال رہیں" (۴۹/۱۰)

سوچو کیا تم واقعی بھائیوں کی طرح آپس میں صلح کی صورت برقرار رکھے ہوئے ہو اور کیا تم واقعی مقام مومنین پر فائز ہو؟ کیا تم ایک ہی سلک تنظیم میں منسلک ہو؟ کیا تم واقعی اخوت باہمی سے سرشار ہو؟ کیا تم میں نظم و نسق، وحدت امت، اطاعت و مواخات اور انس و تعاون کی خصوصیات باقی ہیں؟ کیا تم میں خوف عذاب، طمع ثواب، فساد سے بیزاری اور صلح سے رغبت کے وہ اوصاف موجود ہیں جو تمہارے دعویٰ ایمان کی صداقت کی شہادت بن سکیں؟ کیا تم اپنے اولی الامر کی اطاعت اختیار کئے ہو اور کیا تم اپنے تنازعات میں خدا کے فیصلوں پر تکیہ کر رہے ہو؟ اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو وہ تمہیں اس کا حکم دے رہا ہے۔کیا تم امارت و جماعت کے اصول پر کاربند ہو؟ کیا تم میں امیر و امارت اور ان کے احکام کے نفاذ کی کوئی شکل و صورت باقی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ تم ریگ بیابانی اور کنکریوں کی طرح بکھر گئے ہو۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسی صورت میں جبکہ تم مفسدین کے زمرے میں شامل ہوگئے ہو۔ خدا کا قانون تمہارا مواخذہ نہ کرتا اور تم اس کے محاسبے سے بچ جاتے۔ (ص ۱۳)

مرکز وحدت سے روگردانی

تم نے ہر دور میں نئے نئے مذاہب اور شریعتیں ایجاد کیں۔ ہر زمانے میں نئے نئے مسلک و مشرب وضع کئے اور یہ سب کچھ اس دین حق کے ساتھ بیتی جسے رضائے خداوندی نے تمہیں عطا کیا تھا۔ تم نے اس دین سے روگردانی اختیار کی اور اپنے علمائے

کرام اور بزرگان عظام کے آراء و قیاسات کے اطاعت گزار بن گئے۔ تم جہلا و سفہا کی ابلہ فریبی کا شکار ہو گئے۔ تم میں سے ہر ایک اس راہ سے بھٹک گیا۔ جو خدا و رسول نے تمہارے لئے متعین کی تھی اور جس کی بدولت امت میں وحدت قائم تھی۔ تم نے بہتان طرازیوں سے کام لیا اور مصلحین کرام کے غلام بن گئے۔ جنہوں نے نہ کبھی تمہیں اپنے اتباع کی دعوت دی اور نہ نئی نئی راہیں اختیار کرنے کا سبق دیا۔ ہاں! تم نے خدا سے رشتہ وحدت کو توڑا اور اسے چھوڑ کر اپنے احبار و رھبان ' اپنے اولیاء و اصفیا' بندگان ہوس و جاہ اور ارباب فتنہ و شر کے حلقہ بگوش بن گئے۔ تم نے قربت خداوندی کی طرح ان کی عبودیت اختیار کرلی تاکہ ان کی وساطت سے خدا تک رسائی پاسکو۔ جنت کے ایوانوں میں ٹھکانہ میسر آئے۔ تم پر علم غیب کے دروازے کھل سکیں۔ ان کی شفاعت حاصل ہو تمہاری مرادیں پوری ہوں اور درجات بلند پاسکو۔ حالانکہ تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ خالص دین خداوندی کے اطاعت گزار رہو تاکہ تمہاری زندگی کی کشتیاں اس مضبوط لنگر سے وابستہ رہیں۔ (ص ۱۴)

اقوام مغرب کا سلسلہ تسخیر کائنات

آج ملائکہ آسمانی اس قوم (اہل مغرب) کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ بجلی کا فرشتہ صبح و شام ان کا حق خدمت ادا کر رہا ہے۔ ان کی سواریاں روئے زمین پر دوڑ رہی ہیں۔ ان کے پیغامات و اعلانات مغرب سے مشرق تک آنکھ کی جھپک میں پہنچ رہے ہیں۔ ان کے شہر اور مضافات ایک بٹن دبانے سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ ان کی قیام

گاہیں شدت گرما میں برف کی طرح اور یخ بستہ سردیوں میں گرما گرم ہوتی ہیں۔ انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر تک چند لمحوں میں سلسلہ گفتگو کے اجراء پر قدرت حاصل ہے اور اس کی بدولت وہ خدا کا شکر ادا کرنے اور اس کی عظمت کو خراج تحسین پیش کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ (ص ۴۶۔۴۴)

ارکان اسلام نہیں۔۔۔۔ شعائر اسلام

تمہیں خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسلام کی بنا ان امور پر

قطعاً" نہیں جو تم فرض کئے بیٹھے ہو کلمہ شہادت، صوم و صلواۃ، حج و زکواۃ، جنہیں تم نے ارکان اسلام کا نام دے رکھا ہے، دراصل امت محمدیہ کے وہ شعائر و مناسک ہیں جو امت محمدیہ اور دیگر امتوں کے مابین خط امتیاز کھینچتے ہیں۔ یہ بنائے اسلام ہرگز نہیں۔ اور نہ یہ اللہ کی وہ فطرت ہیں جس پر فطرت انسانی کا شعور و ارتقاء ہوا اور نہ ہی یہ کوئی ایسی بنائے تخلیق ہیں جس پر کسی شے کی ولادت عمل میں آئے۔ نہ ہی ان پر امتوں کی فلاح کا انحصار ہے اور نہ ہی خدا نے ان کا ذکر سلسلہ کائنات سے معنون کیا ہے نہ ہی انبیائے کرام کو اس کی وصیت کی گئی بلکہ خدا نے قرآن میں کلمہ شہادت اور اس کے الفاظ تک کی تعیین نہیں کی۔ صلواۃ کے ارکان اور اس کی رکعتوں تک کی تفصیل موجود نہیں، اس کی تعداد اور اوقات کا ذکر تک نہیں کہ، مال کے انفاق و زکوٰۃ کا بیان نہیں۔ حج کے مناسک نہیں ملتے۔ اس نے ان سب تعیین و تبیئن کا معاملہ رسول عربی پر چھوڑ دیا کہ وہ جیسا ضروری سمجھے، ان کا نفاذ عمل میں لائے۔ الا یہ کہ اس نے بار بار ان کا اعادہ کیا اور اس نقطہ نظر سے ان پر مسلسل زور دیا کہ ان شعائر کی بدولت ہمارے اعمال میں صلاحیت پیدا ہو اور لخلاقی تشکیل عمل میں آئے۔ اس سے ہمارے قلوب میں ایمان کی روشنی ابھرے۔ (ص ۵۶)

اسلام کے دس اصول جو توحید کے سرچشمہ حیات سے ابھرے

یاد رکھو کہ اسلام کی اساس و بنیاد دس اصولوں پر ہے اور یہ دس اصول حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قول کی بجائے خالص و حدت عمل (۲) وحدت امت (۳) اطاعت اولی الامر (۴) دشمنوں کے خلاف جہاد بالمال (۵) شمشیر بکف جان کی بازی (۶) گھربار سے ہجرت اور ہر اس شے کی قربانی جو سعی وجہد میں رکاوٹ ہو (۷) جدوجہد میں عزم و استقلال اور اس کے نتائج پر بھرپور یقین (۹) مکارم اخلاق (۹) علم اور (۱۰) آخرت پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان۔

جو افراد و اقوام ان دس اصولوں کو عملاً اور معناً" اختیار کرتے ہیں، مسلمان قرار پاتے ہیں۔ ان میں سے ہر اصول اپنے طور پر مکمل ہے او ریہ سب اپنے اصل الاصول یعنی توحید فی العمل پر قائم ہیں۔ قرآن کے تمام اوامر ونواہی انہی اصولوں کے مختلف

برگ و بار ہیں اور ہر وہ شئے جو ان اصولوں پر ابھرتی ہے فی الحقیقت توحید کے سرچشمہ حیات سے جنم لیتی ہے اور جو قومیں انہیں وظیفہ عمل بناتی ہیں لازماً غلبہ و امن او رتمکن و استخلاف فی الارض کے انعامات سے سرفراز ہوتی ہیں۔ یہی حقیقت کبریٰ خدا کا وہ قانون تخلیق ہے جس پر فطرت انسانی کو نشو و ارتقاء حاصل ہوا اور جس فرد یا قوم نے بھی ان اصولوں کی بنا پر اطاعت خداوندی کا حق ادا کیا' اس حیات دینوی میں اپنا انعام پایا۔ اور جس کسی نے ان سے گریز کی راہیں اور بغاوت اختیار کی۔ خدا کے عذاب سے دوچار ہوا۔ یہی وہ حقیقت ازلی و ابدی تھی جو انبیائے سابقہ پر جزواً" جزواً" نازل ہوئی تاآنکہ خدا نے ہمارے نبی اکرم علیہ الصلواۃ والسلام پر اپنے دین و شریعت کی تکمیل اور اپنی نعمتوں کا اتمام کر دیا۔ (ص ۵۶۔ ۵۷)

اسلام کے مناسک

کلمہ شہادت صوم و صلواۃ' حج و زکواۃ' جنہیں ہمارے ہاں ارکان اسلام سے موسوم کیا جاتا ہے' اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ان کی وساطت سے اسلام کے دس متذکرہ اصولوں کو امت میں جاری و ساری رکھا جائے جو حقائق خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ہمیں عطا کئے گئے۔ یہ ان سے ہرگز متمسک نہیں۔ یہ کلمہ شہادت بجز ایں نیست کہ توحید فی العمل کا آئینہ دار ہے اور قلب انسانی کی داخلی کیفیات کا مصداق۔ یہ روزہ جہاد نفس اور اس کے احتساب کے سوا کیا ہے؟ یہ صلواۃ وحدت امت اور وحدت امامت کے سوا اور کیا سبق دیتی ہے؟ یہ زکواۃ جہاد مال کے سوا اور کیا مقصد رکھتی ہے؟ یہ حج کا اجتماع اس کے سوا کیا ہے کہ اس کی بدولت امت کی وحدت نمایاں ہوتی ہے۔ یہ تمام ارکان اسلام' قیام جماعت کی اصل و اساس بنتے ہیں اور اس کی نظری وحدت و قوت کو خدا کی زمین پر استقلال اور استخلاف عطا کرتے ہیں۔ یہ اسلام کے ان دس اصولوں میں سے ہرگز نہیں جنہیں ارواح امراللہ تعالیٰ یا اس کا قانون کہا گیا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"اور اس طرح ہم نے تیری طرف اپنی روح امروحی کی تو نہیں سمجھ سکتا تھا کہ الکتب کیا ہے اور الایمان کیا ہے لیکن ہم نے اسے نور ہدایت کی صورت دی جس کی وساطت سے ہم اپنی مشیت کے مطابق اپنے بندوں کو

راہ ہدایت دکھائیں گے اور (اے نبیؐ) تو خود بھی صراط مستقیم کا سراغ دے رہا ہے" (۴۲:۵۲)

فلہذا یہ ارکان (بنائے اسلام نہیں بلکہ) امت کے مناسک اور ایمان کے ظواہر ہیں- یہ اصل دین نہیں بلک اس کے برگ و بار ہیں- یہ امر خداوندی سے ابھرے ہیں- اسی بنا پر خدائے عزو جل نے فرمایا-

"ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ مقرر کردیا جس پر انہوں نے چلنا تھا- سو ان لوگوں کو چاہئے کہ یہ تجھ سے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کریں- تو انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دیتا چلا جا" (۲۲:۶۷)

اس لئے اسے پیش نظر رکھو کہ خدا نے اپنے قانون کی رو سے ہر امت کے لئے اپنی عبادت کا ایک طریق و اسلوب متعین کر دیا ہے اور ہر امت کو چاہئے کہ اس طریق و اسلوب پر قائم رہے لیکن جہاں تک اس کے امرو قانون کا تعلق ہے وہ ایسی قطعی اور آخری شئے ہے جو تمام امتوں پر مستولی ہے ان میں سے بعض امتیں اس پر چل رہی ہیں اور بعض نے دوسری راہیں اختیار کر رکھی ہیں- وہ ان سب کی سعی و عمل کے مطابق ان کا اجر دے رہا ہے اور سب کا احتساب کئے ہوئے ہے- (ص ۵۷)

عروج اقوام کے شہ نشان

لاریب کہ اسلام کے یہ دس اصول قرآنی احکام کا سرچشمہ ہیں- یہی قانون فطرت ہے اور روئے زمین کے کسی گوشے میں جو قوم بھی انہیں نشان راہ بنائے ہوئے ہے وہ اس کی نفع بخشیوں سے کام لے کر زوال و شکست کے خطرات سے محفوظ ہے- عروج و اقبال کے مقامات بلند اس کے قدم لے رہے ہیں- روئے زمین پر غلبہ و تمکن اسی کا سرمایہ حیات ہے اور ہر قسم کے اندیشہ ہائے دور دراز سے بالا تر ہو کر وہ امن و اطمینان کی فضا میں زندگی بسر کر رہی ہے- وہ تمام قومیں جو ان اصولوں پر گامزن ہو کر جہاد زندگانی کا حق ادا کر رہی ہیں اپنے نظام میں ان کی اہمیت ذہن نشین کئے ہوئے ہیں حسب استطاعت سعی وجہد سے کام لے رہی ہیں اور ان کے ذوق یقین میں کوئی تزلزل بپا نہیں- ان کی کھیتیاں پروان چڑھ رہی ہیں اور یہی ہیں دولت ایمان سے مالا مال اور قانون خداوندی کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کئے ہوئے-

حکمائے مغرب نے یہ تمام تر اسلام عالم طبعیات سے اخذ کیا اور انسانی و حیوانی زندگی کی ان ارتقا پذیر اشکال و تماثیل کے مطالعہ سے، جس کا ذکر اس سے قبل ایک آیت قرآنی میں آچکا ہے۔ قرون سابقہ کے ارباب دانش میں سے کوئی بھی اس مقام تحقیق تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ اب ان کا سلسلہ تحقیق، طبقات ارض اور ان سے متعلق حجرات و جمادات و نباتات، حقائق الاشیا اور امم سابقہ کی تاریخ تک جا پہنچا ہے۔ اسی سعی و کاوش نے ان پر اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ نظام کائنات کی بنیاد تمام تر سعی و عمل، جدوجہد اور نظم و نسق پر ہے اور جس کسی میں یہ صلاحیت نہیں اس کے لئے فلاح کی کوئی صورت نہیں۔ یہ صلاحیت اسی میں رونما ہوگی جس نے تمام مخالفانہ قوتوں اور ابتلاؤں اور تمام حوادث و نوائب کے مقابلہ میں اپنی ذات کا تحفظ کیا اور امکان کی آخری حد تک منظم قوت اور علم و بصیرت کے زور پر اپنی بھرپور تیاریاں جاری رکھیں۔ (۵۸-۵۹)

رزم گہ حیات میں اقوام غالب کی پنجہ آزمائیاں

خدا کی یہ زمین درحقیقت ایک رزم گاہ حیات ہے جہاں پیکران قوت و شجاعت کی ایک دوسرے سے پنجہ آزمائیوں کا سلسلہ اس لئے جاری و ساری ہے کہ بقائے حیات کی توانائیوں کو اس جنگ و جدل میں نشو و ارتقاء حاصل ہو۔ دشمنوں کی طول و طویل تیاریوں کے مقابلے میں تحفظ خویش کی قوتیں منظم و مضبوط تر ہوتی چلی جائیں اور اس طرح کارگہ حیات میں اپنے استحقاق کی شہادت مہیا کر دی جائے۔ ان قوموں سے کسی دوسری قوم کی ہمسری کا دعوٰی اس وقت تک ممکن نہیں تا آنکہ اس قوم کے افراد تزکیہ نفس سے کام لیں اور ایسے دلوں کو حیات دنیوی، مال و اولاد، مکافات اور ہر اس دوسری شے کی محبت سے پاک کر ڈالیں جو اس کے سعی و عمل اور جدوجہد میں بت بن کر حائل ہوں اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اعمال میں وحدت پیدا ہو۔ دلوں کا رشتہ احکم الحاکمین سے بندھا ہو، ماسوا اللہ سے قطعی روگردانی اختیار کر لی جائے۔ یہی اصلاح انسانی کی اساس ہے اور تمام اصول حیات کی بنیاد، اسی پر اقوام غالب کی سیاسی عظمت کا انحصار ہے اور یہی ان کے ہاں صلاح و ارتقاء اور علمی نشو و نما کی بنا قرار پائے ہوئے ہے۔ جس قوم نے اس حقیقت کو سمجھ لیا، اس نے موت و حیات کا راز پا لیا اور فنا و بقاء کی

حقیقت الم نشرح کر ڈالی۔ جس قوم نے اس سے انحراف کیا وہ لازماً" ہلاکت کا شکار ہوئی اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ (ص 59)

قیام صلواۃ کے مفہوم سے بے نصیب

یاد رکھو کہ قیام صلواۃ کا مفہوم وہ نہیں جو تم نے اپنے زعم باطل میں اختیار کر رکھا ہے۔ اس سے مراد نظم و نسق تھا۔ وحدت امت تھی، اطاعت امیر تھی، تالیف قلوب تھی، تحفظ خویش تھا، دشمنوں سے جہاد تھا، محاسبہ و میزان کا قیام تھا، لیکن تم اس حقیقت کو کھو بیٹھے۔ ہاں! اس سے مقصود بحرو بر پر تسلط تھا جیسا کہ تم بحری جانوروں اور فضائی پرندوں میں سامنے پاتے ہو۔ آہ! تمہیں کیا ہوگیا کہ تم نہ قیام صلواۃ کا مقصد پورا کر سکے اور نہ فوز و فلاح پانے کے قابل ہو سکے۔ لیکن اہل مغرب نے صلواۃ کا مفہوم و مقصود ضرور پالیا اور اس کی بدولت انہوں نے زمین کی وسعتوں اور سمندروں کی گہرائیوں میں اپنے مراکز قائم کر لئے اور اس طرح وہ نہ صرف خدا کی تحمید و تسبیح کے قابل ہوگئے بلکہ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی پاگئے۔ وہ راہیں پا گئے جن پر چلتے ہوئے خدا کے انعام حاصل ہوتے ہیں اور خدا کے غضب اور ضلالت سے نجات میسر آتی ہے۔

آہ! اے جہل کے پرستارو تم نہ سمجھ سکے کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ (ص ۶۴)

صراط مستقیم سے روگردانی

خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں تمہیں "صراط مستقیم" کی حقیقت بجھائی تھی۔ ہارونؑ و موسیٰؑ کی داستان میں اسی کی نشاندہی کی گئی۔ وہ اپنی قوم کو امن و سلامتی کی منزل پر لے گئے اور جنت ارضی کی خوشگواریوں سے انہیں مالا مال کردیا۔ یہی وہ راہ تھی جس سے ان کی آئندہ نسلوں نے ہر گشتگی اختیار کرلی۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ:

"یہ ہارونؑ و موسیٰؑ پر ہمارا احسان عظیم تھا کہ ہم نے انہیں ان کی قوم سمیت ایک ابتلائے عظیم سے نجات دلائی اور ہماری تائید و نصرت کے صدقے میں انہیں غلبہ میسر آیا۔ ہم نے انہیں ایک کتاب مبین عطا کی اور اس کی وساطت سے صراط مستقیم کا سراغ دیا۔ ان کے جانشین اس راہ ہدایت کو

اپنائے رہے۔ موسیٰؑ و ہارونؑ پر ہمارا سلام ہو۔ ہم حسن کارانہ طریق زندگی کے جادہ پیاؤں کو ایسے ہی اپنے لطف و کرم سے نوازا کرتے ہیں۔ (۳۷: ۱۱۴۔ ۱۲۲)

خدا کی اس وضاحت کے بعد بھی اگر تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ ایک مالا کے دانوں پر خدا کے ناموں کی گردش کا مفہوم ہی اس کی تسبیح کے مترادف ہے تو تم یقیناً جہل میں مبتلا ہو۔ تمہارے رسولؐ نے تو اپنی زندگی میں یہ عجیب و غریب ہتھیار کبھی استعمال نہیں کیا تھا تاکہ اس سے کوئی فلاح ملتی۔ تمہیں کیا ہوگیا کہ تم نے تدبر سے کام لینا چھوڑ دیا۔ جہالت سے لو لگائی اور کتاب اللہ کے مفہوم و معانی تک بدل ڈالے۔ (ص ۶۴۔۶۵)

نرا زبانی قول و اقرار

ظہور اسلام سے قبل، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے عربوں، یہود و نصاریٰ اور منافقین کی اکثریت زبانوں سے یہی اقرار کرتی تھی کہ ارض و سماء کا خالق خدا ہے اور تمہیں اس کا علم ہونا چاہئے کہ وہ عقیدۃ" یہ اقرار کیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر خدائے تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

"جب ان سے سوال کیا جائے کہ زمین و آسمان کس نے پیدا کئے تو لامحالہ وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ۔اس پر تیری زبان سے والہانہ طور پر الحمدللہ کی صدا بلند ہونی چاہئے۔ لیکن یاد رکھئے کہ ان میں سے اکثر اس کا شعور نہیں رکھتے (کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی ان کے پاس عملی شہادت کیا ہے" (۳۱/۲۵)

ان کا یہ قول و قرار علم و یقین سے اسی طرح بے نصیب تھا جس طرح آج تمہارے زبانی دعوے، جن کی صداقت کی کوئی سند تمہارے پاس بروئے علم و بصیرت موجود نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ خدا ان لوگوں کو مسلمان قرار دینے کے لئے تیار نہیں تھا اور انہیں مشرکین کا نام دیا گیا جس طرح آج تم زبانی طور پر کہتے ہو کہ سورج اور چاند خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں یقیناً اسی طرح وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ:

"جب ان سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمانوں کا خالق کون ہے اور آفتاب

وماہتاب کس کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ خدا کے۔
لیکن یہ جواب ان کے عمل سے مطابقت نہیں رکھتا۔ (۲۹/۶۱)

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تمہاری طرح زبانی طور پر ان کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ بارشوں کا نزول خدا کی قدرت سے عمل میں آتا ہے اور اسی کی ذات مردہ زمینوں کو شادابیاں عطا کرتی ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ:

"جب ان سے پوچھا جائے کہ آسمانوں سے بارش کس نے برسائی اور اس کی بدونت مردہ زمین کو زندگی کس نے عطا کی' تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ خدا نے۔ تمہارے لئے یہ خدا کی حمد و ستائش کا موجب ہوگا لیکن اس کا کیا علاج کہ ان میں سے اکثر نے اس حقیقت کو سمجھا نہیں۔ (۲۹/۶۳)

جس طرح آج تمہاری زبانوں پر دن رات خدا کی تحمید و تقدیس کا ورد جاری رہتا ہے اسی طرح وہ بھی اپنے لبوں پر خدا کے اسماء و صفات کی تکرار جاری رکھتے ہیں۔ اگر خدا کی توحید اسی کا نام ہے کہ زبانی قول و اقرار سے کام لیتے ہوئے خدا کو ارض و سماء اور شمس و قمر کا خالق مان لیا جائے اور یہ تسلیم کرلیا جائے کہ باران رحمت کا نزول اسی کی شان قدرت سے مخصوص ہے اور اس اقرار کا علم و بصیرت' تدبر و تفکر اور عملی شہادت سے کوئی واسطہ نہ ہو تو پھر مجھے بتاؤ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دور کے لوگوں کو جو ان حقائق کا تمہاری طرح زبانی اقرار کرتے تھے' مسلمان اور توحید پرست تسلیم کرنے کی بجائے کفار و مشرکین کیوں قرار دیا گیا؟ جواب دو کہ ان کی ہدایت کے لئے رسولؐ عربی کو مبعوث کرنے کی ضرورت کیا پڑی تھی؟ (ص۶۶-۶۷)

منشائے عبادت سے بے نصیب

رہبانیت کا راستہ اختیار کر کے راہ حق سے بھٹک جانے والے مفترو! سنو کہ عبادت وہ ہے جو تمہیں قوت بخشے اور خدا کی نعمتوں سے مالا مال کر دے۔ جو تمہارے لئے یہاں جنت ارضی کی بساط بچھا دے اور اس میں نہروں اور چشموں کی روانی سے فضائیں جھوم اٹھیں۔ جو تمہارے مال و اولاد کو راہ جہاد میں رفیق سفر بنا سکے۔ تمہارے خوف و حزن کو امن و اطمینان میں بدل دے۔ تمہیں خلافت ارضی پر فائز کر سکے۔اور حیات دنیوی میں خدا کی ان بشارتوں سے بہرہ ور فرمائے جن کے تم آرزو مند ہو۔

سوچو کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو قانون خداوندی کی ان صداقتوں کو جھٹلائے اور تاویل معانی کا مرتکب ہو (۶:۹۴) اور یہ کہنے کی جرات کرے کہ:

"(معاذ اللہ) قرآن حکیم فلاح و ہدایت پر قادر نہیں۔ حالانکہ یہی کتاب عظیم ہے جو ہر اس قوم کو منزل مراد عطا کرتی ہے جو عزم سفر رکھتی ہے اور اہل ایمان کی جو جماعت اعمال صالحہ کا سرمایہ لے کر رزم آرا ہوتی ہے اسے اجر عظیم کی بشارت دیتی ہے۔ (۷:۹۱)

آخر تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ وہی قومیں خدا کے عذاب میں مبتلا ہوتی ہیں جو یا تو اس کے قوانین سے بے بہرہ ہیں یا پھر ان کے مفہوم و مقاصد میں تحریف پیدا کر لیتی ہیں اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا لیکن وہ خود ضرور فریب نفس کا شکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ (ص ۶۸)

توحید فی العمل کا تقاضا

اگر قرآن کی توحید سے مراد یہ ہوتی کہ خدا کے ایک اور خالق کل ہونے کا زبان سے اقرار کر لیا جائے اسے قولاً" سب سے بڑا صاحب عزت اور صاحب علم مان لیا جائے تو ایسا زبانی اقرار تو عہد نبوت کے کفار بھی کرتے تھے۔ اس لئے یاد رکھو کہ اگر تصور توحید خدا کی عملاً فرماں پذیری' اطاعت امیر' اتباع قانون' جذب و مستی اور ترک ماسوا پر مشتمل نہیں۔ اگر تم اس کی راہ میں ہر دوسرے لات و منات کے آستانوں سے قطع تعلق نہیں کرتے۔ اگر اس کے مقابلے میں خود ساختہ اولیاؤں اور آقاؤں کی عبادت سے توبہ اختیار نہیں کرتے۔ اگر ارباب دولت و اقتدار کی بار گاہوں اور لذات و شہوات کی سرمستیوں سے دستکش نہیں ہوتے اگر مال و اولاد کی محبت اور ان دوسری دل فریبیوں سے' جو احکام خداوندی کی اطاعت میں حائل ہیں' منہ نہیں موڑتے' اگر ان بتوں کی پرستش سے روگردانی اختیار نہیں کرتے' جو تم نے اپنے دلوں کے بتکدوں میں سجا رکھے ہیں تو پھر اسے یاد رکھو کہ تم سے قبل کفار بھی انہی کی عبادت میں کھوئے ہوئے تھے۔ مجھے بتاؤ کہ خدا نے کیوں نہ ان کے نمائشی دعووں کو قابل قبول سمجھا؟ کیوں اسے خود فریبی اور خدا فریبی سے موسوم کیا؟ (ص ۶۸)

خدا کی توحید اور عملی زندگی میں اس کے نتائج کا ظہور

یاد رکھو کہ خدا کی توحید کا ظہور بروئے عمل ہوتا ہے اور تمہارا خدا تمہیں دعوت دیتا ہے کہ عملی حقائق کی روشنی میں اس کی شان ربوبیت کو سمجھو اور اس کی سنت پر عبور حاصل کرو، اس نے تمہارے علم و بصیرت کو اشیائے کائنات کی تسخیر کی دعوت دی اور یہ دعوت تسخیر اس لئے تھی کہ تم خدا اور اس کے قانون کی معرفت پانے کے قابل ہو سکو اور روئے زمین پر اقوام غالب کے زمرے میں شریک ہو سکو۔ توحید یہ نہیں کہ پتھر کے بتوں سے تو پرہیز کرو مگر دلوں میں وہ بت خانے بسائے رکھو جو تمہاری سعی و عمل کی راہیں مسدود کر ڈالیں بلکہ خدا کی دعوت یہ ہے کہ تم اپنے نفوس کو وحدت ربانی سے ہم آہنگ کر دو تاکہ اس وساطت سے تمہارے دلوں میں ائتلاف باہمی کی صورت نمایاں ہو اور تم روئے زمین پر اپنی اجتماعی جدوجہد میں شدت سے کام لو اور یہ جدوجہد اس شان سے آگے بڑھے کہ وہ تمام رکاوٹیں جو تمہاری منظم قوتوں اور ربط باہمی کی گرم رفتاری میں حائل ہوں زیر و زبر ہو کر رہ جائیں اور تم خدا کی زمین پر تمکن پا سکو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

> "جو کوئی بھی جدوجہد کرے گا وہ اس کی ذات کے لئے ہوگی، بے شک خدا کی ذات اہل جہاں کے اس سود و زیاں سے بے نیاز ہے(۲۹/۶)
> (ص ۶۸:۶۹)

زبانی دعووں کی نقاب کشائی

جہالت اور خود فریبی کا شکار ہو جانے والے مسلمانو! سنو کہ شرک کا قرآنی مفہوم پتھر کے بتوں کی پرستش نہیں۔ یہ سب تمہارے رسمی قول و قرار ہیں کہ وہ خدائے واحد ہے۔ تم دلوں میں بسائے ہوئے بتوں کے پجاری بن گئے اور انہی کو کعبہ مقصود بنائے بیٹھے ہو۔ تمہارے اولیاء و اصفیاء تمہارے معبود ہیں اور خدا سے منہ موڑ کر تم نے اپنے احبار و رہبان کے آستانوں پر سر جھکا دیئے اور تمہارا محض زبانی افترا ہے کہ وہ تمہیں نشو ونما دینے والا اور تمہارا رازق ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر تمہارے حکمران اور زمینی آقا تمہارے معبود قرار پا گئے۔ تم نے انہیں اپنے دلوں میں

جگہ دی۔ انہیں اپنی جدوجہد کا مرکز و محور بنالیا اور خدا کی راہ میں جہاد اور اس کے احکام پر جانیں لڑانے سے روگردانی اختیار کرلی۔ فی سبیل اللہ سعی و عمل سے منہ موڑ لیا اور ان جاہلوں کی سی پستی تک پہنچ گئے جنہیں نہ ارض و سماء کے حقائق کا کوئی علم ہے اور نہ اس کی ملکوت اور قانون کی کوئی خبر' جو صحیفہ فطرت کے پیچ و خم کے معرفت سے بے نصیب ہیں اور سلسلہ طبعیات کی تسخیر سے ناآشنا محروم۔ ہاں تم خدا کے قانون مشیت سے بے بہرہ ہو اور تمہاری سعی و کاوش علم و بصیرت کی روشنی سے خالی۔ راہ خداوندی سے تمہاری وابستگی رشد و ہدایت سے تہی داماں ہے اور تمہارے زبانی دعوے عمل کی کار فرمائی سے عاری۔ تم نے خدا کی کتاب سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور چہ خوب کہ اس کے باوجود تمہارا دعوے یہ ہے کہ تمہیں اس کا علم حاصل ہے۔ (ص ۶۹)

بروئے قرآن مشرک کون ہیں؟

خدا کے غضب اور ضلالت میں مبتلا ہوجانے والو! سنو کہ شرک اس کے سوا اور کچھ نہیں جو تمہیں سعی و جہد سے محروم کردے۔ یعنی جو امت کی وحدت اور اتحاد کو انتشار و افتراق کا شکار بنادے' وہی شرک سے عبارت ہے۔ اے کاش کہ تم اس حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو سکو۔ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے خدا نے فرمایا کہ:

> "دین کو قائم رکھو اور اپنے میں تفرقہ مت پیدا کرو۔ یہی وہ دعوت ہے جو مشرکین پر گراں گزرتی ہے۔ (۴۲/۱۳)

اس سے واضح ہوا کہ شرک وہ ہے جو صلح و اتحاد کی راہ میں رکاوٹ ہو اور مشرکین وہ ہیں جو زمین پر فساد برپا کریں اور صلح و اتحاد کے مخالف ہوں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے بت کا پجاری ہوتا ہے اور دوسروں سے علیحدگی پسند کرتا ہے لیکن خدا کی رضا و منشاء یہ ہے کہ تم میں وحدت استوار ہو۔ تمہاری جمعیت باہمی برقرار رہے اور اس کی بدولت تمہیں قوت حاصل ہو۔ اے کاش کہ تم اس حقیقت کو جان لو' خدا کی زمین پر اگر کوئی قوم متحد ہے اور اس نے اپنی صفوں میں صلح و وحدت پیدا کر رکھی ہے تو یہ صرف اس لئے ہے کہ اس نے اپنے دلوں کو خواہشات و لذات نفسانی سے پاک رکھا ہے۔ یہی پاکیزگی ان کے دلوں کو شیر و شکر رکھے ہوئے ہے اور انہی کا شمار توحید

پرستوں کے زمرے میں ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا:

"مشرک نہ بن جانا' مشرک وہ ہیں جنھوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور گروہوں میں بٹ گئے' ان میں سے ہر گروہ خود فریبی میں مگن ہے" (۳۰-۳۱-۳۲) (ص ۷۲)

توحید اور شرک کی متمیز راہیں

پس خدا کی توحید' وحدت امت کا دوسرا نام ہے بشرطیکہ تم اسے سمجھ سکو اور جو بھی خدا پر ایمان لانے کا مدعی ہے' شیطان سے دامن بچائے ہوئے ہے' دل کو بتوں سے پاک رکھے ہوئے ہے' تزکیہ نفس سے کام لے رہا ہے۔ خدائے رحمٰن کو جوف قلب میں بسائے ہوئے ہے۔ ہاں 'اسی کے لئے آسانی سے یہ ممکن ہوگا کہ قوم کو قوت عطا کرنے کے لئے اپنا مال لٹا سکے یہ اس لئے کہ اس نے اپنے مال کو بت بنا کر اس سے لو نہیں لگائی۔ نہ خدا کے سوا کسی کو اپنا الٰہ بنایا' نہ اس کی محبت میں کسی کو شریک کیا نہ اپنے ایمان کو ظلم کا جامہ پہنایا' بلکہ اس پر ایمان محکم قائم رکھا کہ بہت جلد اس کا اجر اپنے نشو ونما دینے والے کی بار گاہ سے لازماً پائے گا۔ جو کوئی خدا اور اس کی توحید پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جہاد نفس اور ہجرت کے مرحلے آسان ہوجاتے ہیں کیونکہ جو عملاً اور معناً" ایمان لاتا ہے وہ اپنی ذات کی بجائے خدا سے محبت کرتا ہے اور (فرمان خداوندی کے مطابق) اہل ایمان کی خدا سے محبت انتہائی شدت سے ہوتی ہے (۲/۶۵) پس اے اسلام اور توحید کے مدعیو! توحید عبارت ہے جہاد اور ہر اس شے کی قربانی سے جو تمہارے پاس باقی ہے اور خدا کی بار گاہ میں کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں حتیٰ کہ وہ قومی استحکام کے لئے جہاد اور ہجرت کا ثبوت مہیا نہ کرے بلکہ ہر اس شے سے ہجرت اختیار کرے جو سعی و عمل میں مانع ہو اور جو اس امتحان میں پورے اترتے ہیں وہی دراصل مومنین ہیں۔ (ص ۷۳)

اطاعت رسولؐ کا مفہوم

یاد رکھو کہ اطاعت رسولؐ کا مفہوم و مقصود وہ نہیں جو تمہارے جاہل فقہا نے وضع کر رکھا ہے ہاں یہ لوگ اطاعت رسولؐ کا مفہوم احادیث نبوی کا اتباع مراد لیتے ہیں

تاکہ اس طرح یہ اس معاملہ میں اسی مکرو تاویل سے کام لے سکیں جو انہوں نے قرآن پاک کے معاملے میں روا رکھا ہے اور اسے نہ صرف عملاً اور معناً" بدل کر رکھ دیا بلکہ کچھ سے کچھ بنا دیا۔ یہ کھیل کس خدا کی کتاب سے کھیلا گیا اور اس کا نتیجہ یہ کہ تم خدا کی زمین پر عملاً بے حس و حرکت اور گفتار کے غازی بن کر زندہ ہو اور اس پر مطمئن ہو کہ خدا کے دین پر عمل پیرا ہیں اور فلاح دارین پا رہے ہیں۔ انہیں کون بتائے کہ اطاعت رسولؐ سے مراد رسول خدا کی زندگی میں تو ان احکام کی اطاعت تھی جو بارگاہ رسالت سے جماعت مومنین کے لئے بالمشافہ صادر ہوتے تھے۔ امت کے امراء اور سربراہ مملکت ہونے کی حیثیت سے ان احکام کی اطاعت کا منشاء اپنے دشمنوں پر فتح اور غلبہ پانا تھا اور جو کوئی بھی ان احکام پر بلا تامل لبیک کہتا تھا وہی دراصل اطاعت رسول کا ثبوت عملاً مہیا کرتا تھا اور ارشاد خداوندی کے مطابق "جس کسی نے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے گویا خدا کی اطاعت کی" (۴/۸۰) رسولؐ خدا کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ خدا کی منشاء کے خلاف کوئی حکم صادر کریں یا جو کچھ خدا نے نازل فرمایا اس سے مختلف راستہ اختیار کریں چنانچہ آج اطاعت رسولؐ سے مراد اپنے امیر کی اطاعت ہے۔ اپنے میں سے صاحب امر کی فرماں برداری ہے۔(ص ۷۳)

اطاعت امیر۔۔۔ امن عالم کا مرکز و محور

اطاعت رسولؐ اپنے صاحب امر کی آواز پر لبیک کہنا ہے' یا اس کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرنا ہے جو رسولؐ کا قائم مقام مقرر ہوا یا تمہارے مقرر شدہ امیر کا قائم مقام ٹھہرا۔ یہی وجہ تھی کہ خدا کی بارگاہ میں اولی الامر کی اطاعت نے اطاعۃ کا مقصود پورا کر دیا۔ چنانچہ جس نے اپنے امیر کی اطاعت کا ثبوت دیا اس دنیا میں فوز و فلاح پا گیا۔ اور آخرت میں سرفراز ٹھہرا۔ اسی لئے خدائے عزوجل نے ہمارے نبیؐ اکرم سے فرمایا کہ جس نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی' خدا سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا (۲۴/۵۲)۔۔۔ اس لئے خدا کے دین میں مکرو تاویل سے آسانیاں پیدا نہ کرو اور اطاعت معروف کو من مانے مفہوم مت پہناؤ' اسے یاد رکھو کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو خدا اس سے باخبر ہے (۲۴/۵۳) تمہارے لئے ارشاد خداوندی یہ ہے کہ بہرحال امیر کی اطاعت کرو اور کسی صورت میں بھی اس سے گریز کی راہیں اختیار نہ

کرو۔ اگر کسی معاملے میں اختلاف اور تنازعہ کی صورت پیدا ہو جائے تو اسے خلیفتہ الرسول پر چھوڑ دو کہ وہ خدا کی کتاب کے مطابق اسے طے کر سکے یا سنت رسولؐ سے راہنمائی پانے کے قابل ہو سکے۔ ہمیں اس کے مواخذہ و محاسبہ کا حق حاصل نہیں' یہ جو خدا نے فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اپنا معاملہ خدا و رسولؐ کی طرف لوٹا دو۔ (۴/۵۹) تو اس کا مفہوم یہی ہے۔ اسے پیش نظر رکھو کہ جماعت میں فتنہ بپا کرنا قتل سے شدید تر جرم ہے (۲/۱۹۱) خدا تم سے اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا کہ تم سب مل کر اپنے امیر کی اطاعت کرو۔ اسی بنا پر علمائے سلف کا قول ہے کہ جس نے سلطان کی اطاعت کی اس نے گویا رحمان کی اطاعت کی' یہی وہ فلسفہ اطاعت ہے جس پر نظام عالم کا دارو مدار ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو امن عالم کا مرکز و محور ہے۔ (ص ۷۴)

منزل توحید کے راہی

جو کچھ شرح توحید کے سلسلے میں قول حق کے طور پر بیان کیا گیا ہے اس پر غور کیجئے' آپ اسے بے گماں طور پر اسلام کا وہ قطعی اصول پائیں گے جس کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ میری مراد وحدت امت اور اطاعت امیر سے ہے۔ جان و مال کے جہاد اور ہجرت سے ہے۔ سعی و عمل اور مکارم اخلاق میں استقامت سے ہے۔ علم اور ایمان بالاخرۃ سے ہے۔ یہ سب اصل توحید کے برگ و بار ہیں۔ یہ تمام تر وہ اعمال ہیں جو اس دل میں جگہ پا سکتے ہیں جو خدا کے سوا کسی اور کو کعبہ مقصود نہیں مانتا۔ جو عبادت طاغوت میں مبتلا نہیں' جو اپنے نفس کا پجاری نہیں' جو نہ غیر اللہ سے محبت رکھتا ہے اور نہ اس کا خوف کھاتا ہے۔ جو معرفت خداوندی میں سعی بلیغ سے کام لیتا ہے جو بارگاہ رب العالمین کے سوا کسی اور بارگاہ سے اپنی سعی و جہد کا انعام طلب نہیں کرتا۔ یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جو دلوں میں خدا کا خوف رکھتے ہیں اور اس جذبے سے سرشار ہیں کہ اپنے نشوونما دینے والے خدا کو کعبہ مقصود بنائے ہوئے ہیں۔ اسی جادہ عمل کو اپنانے والے فائز المرام ہیں۔ اور تم دیکھ رہے ہو کہ اس دنیا میں ان کے دعووں اور معتقدات کے درخشندہ نتائج کس طرح ابھر اور نکھر کر سامنے آ رہے ہیں۔ (ص 75)

یہ رہبانیت کا راستہ!

جن لوگوں نے اپنے گھروں اور مسجدوں میں اعتکاف کو عبادت کا درجہ دے رکھا ہے اور یوں خلق خدا سے قطع تعلق کر کے اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ خدا نے زمین و آسمان کی بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ بالحق پیدا کیا ہے وہ اس کی طرف راغب ہیں۔ وہ اس کے سلسلہ میں تخلیق کا سراغ پانے میں اپنے گمان کو عبث و باطل پائیں گے۔ اسمائے خداوندی کی یہ تکرار بے نتیجہ ثابت ہوگی۔ کیونکہ جس شے کو انہوں نے اپنے زعم باطل میں عبادت سمجھا وہ عبادت نہیں۔ یہ ان کی توانائیوں کو جمود میں مبتلا کر ڈالے گی اور ذل و مسکنت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ان کے قوائے عمل ضعف و تشتت کا شکار ہو کر رہ جائیں گے۔ انہیں کہہ دو کہ خدا نے قرآن میں جو کچھ نازل فرمایا اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی بدولت احوال دنیوی میں کوی اصلاح ممکن نہیں۔ بلکہ یہ تخریب و انحطاط کا سامان ہے۔ اسی کے ہاتھوں ہم ذلت اور شکست سے دوچار ہوئے اور اس کی حقیقت دور رفتہ کی افسانہ طرازیوں سے زیادہ نہیں بلکہ اے جاہلیت کے پرستارو! خدا نے اس رہبانیت کو ہمارے لئے ممنوع قرار دیا تھا۔ یہ تمہارے احبار و رہبان اور بزرگوں کی اختراع تھی جو اصلاح نفس کی خاطر وضع کی گئی لیکن تمہاری تخریب کا موجب بن گئی۔ (ص ۷۶-۷۷)

صلواۃ و عبادت و توحید

خدا شاہد ہے کہ میں نے صلواۃ کا صرف وہی ایک حقیقی مفہوم و مقصود پایا جو قرن اول کے دور نبویؐ میں رائج تھا۔ میرے نزدیک توحید کا بھی وہی ایک حقیقی تصور ہے اور عبادت کے بھی وہی معانی۔ جس کے صدقے میں انہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوا۔ خدا کی کتاب میں، اول سے آخر تک، مجھے ایک ہی حقیقت کبریٰ کی خبر ملی اور ارشاد خداوندی کے مطابق وہ حقیقت یہ تھی کہ:

> "رسولؐ خدا جس ضابطہ ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجے گئے اس کا منشاء و مقصود یہ تھا کہ تمام نظام ہائے باطل کی بساط کہن الٹ کر آخری دین کو غالب کیا جائے خواہ اس سے منکرین حق کتنی ہی کراہت محسوس کریں" (۹-۳۳)

کیا اس کے بعد بھی تم عابد و زاہد ہونے کے باوجود' اپنے دشمنوں پر غالب آئے بغیر' قرآن کریم پر ایمان کا دعویٰ کر سکتے ہو؟ سوچو کہ کیا تمہاری صلواۃ نے کفار کی شکست کے سامان پیدا کئے؟ کیا تمہاری توحید روئے زمین پر تمہارا تسلط قائم کر سکی؟ کیا تمہاری عبادت کے نتیجے میں اقوام عالم تمہاری امامت کے حضور سرنگوں ہوئیں؟ خود فریبی کے نشہ میں سرشار رہنے والو! اطاعت خداوندی کا لازمی نتیجہ جنت ارضی کا انعام ہے' سوچو کہ کیا اہل ایمان ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے تم؟ کیا خدا کی عبادت' اس کی صلواۃ اور توحید کے دعویداروں کی کیفیت یہی ہوتی ہے جو تمہاری؟ (ص ۷۸-۷۹)

علماء کون ہیں؟

لاریب کہ علم کا مفہوم یہ ہے کہ عالم طبیعیات کی گہرائیوں تک مسلسل کاوش فکر سے کام لیا جائے اور سمع و بصر و دل و دماغ کی صلاحیتوں کو صحیفہ فطرت کے مطالعہ میں ہر ممکن طور پر بروئے کار لایا جائے۔ جو کوئی بروئے مشاہدہ اعمال خداوندی کا علم حاصل کرتا ہے اور کتاب اللہ کے حقائق میں غورو فکر سے کام لیتا ہے وہ اپنے نشو ونما دینے والے کی حقیقت کو پالیتا ہے اس کو حقیقی طور پر عرفان اور خشیت نصیب ہوئی۔ پس جان لو کہ علماء وہ لوگ ہیں جو در حقیقت خدا کے قانون سے ہم آہنگی (اتقا) پیدا کر لیتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا خدا پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان قائم ہوتا ہے تم انہیں درس خداوندی میں غرق پاؤ گے اور دیکھو گے کہ ان کے دل فکر الہی میں وقف ہیں (۳۹:۲۳) یہ اس لئے کہ انہوں نے خدا کے اعمال اور اس کی عظمت و جلال کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا۔ اس کے ملائکہ اور لشکروں کی وہ حقیقت پالی جو سمع و بصیرت سے حاصل ہوتی ہے۔ پس وہ اس کی بارگاہ عظمت میں عجز و نیاز کے سجدے بجا لائے اور بزبان حال یہ شہادت دی کہ وہ ذات اعظم بے شک عزیز و حکیم' باری و فاطر اور جبار و قہار ہے اس کے سوا کوئی مرکز اطاعت نہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ (ص ۸۳)

وارثین انبیائے کرام

لاریب کہ عصر حاضر کے ارباب علم کو انبیائے کرامؑ کے وارث سمجھنا چاہئے۔ یہ

اس لئے کہ ختم نبوت کے بعد انہوں نے اس بنائے عظیم کا فیضان جاری و ساری رکھا' جو حضرات انبیائے کرام کا ورثہ تھی ان کا مقصد حیات اقوام عالم کو صراط مستقیم پر قائم و دائم رکھنا تھا۔ انہوں نے ربانی کو اس کے قانون کی وساطت سے سمجھنے کی سعی و کاوش کی اور اس کش مکش پیچ و تاب میں مبتلا رہے کہ سنت خداوندی کے اتباع سے منشائے الہٰی کو پاسکیں۔ وہ اپنی کوششوں کے جیتے جاگتے نتائج کے منتظر رہتے ہیں اور اس سعی پیہم میں سرگرم کار کہ ان کی جماعت افتراق و انتشار سے بالا تر رہ کر خدا کے عذاب سے محفوظ رہے۔ رحمت خداوندی کی تڑپ اور خلش میں بار گاہ خداوندی میں سرجھکائے ہوئے ہیں بلکہ اس جماعتی نظم و ضبط کو بر قرار رکھنے کے لئے وہ نجوم واشجار کی سی الصلواۃ کی پابندی اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنی قوموں کو راہ ہدایت پر گامزن رکھنے کے لئے جان و مال کی ہر ممکن قربانی سے کام لے رہے ہیں۔ ان راہوں میں وہ علم کی روشنی پھیلائے ہوئے ہیں تاکہ قوم منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ (ص ۸۳)

اقوام عالم کے موت و حیات کے فیصلے

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن حکیم سرتاپا علم فطرت کا خریطہ ہے' یہ امر خداوندی کا لب لباب ہے۔ بلا شبہ قرآن حکیم کا یہ قانون خدا کے صحیفہ فطرت سے ماخذ ہے' بلا شک یہ وہی قانون ہے جو ہر صبح و شام رفتار زمانہ کے پیچ و خم سے ابھرتے ہوئے حقائق کی تصدیق بہم پہنچا رہا ہے۔ اس دنیا میں جو قوم بھی فوز و فلاح سے سر فراز ہے' اسی قانون کے صدقے میں اور جو کوئی بھی ہلاکت کا شکار ہے تو اسی کے دو ٹوک فیصلوں کی بنا پر۔ اے پیروان دعوت ایمانی اگر علم و بصیرت کی روشنی سے محروم نہیں ہوئے تو ان حقائق پر غور کرو اور سوچو کہ خدا کی زمین پر قوموں کی موت و حیات کا جو سلسلہ جاری ہے کیا خدا کے قوانین قول فیصل کی حیثیت میں اس کی تصدیق نہیں کرتے! علمائے طبیعیات نے انہی حقائق کی بنا پر اس وحدت قانون کی تائید کی ہے وہ اس صحیفہ فطرت پر ایمان لائے ہیں جس کا سلسلہ زمین و آسمان کی وسعتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ نہیں' بلکہ وہ اس کتاب الہٰی کی صداقتوں پر یقین رکھتے ہیں جو ہمارے نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ (ص ۸۴)

جنت ارضی کے وارث کون؟

فی الحقیقت علمائے طبیعیات اور اولوالالباب وہی ہیں جو زمین و آسمان کی تخلیق میں مبتلائے غور و فکر ہیں۔ وہ چلتے پھرتے بیٹھتے اور پہلو بدلتے اس جستجو میں مگن رہتے ہیں کہ اس سلسلہ لیل و نہار کا سراغ لگائیں اور قوانین خداوندی کی حقیقت پر عبور حاصل کریں۔ یہ شدت آرزو انہیں مبتلائے پیچ و تاب کئے رکھتی ہے کہ ان کی قوم سنت خداوندی کے اتباع کے قابل ہو اور اپنی گمراہی کے عذاب سے بچ جائے' وہ قرآن حکیم پر عملاً اور معناً" ایمان رکھتے ہیں تاکہ حیات دنیوی کی آلائشوں سے اپنا دامن محفوظ رکھ سکیں' ان کے اعمال و کردار کا محور متاع اخروی کا حصول ہے۔ جس کی بدولت خوف حزن کی بجائے امن و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ خدا کی راہ میں وہ ہجرت کے صدمے گوارا کرتے ہیں اور کشور کشائی کی منزل مراد تک پہنچتے ہیں۔ اس راہ میں وہ اپنی جانوں کی بازی لگاتے ہیں اور دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ پھینکتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں خدا کی زمین پر جنت ارضی کے قیام و دوام کا اعزاز حاصل ہو۔ یہی وہ علمی و عملی معیار ہے جس پر عصر حاضر میں مغرب کے نصرانی پورے اتر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے خدا کے قانون طبیعیات کو جان لیا ہے وہ اعمال صالحہ کی لم کو پا گئے ہیں اور اپنے فکر و بصیرت کی بنا پر وہ اس فضل خدا سے بہرہ اندوز ہیں جو جنت ارضی کی صورت میں عطا ہوتا ہے۔ (ص ۸۵)

علم و بصیرت کے قبرستان میں

ارشاد باری ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب 'حکومت اور نبوت عطا کی۔ انہیں رزق طیب سے مالا مال کیا اور اقوام عالم میں برتری عطا فرمائی۔ (۴۵/۱۶)

خدا کے اس لطف و کرم کی وجہ جواز اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ بنی اسرائیل نے ارض و سما کے حقائق کو سمجھا اور اس سلسلہ کائنات کی تسخیر کے قابل ہوئے۔ وہ ہر اس شے پر ایمان لائے جسے خدا کے قانون تخلیق نے "بالحق" جنم دیا۔ وہ تانبے اور فولاد کی خصوصیات کو صلاحیت بخش امور میں بروئے کار لائے اور یہ سب کچھ ان کے سلسلہ اکتساب کا ثمر تھا اور تم ہو کہ نہ تو تمہارے دلوں میں کسی انقلاب خداوندی (ایام

اللہ) کے لئے کوئی تڑپ باقی رہی اور نہ اس کی خوشگواریوں سے لطف اندوز ہونے کی کوئی آرزو۔ یہ اس لئے کہ تم نہ تو حقیقت ایمان کو سمجھنے کے قابل رہے اور نہ اعمال صالحہ کی حکمت پانے کے اہل ۔ہوا یہ کہ تم نے علم و بصیرت کی روشنی میں سفر زندگی اختیار کرنے کی بجائے توہمات کے اندھیروں میں بھٹکنا شروع کر دیا۔ (انسانوں کی خود ساختہ) افتراق انگیز شریعت کے اوہام باطلہ تمہارے لئے جزو ایمان بن گئے۔ تم جمود و تعطل کی ہلاکت خیزیوں اور فقہی مسائل کی بھول بھلیوں میں کھو گئے اور اس کے جواز کی سند کے طور پر تمہارے پاس وحئی خداوندی کی رو سے کوئی دلیل و برہان موجود نہیں تھی۔ تم نے تخلیق کائنات کو عبث و باطل تصور کرلیا۔ آیات خداوندی کو بے مقصد جان لیا اور ان میں صرف و نحو، فصاحت و بلاغت اور فلسفہ و شعر کی رنگ آمیزیاں پیدا کر کے بات کہیں سے کہیں تک پہنچا دی۔ تم جنوں، قبروں اور اولیاؤں کے معتقدات سے فلاح دارین کی آس لگائے بیٹھے ہو اور خدا کی توحید کو خود فریبیوں کی بھینٹ چڑھانے کے لئے تم نے اپنے ارضی خدا وضع کر رکھے ہیں۔

خدا کی قسم! تمہیں ہو وہ قوم جو جہالت میں مبتلا ہو کر رہ گئی! (ص ۸۹)

اسوۂ رسول ---- نشاۃ ثانیہ کی ضمانت

اے وہ طائفہ انسانی جس نے ہلاکت کی راہ اختیار کی اور مردوں سے بدتر حیثیت اختیار کرنے کے باوجود، عصر حاضر میں مسلم اور مومن کے نام سے یاد کئے جائے ہو یہ تم پر کیا بیتی کہ تم نے اس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے روگردانی اختیار کر لی جس نے نوع انسانی کو ہر اس غلامی اور استبداد سے نجات دلائی جس میں وہ مبتلا چلی آرہی تھی۔ سلام ہو اس جماعت مومنین پر جو اس داعیٔ انقلاب پر ایمان لائی، اس کی تائید و حمایت میں ہر متاع عزیز کی بازی لگائی اور اس نور ہدایت کی روشنی میں کارگہ حیات پر گامزن رہی جو خدا کی بارگاہ سے حضور اکرمؐ پر نازل ہوا۔ یہی صحابہ کبارؓ تھے جن کی زندگی کی کھیتیاں پروان چڑھیں (۷/۱۵۷) اس ہادیٔ برحق کی دعوت تمہیں علم و عمل کی وساطت سے حیات باشرف کی ضمانت عطا کرتی ہے اور اسلام علم و عمل کے سوا اور کیا ہے بلکہ یہ ایمان کامل سے عبارت ہے۔ فلہذا اس کا اتباع کرو تاکہ اپنی منزل مراد پانے کے قابل ہو سکو (۷/۱۵۸) (ص 90-91)

جہاں بازو سمٹتے ہیں

اقوام مغرب کو دیکھئے! وہ اپنے دعووں کو عملاً بروئے کار لا رہے ہیں۔ وہ جس عذاب خداوندی میں مبتلا تھے وہ کم ہوتا گیا اور اب خدا کے لطف و کرم سے نوازے جا رہے ہیں۔ لیکن تمہیں کیا ہوگیا کہ تم نے ان کے ملکوں پر جھپٹنا چھوڑ دیا اور اس کے برعکس ہوا یہ کہ انہوں نے تمہیں تمہاری بستیوں سے نکال باہر کیا۔ تمہیں کیا ہوگیا کہ تم نے ان کی محکومی گوارا کرلی۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہیں تمہارے بچے کھچے ملکوں میں امن و اطمینان سے نشو و ارتقاء کے قابل چھوڑ دیں گے حالانکہ وہ اس بیت المقدس پر بھی قبضہ جما گئے جہاں تمہارے قدم بڑے مضبوط تھے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہیں عہد رفتہ کے اعمال سے خدا کی مغفرت حاصل ہو جائے گی حالانکہ خدا اقوام عالم کے معاملے میں کسی رو رعایت کا روادار نہیں اور دور رفتہ کی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے بڑی بڑی صاحب قوت قومیں ہلاک کر ڈالیں۔ (ص ۹۱)

رحمت و مغفرت کی بارگاہ سے دھتکارے ہوئے

اے عصر حاضر کے جہالت پسند مسلمانو! اور راہِ حق سے روگردانی اختیار کر کے قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے والو! تم نے جان بوجھ کر بداعمالیوں کی راہ اپنائی اور اس پر کوئی پشیمانی محسوس نہ کی۔ تم ہو وہ قوم جس نے توبہ و استغفار سے جان بچائی حالانکہ خدا کی بارگاہ سے حفاظت کا سامان بھی میسر آیا کرتا ہے اور رحمتوں کا نزول بھی عمل میں آتا ہے (۵:۷۴) کیا تم خدا کی مغفرت کے آرزو مند نہیں رہے؟ حالانکہ وہ غفور الرحیم ہے (۲۲:۲۴) آخر خدائے بے نیاز کو یہ کیا پڑی ہے کہ تم بلا توقف توبہ کا راستہ اختیار کرنے سے ابا کرو اور وہ تمہیں خود بخود صحیح راہ پر ڈال دے اور اپنے غضب سے بچالے۔ یاد رکھو کہ جس قوم نے بھی اس کے غضب کو دعوت دی وہ ظالم قرار پائی اور ہلاکت میں مبتلا ہو کر رہ گئی۔ آخر تم کیونکر اس خیال خام میں کھو گئے کہ تم کائنات کے نشوو نما دینے والے کے احکام سے نافرمانی برتو اور وہ تمہیں اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے؟ (ص ۹۳)

اقوام مغرب خدا کی مغفرت کے سائے میں

کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ تمہارا رب جلیل اب کیوں تمہارے لئے غفور الرحیم نہیں رہا؟ وہ کیوں مغرب کے ان نصرانیوں کو اپنی مغفرت سے نوازے جا رہا ہے جو اس کے قوانین محکم پر سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اور جہاد نفس سے کام لیتے ہوئے اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد بالسیف میں جانیں لڑا رہے ہیں۔ جو اپنے قومی استحکام کے لئے ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ جو اپنی جدوجہد کے نتائج میں صبر و شکر کا ثبوت دے رہے ہیں---- جو اپنے امیر کی اطاعت میں اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہیں اور روئے زمین کے ہر گوشے میں اس اصول اطاعت پر شدت سے قائم ہیں۔ یہی وہ قومیں ہیں جن پر خدا کی نظر رحمت جمی ہے اور جن کی لغزشوں کو اس کی مغفرت کا سامان میسر ہے---- وہ اپنے امیر کی عدم موجودگی میں بھی اس کے منشاء کے خلاف کوئی حرکت عمل میں نہیں لاتے۔ وہ اپنی منشاء کو اس کے فیصلوں کے تابع رکھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کبھی اپنی آواز بلند نہیں کرتے۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہیں خدا کی مغفرت حاصل ہے۔ (ص ۹۳-۹۴)

کفر کی راہوں میں مغفرت کی تلاش

اے وہ امت جو علم و عمل سے برگشتگی اختیار کر گئی! اے وہ قوم جو قانون خداوندی کی رو سے ہلاکت کی سزا وار ہوئی! ہاں اے مسلمانو! سنو کہ تمہارا نشو و نما دینے والا تمہارے لئے غفور الرحیم نہیں رہا۔ کیونکہ اس کی نگہ مغفرت ان قوموں کے لئے ہے جو اس کے متذکرہ دس اصولوں پر عملاً" اور معناً" عمل پیرا ہیں۔ جس قوم نے بھی ان اصولوں کا اتباع کیا وہ فوز و فلاح سے مالا مال ہو گئی اور جس نے بھی ان سے رو گردانی اختیار کی اس کا دعویٰ اطاعت باطل قرار پایا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں حرماں نصیبی کا شکار ہوئی اس لئے تم اپنے زبانی اقوال اور دعاؤں میں کتنا ہی توبہ و استغفار کے ورد و وظائف سے کام لو تمہیں ہرگز ہرگز خدا کی مغفرت حاصل نہ ہو گی یہ اس لئے کہ تم نے خدا اور اس کے رسولؐ کے عطا فرمودہ صراط مستقیم سے ہٹ کر کفر کا راستہ اختیار کیا اور خدا فاسقوں کی قوم کو راہ ہدایت سے بہرہ ور نہیں فرماتا (۹/۸۰)

لیکن اگر تم خدا کے قانون کی ماہیت کو سمجھ لو اور یقین و ایمان سے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ تو بلا توقف تم اس کا اجر پالو گے۔ خداوند کائنات یقیناً صاحب فضل عظیم ہے۔ وہ تمہیں اقوام عالم کی امامت سے سرفراز فرمائے گا اور تم زمین و آسمان کی نعمتوں سے فائز المرام ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر اس منزل سے روگردان ہوئے تو اس کا انجام واضح طور پر تمہارے سامنے واشگاف کر دیا گیا ہے۔ (۹۴-۹۵)

یوم حساب کی یاد دہانی

اسلام کے دعویدارو! پیشتر اس کے کہ تمہارے اعمال کے نتائج محسوس و مشہود طور پر تمہاری نگاہوں کے سامنے آئیں خدا کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کردو اور توبہ کا راستہ اختیار کرلو۔ خدا کی قسم! ایسا کئے بغیر وہ نہ تمہیں حیات نو عطا کرے گا اور نہ اقوام عالم میں سے کسی کے ساتھ یہ رو رعایت ممکن ہوئی۔ وہ بے پناہ اور توازن بدوش قوتوں کا مالک ہے اور تم اس حقیقت سے بروقت آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک کو یوم آخرت کے مواخذہ کا شکار بننا پڑے گا۔ تم میں سے ایک ایک کا حساب لازم قرار پائے گا اور سب کے اعمال کے اجتماعی نتائج منظر عام پر آجائیں گے۔ اس دن کسی کی یہ خود فریبی کام نہ دے سکے گی کہ خدا مجھے تو عفو و کرم کے سائے میں پناہ دے دے گا او ردوسرے اپنی سزا بھگتیں گے۔ اس دن نوع انسانی خدا کے حضور صف بستہ حاضر ہوگی اور ایک ایک فرد سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں ایک ایک کر کے جو کچھ کیا تھا وہ نامہ اعمال بن کر تمہارے سامنے آگیا؟ یہ اس لئے کہ حیات دنیوی آخرت کی کھیتی ہے (جو کچھ دنیا میں بویا تھا آخرت میں اسی کا پھل وصول کرو گے)

(ص ۹۵-۹۶)

ایمان اور عمل کا ربط باہمی

حقیقت ایمان اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم وہ کچھ کرو جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے، ایمان کی اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں تاآنکہ تم خدا کی بارگاہ میں سر تسلیم خم نہ کردو، کسی شخص کے زبانی دعوے اس وقت تک شرف پذیرائی نہیں پاسکتے جب تک کہ وہ خدا کے حکم اور قانون سے پہچان محکم استوار نہیں کرلیتا، اور جس نے اپنے

مولا سے یہ رشتہ جوڑ لیا اور اس پر جم کر کھڑا ہوگیا اس کے اجر پانے میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں۔ ان دس اصولوں کی بجا آوری اس شخص سے ممکن ہے جس نے خدا کی توحید کو اپنی ذات میں سمو لیا اور دیگر تمام خداؤں کو تیاگ کر خداوند حقیقی کی عبودیت اپنے دل میں جاگزین کرلی اور میدان عمل میں پرچم کشا ہو کر اپنے دعوؤں کی شہادت کردار سے مہیا کردی۔ (۹۷)

انفرادی و اجتماعی فوز و فلاح کا راستہ

اگر تم فوز و فلاح کے آرزو مند ہو تو اپنے نشو ونما دینے والے کی طرف رجوع کرو۔ اس خدا کی بار گاہ میں سر تسلیم خم کردو، جس کے قانون مکافات کی رو سے کسی قوم کی خارجی زندگی میں اس وقت تک کوئی انقلاب ممکن نہیں جب تک کہ اس کی داخلی زندگی سے اس انقلاب کی امنگیں نہ ابھریں (۱۳:۱۱) ارشاد خداوندی یہ ہے کہ ہمارے قانون نے جس قوم کی ہلاکت کا فیصلہ صادر کردیا اس کے لئے سلامتی کی باز آفرینی ممکن نہیں (۲۱:۹۵) اس لئے اگر اپنے دعوئی ایمان میں سچے ہو تو ان تخریبی قوتوں اور اپنے ان خداؤں سے کلیتہ" رو گردانی اختیار کرلو جو تمہیں سعی و عمل سے منحرف کئے ہوئے ہیں۔اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے نشو و نما دینے والے کی بار گاہ میں حسن انجام کو پہنچو تو انفرادی و اجتماعی طور پر اس کی بار گاہ سے متمسک ہو جاؤ۔ خدا کے ہاں سے کسی کو بھی اس وقت تک فوز و فلاح میسر نہیں آتی تاآنکہ وہ اس دنیا میں اپنی قوم کی فلاح کا سامان پیدا نہیں کرتا اور جس نے اپنی قوم کو سربلند کیا وہ اپنی سیہ بختیوں میں نصرت خداوندی سے نوازا گیا۔ (ص ۹۷)

غور و فکر کی صلاحیتوں سے بے نصیب

پس یاد رکھو کہ حقیقت ایمان اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم خدا کی زمین پر امن و سلامتی کے علمبردار بن کر زندہ رہو تاکہ تمہاری حیات دینوی بھی صلاحیت بخش ثابت ہو او رحیات اخروی میں بھی امن و سلامتی پاؤ۔ یاد رکھو کہ وہ یوم مکافات قریب ہے جب تمہارا احتساب عمل میں آئے گا اور تمہارے وہ جن و اولیاء، جنہوں نے تمہیں جادۂ حق سے گمراہ کرنے کے لئے خدا کے دین کو قیل و قال کا درجہ دے رکھا تھا

تمہارے پہلو بہ پہلو مجرم بن کر کھڑے ہوں گے۔ اس دن ان سے پوچھا جائے گا کہ اے تخریب پسندوں کے گروہ! (یا معشرالجن) تم نے نسل انسانی کی اکثریت کو اپنا آلہ کار بنائے رکھا (۶:۱۲۹) اور یہ اس لئے کہ تمہارے مفادات عاجلہ پورے ہوں اور میرے بندوں نے مبتلائے فریب ہو کر تخریبی روش اختیار کرلی کیونکہ وہ غور و فکر کی صلاحیتوں سے کام لینے کے قابل نہ رہے۔ (ص ۹۸)

پیشوائیت کے لات و منات

ہوا یہ کہ تمہارے ارباب اقتدار اور پیشوایان شریعت و طریقت میں سے ایسے شیاطین نے بھی جنم لیا جنہوں نے احکام خداوندی سے بغاوت اختیار کی اور نوع انسانی کے معبود و مسجود بن کر انہیں مبتلائے ضلالت کر دیا۔ خدا کے بندوں کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ خدا کی بارگاہ جلیل سے روگرداں ہو کر کسی دوسرے کی عبودیت اختیار کریں اور نہ اے پیشوایان امت! تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ اپنی نفسانی اغراض کے لئے بندگان خدا کو اپنے گرد جمع کرو اور انہیں فتنہ و شر میں مبتلا کر دو۔ ہاں ہاں!

تمہارے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ ان کے لئے خیرو شر پر قدرت پانے کا دعوٰی کرو۔ کس قدر گمراہ کن ہے تمہارا یہ دعوٰی کہ تم انہیں خدا کے عذاب سے نجات دلا سکتے ہو اور تمہیں غیب کا وہ علم حاصل ہے جس کے زور پر تم ان کی تقدیریں بدل سکتے ہو اور خدا اور ان کے مابین وسیلہ بن سکتے ہو' یا یہ کہ تم اپنے رب کے خزانوں پر تسلط رکھتے ہو اور تم نے خدا کی زمین پر اپنی خدائی کا سکہ چلانے کا منصب ورثے میں پایا ہے یا یہ کہ تمہارے پاس وہ سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر خداوند ارض و سماء سے سربستہ راز معلوم کر آتے ہو' رب العرش العظیم کے اسرار و رموز بیٹھے بٹھائے سن لیتے ہو حالانکہ خدا نے صرف اس سیدالانبیاء کو اپنی بنائے عظیم سے نوازا تھا جس کی مثال زمانہ پیدا نہ کر سکا۔ اس ذات اقدس و اعظمؐ کو بھی صرف اس لئے مبعوث کیا گیا کہ وہ خدا کی وحی کو اس کے بندوں تک من و عن پہنچا دے اور حضورؐ نے اس سے آگے بڑھ کر تمہاری طرح کوئی بلند بانگ دعوٰی نہیں کیا۔ (ص ۱۰۰)

آہ مقدسین امت

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

پیشوایان امت! تمہیں کیا ہوگیا کہ تم خدا کی رسالت کو اس کے بندوں تک تھوڑی بہت بھی پہنچانے کے قابل نہیں رہے۔ تم میں یہ صلاحیت بھی باقی نہیں رہی کہ سنت خداوندی کا معنا" اور عملاً اتباع کر کے سامان نجات پاسکو۔ تمہیں کیا ہوگیا کہ خدا نے اپنی کتاب میں جو واضح احکام و ہدایات نازل فرمائی تھیں، ان کی انسانوں کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد، تم انہیں نگاہوں سے اوجھل رکھنے میں کوشاں ہو او راس دریدہ دہنی سے کام لے رہے ہو کہ خدا نے تم پر اپنی راہ میں جنگ لڑنے، گھربار چھوڑنے اور جہاد مال کا کوئی فریضہ عائد نہیں کیا۔ نہ اطاعت امیر فرض کی ہے، نہ عمل میں استقامت، نہ وحدت امت، نہ توحید فی العمل، نہ آخرت پر ایمان، نہ مکارم اخلاق، نہ زمین و آسمان اور پہاڑوں کا علم، بلکہ اگر کچھ فرض کیا ہے تو عقائد کی چپقلش اور بے مقصد قیل و قال۔ (ص ۱۰۱)

انبیائے کرام کے نقوش قدم کی زبانی

ہاں اے پیشوایان امت! اگر انبیائے کرام پر اپنے دفاع اور جنگ آزمائی کے لئے قتال کا فریضہ عائد نہیں ہوا تھا تو پھر جواب دو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اپنے خط میں یہ پر غضب انتباہ کیوں کیا تھا کہ "خود سری سے باز آ اور اطاعت قبول کر، یہی انبیائے جلیل تھے جو تمہاری آبادیوں اور چمن زاروں میں حفظ و امن کا سرمایہ چھوڑ گئے اور اگر تم نے اس سلسلہ جہاد کو قائم نہ رکھا تو بدترین عذاب کا سامنا کرو گے۔ پھر اے جن و انس کے گروہ! ان واضح حقائق کی موجودگی میں، تم ہو کہ خدا پر افترا باندھنے کی دیدہ دلیری سے کام لے رہے ہو اور یہ تک فرما رہے ہو کہ ان اعمال جہاد کا تعلق تمہارے اسلاف تک محدود تھا اور تمہارے لئے بس خالی خولی نظریات و معتقدات باقی رہ گئے ہیں۔ سوچو کہ اگر اسلام تمہارے زبانی قول و اقوال ہی کا نام ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے یہ کیوں فرمایا تھا کہ:

اسلام سمع و اطاعت، جہاد بالسیف، راہ خدا میں ہجرت اور اس پر بروئے سعی و عمل ایمان لانے سے عبارت ہے۔ (ص ۱۰۲)

دور حاضر کے فقیہان امت سے

اے عصر حاضر کے جہالت پذیر فقیہان امت! اتقاء کا مفہوم وہ قطعاً" نہیں جو تم گمان کئے بیٹھے ہو اور تمہاری یہ ہے کہ خدا کے بارے میں تمہاری تمام ترقیل و قال علم و بصیرت سے بے نصیب ہوتی ہے۔ تمہاری تفرقہ بازیوں کا باعث وہ باہمی ضد اور بغاوت ہے جو علم کی روشنی کے باوجود تمہارے دل و دماغ پر مسلط ہے اور جن امور کے بارے میں تم تفرقہ بازی کا کھیل رچائے ہوئے ہو ان کا فیصلہ لازماً قیامت کے روز سامنے آئے گا۔ تم لوگوں نے اتقاء سے مراد یہ لیا ہے کہ یہ عماموں، تسبیحوں، قیل وقال، اسماء و صفات، استنجے اور غسل کے اسالیب، لباس کے مخصوص انداز، نوافل اور حفظ قرآن سے عبارت ہے اور اس کا ان اعمال دین سے کوئی تعلق نہیں جو خدا کی بارگاہ سے نازل ہوئے۔ (ص ۱۰۸)

حفظ قرآن سے منشاء و مقصود

خدا کی قسم! تمہارے رسولؐ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ تم قرآن کے الفاظ اپنے سینوں میں محفوظ کرلو، یا انہیں اس طرح سنبھالے پھرو جیسے گدھے پر کتابوں کا انبار لاد دیا جائے۔ منشائے خداوندی یہ تھا کہ تم آیات قرآنی کے مفہوم و مقصود اور اوامر و نواہی کی حفاظت کرو۔ تاکہ تمہیں پتہ چلے کہ اتقاء سے خدا کی اپنی مراد کیا ہے اور اس کی وہ شرائط اور لوازمات کیا ہیں جو قرن اول میں رائج تھیں۔ حفظ قرآن سے مقصود یہ تھا کہ تم ایمان کی حقیقت اور اس کی کیفیات و لوازمات کو اپنے ذہنوں میں جاگزین کرلو اور حیات دنیوی میں اس کے اجر و ثواب اور حیات اخروی میں اس کے نتائج کو ذہن نشین کرسکو۔ (ص ۱۰۹)

مفتیان عظام کے حضور

اے عصر حاضر کے وہ مفتیان عظام جو مرجع عوام و خاص ہو! تم حسب منشاء انہیں

مصائب میں مبتلا کرنے کے لئے اس طرح فتوے صادر فرماتے ہو گویا وہ آسمان سے نازل ہوئے ہیں۔ تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ تم اس زمین پر خدائی فوجدار مقرر ہو اور اسے ایک کھیل تماشہ بنا رکھا ہے جسے چاہو خدا کے غضب کا شکار بنا سکتے ہو۔ کیا تمہیں یہ دعویٰ بھی ہے کہ تمہیں خدا کی کتاب اور اس کے قانون کا علم حاصل ہے؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو خدا کے خوف سے تمہارے رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ تم اس خوف کے زیر اثر پانی پانی ہو جاتے۔ اپنے قلم توڑ دیتے۔ کاغذ پھاڑ ڈالتے اور اس راہ میں توبہ اختیار کرتے ہوئے تمہاری کبریائی دم توڑ دیتی۔ یاد رکھو کہ تمہاری باہمی چپقلش خود تمہیں بھی بے چارگی میں مبتلا کر دے گی' قوائے امت بھی کمزور پڑ جائیں گے۔ افتراق و انتشار پھیلے گا اور اس کی ہوا اکھڑ کر رہ جائے گی۔ (ص ۱۰۹-۱۱۰)

تحریف دین کے مجرم پیشویان امت!

ہاں اے مفتیان کرام! جب تمہارے نزدیک مسلمان وہ ہے جو خاص قسم کا لباس اور عمامہ پہنے اور داڑھی رکھے۔ اور کافر وہ ہیں جنہوں نے ایسے عمامے اور داڑھیاں ترک کر رکھی ہوں اور وہ ان مسائل سے وابستگی نہ رکھتے ہوں۔ جو تم نے علم و برہان سے بالا ہی بالا' دین کے نام پر وضع کر رکھے ہوں تو مجھے بتاؤ کہ اس استبداد کے لئے تمہارے پاس وجہ جواز کیا ہے؟ اس معاملے میں تم نے جن کتب فقہ اور جس شریعت باطلہ کو بنائے شہادت بنا رکھا ہے کسی صاحب بصیرت کے نزدیک ان کی تائید و توثیق روا نہیں۔ تمہاری اسی روش نے خدا کی کتاب کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور امت کا رشتہ عمل اس سے کٹ کر رہ گیا ہے۔ دین کے معاملے میں تم نے اپنے اسلاف کی آراء اور بزرگوں کے قیاسات کو سند کا درجہ دے رکھا ہے اور اپنے جہلا کو علماء و فضلا کے نام سے اس لئے موسوم کئے ہو تاکہ تم اپنے دین میں حسب ضرورت تحریف سے کام لے سکو۔ ارشادات خداوندی میں من مانی تاویل کرسکو اور غیراللہ کے مطابق اپنا حکم چلا سکو۔ (ص ۱۱۰)

مذہبی اجارہ داروں سے

یہ تم جیسے لوگوں کے بارے میں ہی' جو قرآن کریم پر کماحقہ' ایمان نہیں لائے'

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

"کیاان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔ یہی ہے وہ کتاب جس میں اہل ایمان کے لئے سامان رحمت بھی ہے اور دستور حیات بھی"۔ (۲۹:۵۱)

حق تو یہ ہے کہ تم اس کتاب میں نہ وہ دستو رپاسکے اور نہ نشان رحمت۔ بلکہ تمہارا اس پر دعویٰ ہی غلط ہے۔ اگر تم اس پر صحیح معنوں میں ایمان لائے ہوتے اور کماحقہ' اس کا مطالعہ کیا ہوتا تو یقیناً تم فوز و فلاح سے بہرہ ور ہوتے۔ اس حیات دینوی میں بھی اور عالم آخرت میں بھی۔ کیونکہ خدا حسن کارانہ بسر اوقات کرنے والوں کو اس کے اجر سے محروم نہیں رکھتا۔(ص ۱۱۱)

مقدسین امت کا دین حق سے مذاق

خدا شاہد ہے کہ تم نے نہ ایمان بالقرآن کا حق ادا کیا اور نہ اس کے درس و تلاوت کی ماہیت کو پہنچے۔ تم نے حقائق قرآنی سے کفر کا ارتکاب کیا اور اس کا خمیازہ بھگت رہے ہو۔ تم اس زعم باطل میں مبتلا ہو کہ کفر بے ہودہ قیل و قال سے عبارت ہے یا غسل وطہارت کے اسلوب اور حیض و نفاس کے مسائل میں بھٹک جانے کا نام ہے یا تلاوت قرآن میں الفاظ و اعراب کی غلطی سے لازم ٹھہرتا ہے یا نماز میں سجدۂ سہو اور سمت کعبہ پورے طور پر رخ نہ کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہاں' تمہارے کفر و ایمان کا تمامتر دارو مدار یا تو لفظی عقائد پر ہے یا ان مضحکہ خیز لغویات پر' جن کا کوئی حد و شمار نہیں۔ آہ! اے جہالت کے پرستارو! تمہارے اس کھیل تماشے نے خدا اور اس کے دین حقہ کو زمانے کی نگاہوں میں مذاق بنا ڈالا۔ (ص ۱۱۱-۱۱۲)

کفر خفی و جلی کی نشاندہی

مقدسین امت! خدا را سوچو کہ اگر کفر و ایمان کی حقیقت تمہاری انہی لغویات سے عبارت ہے تو کیا اس کی تائید میں خدا کی کتاب سے کوئی شہادت مہیا کر سکتے ہو؟ سنو کہ کفر درس خداوندی کی کنہ و ماہیت سے محرومی کا نام ہے۔ یہ الگ الگ فرقوں کا

اتباع ہے- یہ جدا جدا مذاہب فقہ سے وابستگی ہے- یہ بے ہودہ ظن و قیاس کا اتباع ہے بلکہ اگر تم جان سکو تو یہ کبر و جہالت کے اندھیروں میں تمہاری نفس پرستی سے عبارت ہے- اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ کفر نری قیل و قال پر لازم نہیں ٹھہرتا بلکہ اس کے علاوہ اس کا حقیقی تعلق اعمال انسانی سے ہے بلکہ اے غافلو! کفر وہ ہے جو تمہاری روش باطلہ کا ماحصل بن رہا ہے- (ص ۱۱۲)

کردار سے گفتار تک

جب سے تم نے خدا کے دین کو کھیل بنایا' تم اپنی حیات دینوی میں درماندگی کا شکار ہو کر رہ گئے- یہ مذاق کفر کی حد تک پہنچ گیا کیونکہ تم اس دین سے روگردانی اختیار کر گئے' جو جیتے جاگتے اعمال اور نظام حیات کا مظہر تھا اور اس دین کو اپنا لیا جو قیل و قال تک محدود تھا- تمہاری یہ قیل و قال بھی علم کی روشنی سے محروم تھی اور عمل کی قوت سے بے نصیب- تاکہ تم اس جمود کے لئے دین میں سہولتیں پیدا کر سکو' حالانکہ خدا کی بارگاہ میں یہ جرم عظیم کے مترادف ہے کہ تم وہ کچھ کہو جو کرنے سے عاری ہو- (ص ۱۱۲)

کفر کی قرآنی تعبیر

جاہلو! آخر تم کفر کا مفہوم کیا سمجھ بیٹھے ہو؟ ہاں سنو کہ یہ کفر عبارت ہے تمہارے انفرادی اور امت کے اجتماعی اعمال بینہ سے جو کمزوری اور خوف کا رد عمل پیدا کئے جا رہے ہیں- یہ کفر' وہ تکذیب دین ہے جس کا ارتکاب تمہارے اعمال کی رو سے ہو رہا ہے- یہ وہ تکذیب رسالت ہے جس نے تمہیں جمود اور قساوت قلب میں مبتلا کر رکھا ہے اے کاش کہ تم اسے جان لیتے! اگر تمہیں کتاب اللہ کا علم حاصل ہوتا تو محض قول کی بنا پر کبھی کسی کو خارج از اسلام قرار نہ دیتے بلکہ یہ فتویٰ اس کے خلاف صادر کرتے جس نے عملاً" اپنے نشو و نما دینے والے کی شان ربوبیت سے کفر برتا- (ص ۱۱۳)

راہ و رسم کفربازی کے جواز میں شہادت پیش کرنے کا چیلنج

اگر تم نے خدا کی کتاب کو سمجھا ہوتا تو تم کبھی کفربازی کا یہ کھیل نہ رچاتے- بلکہ

ارشاد خداوندی (۴:۹۴) کے پیش نظر، تم اس شخص کو بھی، جس نے تمہیں سلام کہا، کبھی یہ کہنے کی جرات نہ کرتے کہ "تو مومن نہیں" سوائے اس شخص کے جس نے عملاً اپنے نشو ونما دینے والے سے کفر کا ارتکاب کیا۔ اس سے عملاً اور معناً" بغاوت اختیار کی او رجو اعتصام بحبل اللہ سے روگردان ہوا او ران لوگوں کے زمرے میں جا شامل ہوا جو دین میں تفریق پیدا کر کے گروہوں میں بٹ گئے اور ان میں سے ہر طائفہ اپنے اپنے سرمائے کی خوش فہمی میں مگن ہے اگر کفرو شرک اور فسق و فجور کے بارے میں تمہارے یہ فتوے واقعی خدا کی طرف سے کوئی دلیل و برہان رکھتے ہیں یا تم یہ کچھ علم و بصیرت کی روشنی میں کر رہے ہو تو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ اپنے ان فیصلوں کی تائید میں کوئی شہادت لے کر سامنے آؤ (ص ۱۱۳)

حقیقت کفراور اس کا انجام

کفر یہ ہے کہ تم خدا سے وہ کچھ منسوب کرو جو عملاً نہ کرو۔ خدا کی بارگاہ میں کسی کا دعوئ ایمان اس وقت تک شرف قبول نہیں پاتا تاآنکہ وہ اپنے عمل سے اس کی تصدیق مہیا نہ کرے اور وہاں کسی شخص کا بھی مواخذہ نہیں ہوگا لیکن اس کے نامہ اعمال کی رو سے۔ وہ بخوبی جانتا ہے جو تم چھپائے ہوئے ہو اور جس کو ظاہر کئے ہو (۱۹/ ۲۶) اس کے ہاں کوئی مکرو تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی اور وہ دلوں میں گزرنے والے خیالات تک کا احاطہ کئے ہوئے ہے (۸/۲۴) اور جانتا ہے کہ تمہارا حقیقی عمل کیا ہے اور اس میں تصنع کا رنگ کس قدر۔ ہاں کفر عبارت ہے تمہاری مال و اولاد کی عبادت سے۔ یہ مترادف ہے تمہارے گھر بار کی محبت میں کھوئے رہنے کے۔ یہ نام ہے اپنے اولیاء کو خدا کا درجہ دینے کا یہ حکام و مساکن کے بتوں کی پرستش ہے۔ یہ سونے چاندی کے خزانوں کی محبت ہے اور اس کا نتیجہ یہ کہ تم نے اپنی قوم کو ذل و مسکنت کے جنہم میں پہنچا دیا۔ (ص ۱۱۳۔ ۱۱۴)

ارتکاب کفر کا ایک اور گوشہ

ہاں اے غافلو! تم اس حقیقت دین کو بھول گئے کہ کفر کی جیتی جاگتی تعبیریں

تمہارے وہ باہمی اختلافات ہیں جن سے وحدت امت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ یہ اسی کفر کی کارفرمائی ہے کہ تم نے قومی استحکام کے لئے ایثار مال کا ثبوت دینے کی بجائے بخل سے کام لیا۔ حوالہ آیت (۴:۳۷)--- یہ کفر ہی کے مترادف تھا کہ تمہاری دولت ان حکمرانوں کے قدموں میں نچھاور ہوتی رہی جو خدا نے تمہاری بداعمالیوں کی سزا کے طور پر مسلط کئے تھے اور جن کے سامراجی استبداد و استحصال نے تمہاری امت کی توانائیاں کمزور کرڈالیں اور تمہاری ہلاکت کے سامان مہیا کر دیئے--- حوالہ آیت (۸:۳۶-۳۷) اور یہ بھی کفر ہی تو تھا کہ تم نے اگر کبھی کچھ ایثار مال کیا بھی تو صرف اس لئے کہ اس کی بدولت خود تو اپنا مفاد پاؤ اور قوم کو مصیبت میں ڈال دو۔ (ص ۱۱۵)

تصور وحدت سے روگردانی کا انجام

گفتار کے غازیو! تمہیں کون بتائے کہ کفر تصور وحدت سے عملاً اور معناً" روگردانی اختیار کرنے اور قلب ونگاہ میں (افتراق وانتشار کی) شیطنت سے دلی بستگی کا نام ہے۔ ہاں! ہاں! کفر یہ ہے کہ تم شب روز عقیدہ توحید کے تقاضوں کو پامال کرتے رہو اور دنیاوی مفادات کی خاطر صبح و شام نئے نئے لات منات کے پجاری بنے رہو۔ ہوس جاہ کی دل آویزیاں تمہارے دلوں پر اس طرح اپنا تسلط جمالیں کہ تم خدا اور اس کے احکام و قوانین سے عملاً شرک اور انحراف اختیار کرلو۔ اسی کفر و شرک کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد ہوا جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ خدا کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے۔ لیکن جب اسی خدا کی طرف سے کوئی نعمت میسر آجاتی ہے تو اس سے ماقبل کی ساری دعائیں بھول جاتا ہے اور اسے کسی دوسری بارگاہ کا صدقہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس بدبخت سے کہہ دو کہ یہ ارتکاب کفر زیادہ دیر کام نہیں دے گا اور اس کا انجام ان سیہ بختوں سے مختلف نہیں ہوگا جن کی متاع حیات جہنم کے شعلوں میں خاکستر ہو کر رہ گئی (۸:۳۹) (ص ۱۱۵)

دعوت امیر

اے عصر حاضر کے مفتیان عظام! یہ تمہارا جہاد مال سے انحراف بھی کفر کے

مترادف ہے۔ تمہاری امیر کے احکام سے سرتابی اور اس کی اطاعت سے روگردانی بھی کفر کے ہم پایہ ہے حالانکہ تمہارا امیر تمہیں اس مقام و منزل کی طرف بلا رہا ہے۔ جو تمہارے لئے زندگی کی ضمانت ہے (۸/۲۴) اور یہ تمہاری اپنے میں سے مقرر کردہ جانشین رسولؐ کی "ایام خداوندی" کی طرف پکار اور میدان جہاد کی دعوت سے بے رخی بھی تو اسی کفر کا ہی ایک دوسرا پہلو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے' ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے' جو رسولؐ کی بارگاہ میں (میدان جہاد کی) اس موت سے جان بچانے کی اجازت طلب کیا کرتے تھے' یہ فرمایا کہ:

> ان میں وہ بدبخت بھی شامل ہیں جو یہ اجازت طلب کرتے ہیں کہ انہیں اس مصیبت سے بچا رہنے دو۔ حالانکہ یہ راہ فرار انہیں ابدی مصیبت میں ڈال چکی ہے اور یہی وہ منکرین حق ہیں جن پر عذاب جہنم محیط ہے (۹/۴۸)

پس جان لو کہ امیر کی نافرمانی بھی کفر ہے اور اس کی اطاعت سے بے رخی بھی' بشرطیکہ تم اس حقیقت کو سمجھ سکو۔ (ص ۱۱۶)

میدان جنگ سے فرار۔ یہ بھی کفر سے کم نہیں

اگر تم چشم بصیرت سے کام لو تو جہاد بالسیف سے بے رخی اور موت سے فرار بھی کفر سے کم نہیں۔ جو خدا کی راہ میں اس کے دشمنوں سے جنگ نہیں لڑتا اور موت کے خوف سے بچاؤ کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ امت کی کمزوری اور غم کا سامان مہیا کرتا ہے۔ پس ارشاد باری کے مطابق ــــــ

> "جو کوئی میدان جنگ میں پیٹھ دکھائے گا۔ سوائے اس کے کہ جنگی چال کے تحت ایسا کرے گا۔ یا دشمن سے جا ملے گا (۸/۱۶) وہ اپنے امور دینوی میں کمزوری کا شکار ہو گا اور خدا کی فتح و نصرت سے بے نصیب ہو کر رہ جائے گا۔ یہی ہو گا وہ بدنصیب جس نے خدا سے کفر کا ارتکاب کیا اور ایسے ہی لوگ کافر شمار ہوں گے۔ یاد رکھو کہ خدا کا یہ محاکمہ صرف قرن اول کی جماعت مومنین تک محدود نہیں تھا بلکہ تخلیق کائنات کے آغاز سے روز قیامت تک جو کوئی بھی ایمان کا مدعی ہو گا' اس پر یہ برابر عائد ہو گا (حوالہ آیات ۲۲۔۲۳۔۴۸/۲۳' ۳/۱۱' ۲۳/۱۱۷)

اس لئے حق تو یہ ہے کہ کافر وہی ہیں جو اس دنیا میں مغلوب ہو کر رہ گئے اور یہ حقیقت تمہاری نگاہوں کے سامنے نکھر کر آرہی ہے۔ (ص ۱۱۸)

شکست کفار کا مقدر ہے!

حق تو یہ ہے کہ اس دنیا میں تم جہاں کہیں بھی نگاہ دوڑاؤ گے، اہل کفر کو مغلوب پاؤ گے سلسلۂ کائنات کے آغاز سے قیامت تک یہ حقیقت ہمیشہ سامنے آتی رہے گی کہ شکست کفار کا مقدر ہے اور جماعت مومنین کو ہمیشہ، خدا کی تائید و نصرت حاصل رہی اور ان کے لشکر ہمیشہ غالب رہے (۳۷/۱۷۳) یہ وہ سنت خداوندی ہے جس میں، اے جاہلو! تم لاکھ چاہو بھی تو کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ تم چاہتے ہو کہ تمہارے مکر سے اس میں کوئی تبدیلی رونما ہو، لیکن اے مکار انسانو! تم خدا کے قوانین میں ایسا ردو بدل نہیں پاؤ گے۔ یہ سنت خداوندی نہ صرف آج بلکہ دور رفتہ میں بھی ایک حقیقت ثابتہ رہی (۸/۳۸) (ص ۱۱۹)

حقیقی کفر کا مقدر --- زوال اور شکست

فلہذا کافر وہ ہیں جن کا مقدر زوال اور شکست کے سوا کچھ نہیں۔ مزید بر آں وہ خدا کی تائید و نصرت سے بھی بے نصیب رہتے ہیں۔ وہ اپنے کون و مکاں میں مغلوب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کے امور زندگی میں کمزوریاں بپا ہو جاتی ہیں۔ ان کی سعی و جہد میں اضمحلال غالب آجاتا ہے اور اپنی ان کوششوں میں وہ خدا کی رحمتوں سے مایوس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ خدا اور اپنے امیر سے خوف کھانے کی بجائے اغیار سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ "تجھے ان پر ایک جمعیت کا گمان ہوگا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے بگاڑ کار فرما ہوگا یہ اس لئے کہ اس قوم نے عقل و بصیرت سے کام لینا چھوڑ دیا"۔ (۵۹/۱۴) (ص ۱۱۹)

اہل کفر کی ایک اور کیفیت

اہل کفر کی یہ کیفیت بھی جان لو کہ ان میں اخوت باہمی کے اعتبار سے منظم ہونے

اور نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کی بھی استطاعت نہیں رہتی۔ وہ ایک دوسرے سے عناد رکھتے ہیں اور بیکسی میں مبتلا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ تدبیر امور پر توکل کرتے ہیں اور اس کے نتائج سے آنکھیں بند رکھتے ہیں وہ نہ صرف اپنی کوششوں کے انجام اخروی سے بے خبر رہتے ہیں بلکہ خود حقیقت آخرت سے بھی اور اس کا انجام یہ کہ حیات دینوی میں بھی ان کے اعمال بے نتیجہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کی مساعی رائیگاں ہو کر رہ جاتی ہیں اور وہ بدترین خسارے سے دوچار ہوتے ہیں۔ (ص ۱۱۹)

کافر جو سنت خداوندی سے بے بہرہ ہیں

پس حقیقت کے اعتبار سے' کافر وہ ہیں جو روئے زمین پر خدا کے قانون و سنت کی کار فرمائی سے بے بہرہ ہیں اور جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوا' اس کی صداقتوں پر ایمان نہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں زندگی کے مصائب و مشکلات سے نجات نہیں ملتی اور حیوانی سطح پر زندگی سے متمتع ہونا ان کا نصب العین قرار پا گیا ہے۔ ان کی کوششیں' سعی بلیغ کے مقام و منزل سے بے نصیب ہیں اور ان کی تگ و تاز کا سلسلہ "اعمال صالحہ" کی خصوصیت سے محروم ہے۔ ان کے نفوس میں وحدت نہیں اور انکی اجتماعی زندگی میں کوئی نظام باقی نہیں رہا۔ مزید برآں انہیں یہ قدرت بھی حاصل نہیں رہی کہ اپنے کسب و عمل سے کوئی مثبت نتائج بروئے کار لاسکیں اور اس کے باوجود انہیں یہ خوش فہمی لاحق ہے کہ وہ حسن کارانہ اعمال سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ خدا کے قوانین کے بارے میں غفلت کا شکار ہیں۔ (ص ۱۲۰)

حکمت و بصیرت سے محرومی کفر کی تصویر کا ایک اور پہلو

کفر نام ہے قوت عمل میں کمزوری اور ظلم و نسق سے روگردانی کا۔ یہ نام ہے تمہارے شرک اختیار کرنے اور اپنے مال و اولاد اور خواہشات نفسانی کی محبت میں کھو جانے کا۔ یہ خدا سے روگردانی اختیار کر کے احبار اور راہبان اور اولیاء سے لو لگانے کا نام ہے۔ اے عصر حاضر کے جہالت پسند فقیہو! تمہارے اپنی ذات پر ظلم کا یہ نتیجہ ہے

کہ جس سعی و عمل سے امت دنیا میں غالب تھی اس سے تم نے اسے محروم کردیا۔ کفر یہی ہے کہ تمہاری جدوجہد نے اس حیات دینوی میں ضلالت کی راہیں اختیار کرلیں۔ تمہاے اعمال پر بے حسی طاری ہوگئی تمہارے معاملات میں بگاڑ پیدا ہوگیا۔ تمہاری متاع حیات نے حیوانی سطح قبول کرلی۔ تم اپنی صلاحیتوں کو کھو بیٹھے اور حکمت و بصیرت سے محروم ہوگئے۔ (ص ۱۲۱)

آسائش نفسانی کے لئے آیات خداوندی سے مکر

خدا نے اپنے رسولؐ کو حقیقت بیان کرنے کی ہدایت فرمائی کہ جو لوگ خدا کے بارے میں افترا بازی کریں گے ان کی فلاح ممکن نہیں ہوگی۔ وہ مفاد دینوی سے لذت ضرور پاسکیں گے لیکن جب ہماری بارگاہ میں پہنچیں گے تو انہیں یہ کفر اختیار کرنے کے باعث، عذاب شدید کا مزا لازماً چکھنا پڑے گا۔

ہاں اے مفتیان کرام! کیا یہ اس لئے نہیں ہوگا کہ تم نے جان بوجھ کر آیات خداوندی کے بارے میں مکر سے کام لیا اور اس کی شہادتوں کو چھپانے کی کوشش کی؟ تمہارے سعی و عمل کا مقصود اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہیں آسائش نفس کے سامان حاصل ہو جائیں؟ ہائے افسوس کہ تم خدا کی کتاب پر ایمان کا حق ادا نہ کرسکے بلکہ تم نے اس سے کفر کا ثبوت دیا۔ (ص ۱۳۲)

مفتیان امت کی خودفریبیاں

مفتیان کرام! خدا کی ذات پر یہ افترانہ باندھو اور نہ اس کذب بیانی سے کام لو کہ آخرت کے بارے میں، قیامت کے روز خدا یہ وعدہ پورا کرے گا کہ کفار کے چہرے بدصورت ہوں گے اور تمہاری شکلیں جگمگا رہی ہوں گی۔ حالانکہ تم پر وہ قیامت آچکی ہے کہ تمہاری صورتیں بگڑ چکی ہیں۔ تمہاری یہ غلط فہمی بھی ختم ہوجانی چاہئے کہ تمہیں ذل و مسکنت کی یہ راہ (معاذ اللہ) قرآن نے دکھائی ہے بلکہ یہ تمہارے عماموں اور تسبیحوں کا مکر اختیار کرنے کا نتیجہ ہے۔ خدا کا ارشاد تو یہ ہے کہ۔

"قرآن اسی کو رہنمائی عطا کرتا ہے جو اس پر چلنے کی راہ میں ثابت قدم ہے

اور جو اہل ایمان صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ انہیں اجر عظیم کی بشارت ہے" (۹/۱۷) "ہاں اے مفتیان عظام! کیا تم اس کے بعد بھی خدا کے بارے میں وہ کچھ کہو گے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں" (۱۰/۶۸) (ص ۴۲)

یہ کفران نعمت کا راستہ

ہاں اے امت کے جہالت پسند پیشواؤ! تمہاری علم و حکمت سے یہ بے رخی بھی تو کفر کے ہم پایہ ہے۔ تمہاری اس جہالت نے ہی تمہاری قوم کو ذل و مسکنت میں مبتلا کر دیا۔ اسی کی بنا پر تم خدا کی نعمتوں سے روگرداں ہوئے اور جیسا کہ ان کا حق تھا اس کے مطابق نہ تو ان کی قدر کر سکے اور نہ شکر ادا کر سکے۔ خدا کا یہ ارشاد تمہارے ہی بارے میں تو ہے کہ:

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے احسان کا بدلہ کفران نعمت کی صورت میں دیا اور اپنی قوم کو تباہی کا شکار بنا دیا" (۱۴/۲۸)

مزید ارشاد ہوا کہ

"وہ خدا کی نعمتوں کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی کفران نعمت کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور اس طرح ان کی اکثریت کفر میں مبتلا ہے" (۱۶/۸۳)

یاد رکھو کہ جس کسی نے اپنے نشو نما دینے والے کی نعمتوں کی کماحقہ قدر کی اور ان سے ذوق عمل پا کر ان کی غرض و غایت کی تہ تک پہنچا اور اس طرح خدا کے صراط مستقیم پر جادہ پیما ہو کر اسے زندگی کا مستقل نصب العین ٹھہرایا تو یہی لوگ درحقیقت اہل ایمان میں سے ہیں۔ (ص ۱۲۳)

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے

ایمان بالآخرۃ سے عملاً" معنا" اعراض اختیار کرنا بھی کفر کے ہم معنی ہے بشرطیکہ تم اسے جان سکو۔ تمہاری یہ خود فریبی کوئی وزن نہیں رکھتی کہ تم زبانی قول و اقرار سے آخرت پر ایمان کے مدعی بن بیٹھو۔ خدا کی بارگاہ میں زبانی دعوؤں کی کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ خدا عمل کرنے والوں سے ہی محبت رکھتا ہے اور اس کا ارشاد یہ ہے کہ:

"بعض لوگ زبانی طور پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا اور آخرت کو مانتے

ہیں اور حقیقت میں وہ اہل ایمان نہیں (۲/۸)
اس لئے لقائے رب کا شرف پانے کے لئے عمل پیہم اور جہد مسلسل کا ثبوت دو اور اس کی بدولت حیات دنیوی کی فوز و فلاح سے مالا مال ہو جاؤ- اسے بخوبی ذہن نشین کرلو کہ خدا کی مغفرت اسی صورت میں میسر آئے گی جبکہ تمہارا سلسلہ جہاد زندگی کے آخری سانس تک برابر جاری رہے- یاد رکھو کہ اگر تم خدا کی ولایت و محبت پانے کے آرزو مند ہو تو یہ مقام محمود صرف اسی وقت حاصل ہو گا جب تم خواہشات نفسانی سے منہ موڑ کر خدا کی راہ میں جذب و شوق سے بے دریغ جانیں لڑا دو اور حیات دنیوی میں غلبہ و عروج کی منزل مراد تک پہنچ جاؤ- (ص ۱۲۴)

اولیاء اللہ ہونے کی خود فریبی

اگر تم اس خیال خام میں مبتلا ہو کہ اپنے مخصوص عماموں، تسبیحوں، گفتگوؤں اور گھروں یا مسجدوں میں گوشہ نشینی اختیار کرنے سے تم اولیاء اللہ میں شمار ہونے لگے ہو! اور اس طرح موت سے فرار کا مکر روا رکھ کر تم خدا کی عبادت اور محبت کا ثبوت دے رہے ہو، تو تمہاری یہ خود فریبی حد درجہ مذموم ہے- یاد رکھو کہ تمہاری طرح یہود بھی موت سے فرار اختیار کر کے اسی طرح کے فریب نفس میں مبتلا ہوا کرتے تھے اور جیسا کہ وہ خدا کو پکارا کرتے تھے، اس کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا کہ:

> "اے یہود! اگر تم اس زعم باطل میں گرفتار ہو کہ، دیگر بنی نوع انسانی سے بالاتر، تمہیں اولیاء اللہ کا مقام حاصل ہے تو اس دعوے کی شہادت میں تمنائے موت کا ثبوت دو- یاد رکھو کہ تم جو کردار ادا کر رہے ہو، اس کی بنا پر تم کبھی ایسا نہ کر سکو گے اور خدا ایسے ظالموں سے پوری طرح باخبر ہے- اے نبی اکرمؐ! انہیں یہ حقیقت سمجھا دیجئے کہ جس موت سے یہ جان بچا رہے ہیں وہ انہیں بچ نکلنے کی مہلت نہیں دے گی اور انہیں بہر حال ظاہر و باطن کے اس راز دان کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑے گا جو ان کا کیا کرایا ان کے سامنے لے آئے گا-" (ص ۱۲۴)

بلند بانگ دعووں کی تصدیق

طالب و مطلوب کے مابین ولایت کا دعویٰ اس وقت تک کوئی حقیقت نہیں رکھتا تاآنکہ چاہنے والا اپنی خواہشات نفسانی سے منہ موڑ کر جادۂ مطلوب پر تمنائے موت سے سرشار نہ ہو۔ کوئی شخص بھی کسی دوسرے کے دعویٰ محبت پر اعتماد نہیں کرتا جب تک کہ وہ اسے عملاً" جانچ پرکھ نہ لے اور اسے واضح طور پر یہ معلوم نہ ہو جائے کہ مدعی نے اپنے دعوے کی تصدیق بہم پہنچا دی ہے اور جس کسی نے بھی یہ تصدیق مہیا کر دی وہ مقام محبوب پر فائز ہوگیا۔ اسی بنا پر ارشاد باری ہے کہ:

"لوگوں پر یہ گمان غالب ہے کہ وہ محض ایمان لانے کے دعوے کے زور پر ہی نجات پا جائیں گے اور انہیں کسی آزمائش سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ حالانکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم اب تک سب کو آزمائش کی انگیٹھی میں پرکھتے آئے ہیں ار یہ اس لئے کہ خدا کی بارگاہ سے یہ حقیقت الم نشرح کر دی جائے کہ اپنے دعوے میں سچا کون ہے اور جھوٹا کون" (۲۹/۳۰۳)

(ص ۱۲۵)

قرآن کی بارگاہ جلیل

اے ایمان لانے کے دعوے دارو! اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو قرآن العظیم کی بارگاہ میں جھک جاؤ اور اس کی بارگاہ میں دم مارنے کی مجال نہ ہو۔ اس صورت میں تمہارے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سے سرموگریز اختیار کرو۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

"جماعت مومنین کے لئے یہ کتاب تمہارے نشو نما دینے والے کی طرف سے روشن حقائق اور ہدایت و رحمت کا سرچشمہ ہے اور جب اس کی تلاوت ہو رہی ہو تو اسے بغور سنو! اور خاموشی اختیار کرو تاکہ تم اس کی رحمت کے سزاوار بن سکو" (۷:۲۰۳۔۲۰۴)

اور اگر یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو ارشاد ربانی کے مطابق "تو اس پہاڑ کو دیکھتا کہ وہ جلال خداوندی کے زیر اثر ریزہ ریزہ ہوکر رہ جاتا" (۵۹/ ۲۱)

کیا تم ان حقائق پر غور و فکر سے کام لو گے؟
فرمان خداوندی یہ بھی ہے کہ:

"تم ان لوگوں کا راستہ اختیار نہ کرنا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو اپنے آپ کو بھی بھلا بیٹھے۔ یہی ہیں فاسقین --- یعنی گریز کی راہیں اختیار کرنے والے"۔ (۵۹:۲۱)

فلہذا کفر و شرک کی راہوں سے توبہ اختیار کرو اور خدا کی سجدہ گاہیں (اطاعت کے مراکز) اس کی توحید پر قائم کرو اور ان میں نجوم و اشجار کی سی اطاعت (صلوٰۃ) کا حق ادا کرو۔ (ص ۱۲۶)

کفر و ایمان کا معیار عمل اور صرف عمل ہے

اے عصر حاضر کے مفتیان عظام! اگر تم قرآن حکیم کے الفاظ کی گہرائیوں تک غور و خوض کرو گے اور اس کے مفہوم و مقصود کو سمجھنے کی کوشش کرو گے تو تمہیں اس میں کفر کا مفہوم عملی کفر ملے گا۔ انکار کا مفہوم عملی انکار ملے گا۔ زبانی کفر کا تذکرہ کہیں نہیں ملے گا۔ زبانی و قولی مکر کا ایمان نہیں ملے گا۔ خاص قسم کے عماموں' کرتوں اور پاجاموں کا اسلام نہیں ملے گا۔ سوائے اس کے کہ جس نے زبانی برائی اختیار کی اور اسے عملی صورت دے کر اس سے متمسک ہوا' وہ اپنی ان خطاؤں میں مبتلا ہو کر رہ گیا اور جس نے آیات خداوندی کی زبانی تعظیم و تکریم کے باوجود عملاً ان سے روگردانی اختیار کی' لازماً اس نے اپنے رب سے کفر کا ارتکاب کیا اور ایسا کوئی شخص بھی اس کا مورد الزام قرار نہیں پاسکتا جس نے خدا کی عبادت کا حق اپنے عمل سے ادا کیا۔ خدا کی محبت کے ولولوں میں اس کے لئے سینہ سپر رہا اور اس کے عشق و محبت کی حدود کا پابند رہ کر شرک کی راہ اختیار کرنے سے اجتناب کیا۔ (ص ۱۲۷)

تقاضائے ایمان وحدت انسانیت

ہاں اے فقہائے امت' جو گفتار کے غازی بن کر رہ گئے ہو کچھ تو ان حقائق پر غور کرو! کفر وہ نہیں جو تم اقوال پر گمان کئے بیٹھے ہو بلکہ یہ وہ ہے جو تم عملاً" کرتے

اور کماتے ہو اور تمہارے اقوال سے جو کچھ سامنے آیا وہ یہ ہے کہ تم نے نوع انسانی میں تفرقہ پیدا کیا اور آپس میں چپقلش قائم کی۔ تم گروہوں میں بٹ کر خوش بخوش ہو حالانکہ تمہاری گفتار کے ان عملی نتائج کا نام ہی تو کفر کے مترادف ہے۔ یہ اس لئے کہ جو کوئی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کے لئے تیار نہیں' اس کے بندوں میں صلح و امن قائم رکھنے کا روا دار نہیں' جدا جدا گروہوں میں ربط باہمی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتا' وہ خدا کی بارگاہ میں کفر عظیم کا مرتکب ہے۔ نہیں' بلکہ اس نے خدا سے کفر کیا۔ اس نے رسولوں' اس کی کتابوں اور اس کی توحید سے کفر اختیار کیا اور ایسے لوگ لازماً خدا کے عذاب سے دوچار ہوں گے۔ کیونکہ جو خدا اور اس کی توحید پر کماحقہ' ایمان لایا وہ وحدت انسانی پر ایمان لایا۔ وہ ایمان لایا انسانی مساوات و اخوت اور مصالحت پر اور وہ اس حقیقت پر بھی ایمان لایا کہ خدا اپنے بندوں میں تفریق و تشتت پسند نہیں کرتا بلکہ اس کی رضا و منشاء یہ ہے کہ اس کے بندوں میں امت واحدہ کی صورت پیدا ہو۔ (ص ۱۲۸)

فریب نفس کا شکار ہونے والو!

اے گم کردہ راہ انسانو! تم نے یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ صراط مستقیم کیا ہے اور یہ بھی کہ اگر تم آپس میں متحد اور متمسک رہتے تو تم پر خدا کی بارگاہ سے کیا کیا انعام و اکرام نازل ہوتے! تم نے اس پر بھی غور نہ کیا اے غافلو کہ تم صبح و شام اپنی نمازوں میں راہ ہدایت پانے کی جو دعائیں کرتے ہو' اس سے مقصود کیا ہے۔ تم نے اس پر بھی کچھ نہ سوچا کہ وہ جو علمائے متقدمین نے "بال سے باریک اور تلوار سے تیز" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان سے مراد کیا ہے۔ بلکہ تمہارے جہلا نے اسے ایک پل تصور کر لیا ہے جو جہنم کے اوپر بچھا ہوا ہے۔ جسے اپنی بھیڑ' بکریوں اور گائے کی سواری سے عبور کرتے ہوئے تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اگر ایسا ہی ہے کہ خدا نے تمہارے قربانی کے جانوروں کے گوشت اور خون کے بدلے میں تمہارے لئے اس قسم کے انعام مقرر کر رکھے ہیں تو پھر یوں سمجھنا چاہئے گویا خدا کا پورا دین منسوخ ہو کر رہ گیا۔ ارے ستم ظریفو! ایسا کر کے تم نے خود اپنے آپ کو فریب دیا اور اس فریب نفس میں گہری نیند سو گئے۔ (ص ۱۲۹)

صراط مستقیم وحدت امت سے عبارت ہے

تمہارے نشو ونما دینے والے کا صراط مستقیم یہ ہے کہ تم وحدت امت کا قیام و دوام پیش نظر رکھو اور نہ صرف اپنی صفوں میں بلکہ کتاب اللہ کے معاملے میں اختلاف و افتراق پیدا کرنے سے احتراز کرو اور ان کتابوں کے بارے میں بھی ایسا کرنے سے بچو جو دیگر تمام انبیائے کرامؑ لے کر آئے اور اس انتشار سے بھی اعراض کرو جو تمہیں جہنم کے کنارے تک پہنچا دے اور کرو یہ کہ خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور نوع انسانی میں صلح و سلام کے قیام پر توجہ دو۔ یہ اس لئے کہ ارشاد خداوندی کے مطابق:

> "جو خدا سے رشتہ جوڑ لیتا ہے صراط مستقیم کو پالیتا ہے' اے ایمان والو! خدا کے تقوے کا پورا پورا حق ادا کرتے ہوئے تقویٰ شعار بن جاؤ اور اوعی اجل کو لبیک کہو تو بھی اس کے حضور سر تسلیم خم کئے پہنچو۔ خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو' تفرقہ سے بچو اور خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو شیر و شکر کر دیا"۔

ہاں! صراط مستقیم اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم ایک نقطے پر مجتمع ہو جاؤ اور یہ نقطہ تمہاری وحدت نفسانی کا مرکز و محور قرار پا جائے۔ (ص ۱۳۰)

اطاعت امیر اور راہ حق میں استقامت بھی صراط مستقیم ہے!

صراط مستقیم یہ ہے کہ اپنے امیر کی بلا حیل وحجت اطاعت کرو اور اپنے جان و مال اس کے لئے وقف کئے رہو بلکہ اپنے دشمنوں سے جہاد بالسیف کے لئے اور مال کی قربانی کے ساتھ ساتھ گھربار چھوڑنے کے لئے ہر آن تیار رہو تاکہ اس حیات دنیوی میں تم اپنی امت کو صاحب عزم و ثبات ثابت کر سکو اور حیات اخروی میں انعام یافتہ قوموں کی صف میں جگہ پا سکو۔ یہی ہے دنیا و آخرت میں صالحین کا مقام----- (سلسلہ آیات القرآن)

صراط مستقیم یہ بھی ہے کہ تم سعی و عمل میں استقامت اختیار کرو تاکہ اس زندگی

میں تمہاری یہ کھیتیاں پروان چڑھ سکیں اور جہاد زندگانی کی مصیبتوں کے مقابلے میں تمہارا یہ عزم و استقلال اور خدا پر توکل بھرپور نتائج مرتب کر سکے۔

ہمیں چاہئے کہ خدا پر بھروسہ کریں اور وہ یقیناً ہمیں منزل مراد عطا کر دے گا اور ہمیں اس راہ کی اذیتوں پر صبر کرنا چاہئے۔ اہل عزم و ثبات صرف خدا پر تکیہ کرتے ہیں (۱۴:۱۲)

خدا کا ارشاد یہ بھی ہے کہ:

"جن لوگوں نے ہمارے لئے جہاد کیا ہم انہیں اپنے صراط مستقیم پر لے آئیں گے اور یقیناً خدا محسنین کے ساتھ ہے (۲۹:۶۹) (ص ۱۳۱)

صراط مستقیم کے کچھ اور گوشے

ہاں، صراط مستقیم سے مراد تمہاری بلا حیل و حجت اطاعت امیر بھی ہے اور بہر حال اور بہر صورت اس کا اتباع بھی۔ اس کے اشارے پر جان و مال کی قربانی اور جہاد بالسیف بھی۔ خدا کی راہ میں اس کے حکم پر ہجرت بھی۔ اسی بے چون و چرا اطاعت کے زور پر ہی تم امت کے ثبات و استقلال کی شہادت فراہم کر سکو گے اور ان قوموں کی صف میں شامل ہو سکو گے جو دنیا و آخرت میں انعام خداوندی سے نوازی جاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ تم صالحین کے زمرے میں شریک ہو گے۔ (آیات ۴:۶۶-۷۰)

صراط مستقیم سعی و عمل میں تمہاری استقامت سے بھی عبارت ہے، جس کا پھل دنیوی فلاح کی صورت میں ملتا ہے۔ یہ مصائب و مشکلات پر جدوجہد کے زور پر قابو پانے کے بھی مترادف ہے اور اس کے نتائج پر توکل کا نام بھی، یہ تمہاے اس اشدالجہاد کا نام بھی ہے جس کی آزمائش میں سرخروئی کے باعث تم نفسانی کمزوریوں سے نجات پاسکتے ہو (آیات ۱۴:۱۲-۲۹: ۶۹-۵۶:۱) تمہاری دشمنوں پر شدت اور تحفظ خویش بھی صراط مستقیم ہے۔ تاکہ تم منظم طور پر ان سے دو بدو ہو سکو اور سعی و عمل کی استقامت سے انہیں نشانہ قتل بناتے ہوئے ان کا نام و نشان تک مٹا ڈالو (ص ۱۳۱-۱۳۲)

خدا کی شان ربوبیت کو سمجھو

سلسلہ کائنات کی واضح نشانیوں سے کائنات کے نشو ونما دینے والے کی اس شان ربوبیت کو سمجھو کہ اس نے ایک ہی سرچشمۂ حیات سے سلسلہ کائنات کی تخلیق کی اور اس کی اصل و نسل کا ایک ہی مصدر متعین کیا۔ جیسا کہ حکمائے مغرب نے اس سلسلہ ربوبیت کی کیفیات کو "مسلہ ارتقاء" کی رو سے پیش کیا اور تمہیں اس عجیب و غریب حقیقت کے اعتراف کی ترغیب دی تاکہ تم اپنے نفوس کو پہچانو اور اپنے رب کی معرفت پاسکو' اس کی عظمت و جلال کا اندازہ لگا سکو' اس کی قدرت کاملہ کی وسعتوں سے آگہی پاسکو اور یہ سلسلہ غور و فکر صراط مستقیم پر قدم بڑھانے کا اہل بنا سکے۔ پس تمہارے رب کا صراط مستقیم یہ ہے کہ تم طلب علم میں لگ جاؤ۔ تمہارے سمع و بصر اور فہم و ادراک سے اس کی صداقت کی جو شہادت بہم پہنچے' اس سے سفر زندگی میں نشان منزل کا کام لو اور اس معاملے میں ظن و قیاس سے اجتناب کرو۔ چنانچہ جو لوگ دور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں تمہاری طرح ظن و قیاس کی پیروی کرتے تھے خدا کی آخری کتاب میں ان کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ:

> "وہ علم سے بے نصیب ہیں اور ظن و تخمین کا اتباع کرتے ہیں اور یہ حسن ظن انہیں حق کی بارگاہ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا اس لئے جس نے ہمارے قوانین سے روگردانی اختیار کی اور حیات دنیوی ہی کو اپنا مقدر سمجھا (اے نبیؐ) تو بھی اس سے بے نیاز ہو جا! ان کا علم انہیں یہیں تک ہی پہنچا سکتا تھا اور تمہارا رب ان راہ حق (یعنی صراط مستقیم) سے بھٹکے ہوؤں کو خوب جانتا ہے۔ اسے یہ بھی علم ہے کہ راہ ہدایت پر قدم بڑھانے والے کون ہیں۔ (۵۳:۲۸۔۳۰)۔ (ص ۱۳۳)

حصول علم صراط مستقیم کا تقاضا ہے!

صراط مستقیم یہ بھی ہے کہ تحصیل عمل میں کوشاں رہو۔ ان امور سے بچو جو تمہارے عادات و اطوار میں بگاڑ پیدا کریں اور وہ کچھ اخذ کرو جو تمہارے سیرت و کردار کی تعمیر و تربیت کا باعث ہو۔ خدا کی سنت جاریہ سے متمسک ہو جاؤ۔ اشیائے کائنات

کا درس پاؤ۔ معرفت نفس پانے کی سعی کرو۔ دشمنوں پر غلبہ حاصل کرو۔ اپنے علم اور کتاب خداوندی کی حکمت نورانی کی وساطت سے تمکن فی الارض کے نصب العین تک پہنچو اور اس طرح جو علم و بصیرت حاصل ہو اس کی بدولت یہود و نصاریٰ اور دیگر اہل کتاب پر علی روٗس الاشہاد قرآن حکیم کے علم اور حکمت و موعظت کا سکہ بٹھا دو۔ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ تم اپنی اس جہالت اور کم فہمی کی بنا پر، جو مدتوں سے تمہارا شعار ہے، کامیابی سے ان کا سامنا کرسکو۔ تمہارے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ ان کے دلوں پر عظمت دین کا نقش قائم کرنے کے لئے صرف و نحو، شعرو ادب اور صنعت و بدعت کی فضول بحثیں چھیڑ کر یا اپنی تسبیحوں اور عماموں کی برتری جتلا کر کوئی میدان مار سکو کہ ایسی لغویات ان کے نزدیک ناقابل التفات سمجھی جائیں گی تم انہیں اس وقت تک اسلام کی طرف مائل نہیں کر سکتے اور اس وقت تک انہیں اپنے زمرے میں شامل نہیں کر سکتے تاآنکہ تمہاری علمی سطح ان جیسی نہ ہو اور خدا کی راہ میں تمہارا جذبہ جہاد ان کے ذوق جہاد سے برتر نہ ہو۔ تم جب بھی بربنائے جہالت، انہیں مقابلے کی دعوت دو گے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں ان کا جواب یہی ہوگا کہ:

"ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے، تمہارے لئے۔ ہمارا تمہیں دور سے ہی سلام! (ص ۱۳۴)

دعوت قرآنی علیٰ وجہ البصیرت

غفلت و جہالت کی جولا نگاہ کے سور ماؤ! صراط مستقیم یہ ہے کہ تم حکمت قرآنی کی تعلیم پاؤ اور اس کے حقائق و معارف کو سمجھو۔ نہیں، بلکہ اس کے حقائق و معارف، اس کے صدق و عدل، اس کے نور و ہدایت، اس کی رحمت و بشارت، اس کی حکمت و موعظت اور اس کی شفا باریوں کو علم و شہادت کی رو سے دوسرے انسانوں تک پہنچاؤ اور اگر یہ حقیقت سمجھ لی جائے تو اپنی کم فہمی سے اس کی تکذیب کے مجرم نہ بنو۔ تم انہیں یہ حقیقت سمجھاؤ کہ خدا کی یہ کتاب نوع انسانی کو سلامتی اور حفظ و امن کی منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ تاکہ اس حیات دنیوی میں وہ خوف و حزن کی پریشانیوں سے محفوظ رہیں اور حیات اخروی میں مقام شرف پر فائز ہوں۔ لیکن یہ حقیقت، کہ خدا نے تمہارے لئے ایک ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جو ان کے خوف کو

امن میں بدل کر انہیں ابدی نعمتوں سے مالا مال کرتی ہے' اسی صورت میں ان کے ذہن نشین ہو سکتی ہے جب تم علم و بصیرت کی رو سے انہیں قائل کر سکو گے نہ کہ تمہارے دلائل و براہین الٹا انہیں اس قدر بدظن کردیں کہ وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے تمہارے زمرہ دین میں داخل ہونے سے گریز اختیار کریں۔(ص ۱۳۵)

صراط مستقیم تمسک بالوحی سے عبارت ہے

تمہارا خدا چاہتا ہے کہ تم توحید اور ایمان کی وساطت سے خوف و حزن کی تاریکیوں سے نجات پاؤ اور امن و سلامتی کی روشن فضا میں آگے بڑھ سکو۔ یہ اس لئے کہ تمہیں روئے زمین پر غلبہ میسر آئے اور حیات دینوی کی خوشگواریوں اور حیات اخروی کی سرفرازیوں سے نوازے جاؤ۔ اور یہی ہے ملت اسلامیہ کی جدجهد کا حقیقی ثمرہ۔ خدا کا ارشاد ہے کہ:

"وہ تمہیں امن و سلامتی کی راہوں کی جانب بلا رہا ہے اور جو کوئی بھی اس کے قانون مشیت کی رو سے صراط مستقیم کا آرزو مند ہو گا وہ اسے پالے گا۔ (۱۰/۲۵)

پس اے ہلاکت کا شکار ہو جانے والو! صراط مستقیم یہ ہے کہ اس زندگی میں تم سلامتی کی راہوں سے منسلک رہو اور اگر تم خدا کے اس قانون سے متمسک ہو جاؤ جو خدا نے تمہارے رسول کی وساطت سے بذریعہ وحی تمہیں عطا فرمایا ہے تو اس کا ارشاد یہ ہے کہ:

"اے نبیؐ! جو کوئی تجھ پر نازل شدہ وحی سے متمسک ہوا' اس نے صراط مستقیم کو پالیا۔ (۴۳:۴۳)(ص ۱۳۵)

صراط مستقیم کا ایک اور رخ

اگر تم اپنے دلوں میں ایمان' اس کے لوازمات 'اس کے اعمال اور امر خداوندی کا شعور پیدا کرلو تو یہ بھی صراط مستقیم پالینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (قانون نبوت پانے سے قبل کی یاد دلاتے

ہوئے) یہ فرمایا تھا کہ:

"اس طرح ہم نے تیری طرف نزول وحی کا آغاز کیا اور (اس وقت) تو نہ کتاب کے بارے میں کچھ جانتا تھا اور نہ ایمان سے متعلق۔ لیکن ہم نے تجھے وہ نور عطا کیا جس کی بدولت ہمارا قانون مشیت ہمارے بندوں کی راہ نمائی کرتا ہے اور اسی کے صدقے میں تو بھی انہیں صراط مستقیم پر لئے جا رہا ہے" (۵۲:۴۲)

مزید ارشاد ہوا کہ:

"اللہ تعالیٰ جماعت مومنین کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے" (۲۲:۵۴)

لیکن تمہارے لئے اس صراط مستقیم کو پانا اور اس پر چلنا اس وقت تک ممکن نہیں تاآنکہ تم کماحقہ' خدا کے تقویٰ شعار بندے نہ بن جاؤ بلکہ عملاً" تمہاری زندگی میں اس تقویٰ شعاری کا وہ رنگ پیدا نہ ہو جو خدا کی عظمت کو آگے بڑھاتا چلا جائے' تاآنکہ تم اطاعت امیر سے کام نہ لو اور خدا کی عملاً" اور معنا" عبودیت صراط مستقیم یا خدا کا راستہ اختیار نہ کرلو۔ (ص ۱۳۵-۱۳۶)

صراط مستقیم یا خدا کا راستہ

یاد رکھو کہ تم اپنے نشو ونما دینے والے کے مسلک کی پیروی اوراس کے صراط مستقیم کی جادہ پیمائی کے اس وقت تک مدعی نہیں بن سکتے حتیٰ کہ تم قیامت کے وقوع پر شدت سے ایمان قائم نہ کرو اور خدا کی راہ میں جان توڑ جہاد سے نوع انسانی کو اس کی شہادت نہ بہم پہنچا دو۔ حتیٰ کہ ان پر تمہارے علم و عمل کے نتائج سے یہ واضح نہ ہو جائے کہ:

"وہ یوم الحساب لازماً آکر رہے گا" (۱۵:۲۰)

"خدا نے اسے نگاہوں سے اوجھل اس لئے رکھا ہے کہ ہر شخص اپنی سعی وجہد کا ماحصل پانے کے قابل ہو جائے"۔ (۱۵:۲۰)

حتیٰ کہ تم نوع انسانی کے لئے اس کے قانون مکافات عمل کی عملی شہادت' زندہ دلیل و برہان اور اس کا روشن علم بن جاؤ۔ اس راہ میں تمہاری جدوجہد کا مقصود انسانوں سے

کوئی معاوضہ پانے سے بالاتر رہنا چاہئے کیونکہ اس کا حقیقی اجر تمہیں یوم قیامت کے موقع پر ملے گا۔

ہاں! تمہیں اس کی استطاعت حاصل نہیں کہ تم اس وقت تک صراط مستقیم کی پیروی کے دعویدار بن سکو تا آنکہ تم اپنے میں زندگی پیدا کرو اور اس کی بدولت اپنی قوم کو (مایوسی اور شکست کی) تاریکیوں سے بچا کر حیات باشرف کی روشن فضاؤں میں لے آؤ۔(ص ۱۳۶)

اسلام کی ہمہ گیری داخلی و خارجی وحدت سے ممکن ہے!

تمہارے لئے یہ جاننا کہ---- ہدایت کیا ہے؟ اللہ کا دین کیا ہے؟ اللہ کا وہ قانون فطرت کیا ہے؟ جس کے مطابق تخلیق انسانی عمل میں آئی---- اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تم اپنی ذات میں وحدت پیدا نہ کرو' نوع انسان میں صلح پیدا نہ کرو' ربط باہمی سے کام نہ لو' صبر و ضبط کی صلاحیت پیدا نہ کرو' ہاں! یہ اس وقت تک ممکن نہیں تا آنکہ تم امر خداوندی کی روح سے ظواہر و مناسک میں نہ ہو جاؤ۔ یہ اس لئے کہ ایسا کرنے سے امور زندگی میں تمہارے باہمی تنازعات اور اختلافات کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور اس کے نتیجے میں اسلام کی سرحدیں دور دور تک پھیل جائیں اور تمہارے غلبہ و اقتدار کا ہر چہار سو ڈنکا بج رہا ہو۔(ص ۱۳۷)

نہ نبی ہوں' نہ ولی ہوں' نہ میں عالم نہ فقیر

"اور میں کوئی نبی نہیں ہوں' نہ ولی' نہ کوئی فقیرنہ کبیر لیکن میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ تم ضرور ہلاک ہونے والے ہو صبح خامسہ کو یا اس سے زیادہ قریب وقت پر یقینی طور پر" (ص ۱۴۰)

نقیب فطرت علامہ المشرقی" کے خامہ گوہربار سے اس عبارت کا صفحہ قرطاس پر آنا مستقبل میں ایک عظیم انقلاب کی نشاندہی تھا۔ اہل وطن فی صبح خامسہ کے الفاظ کی تشریح اپنے اپنے اندازوں کے مطابق پیش کرتے رہے لیکن نقیب فطرت کے اپنے الفاظ میں اس کی وضاحت کچھ اور ہی اثر رکھتی ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے

جمہوریت کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے حق گوئی و بیباکی کی پاداش میں آپ کو سیفٹی ایکٹ کے تحت بغیر مقدمہ چلائے میانوالی کی بدترین جیل میں قید کردیا اور چھ چھ ماہ کی تین قیدوں میں جو ۱۱ جنوری ۱۹۵۱ء سے ۱۰ جولائی ۱۹۵۲ء تک پے در پے تھیں پاکستان میں جمہوریت کے بلند بانگ دعوے کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

اس قید کے دوران آپ کو ختم المرسلین سالارانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپؐ نے حکم دیا کہ اب اپنا پیغام اس شعر زدہ امت کو شعروں میں دو۔ خواب کا واقعہ ۴ فروری ۱۹۵۱ء کو ہوا اور ۶ فروری ۱۹۵۱ء کو رات کے بارہ بجے کے قریب جیل کی کوٹھڑی میں جو منظر سامنے آیا' نقیب فطرت حضرت علامہ المشرقی" کے اپنے الفاظ میں اسی باب میں پیش کر رہا ہوں تاکہ "تذکرہ" کے پیغام کے ساتھ تسلسل برقرار رہے۔(بحوالہ حریم غیب ص ۵۵-۵۸)

منظر کی تشریح

خواب کا واقعہ ۴/ فروری کی شب کو ہوا۔ دوسرا منظر جو پورے ہوش میں تھا۔ ۶/ فروری کی رات کو بارہ بجے کے قریب ہوا۔ "جانب شرق" کی دیوار پر یہ الفاظ بعینہ اسی طرح روشن تھے۔

فِی صُبحِ خَامِسَۃٍ اَوُ اَقرَبَ مِنہُ بِلیَقِینٍ

۱۳۶۵ ۱۳۴۲

پوری عبارت جو تذکرہ کے افتتاحیہ کے صفحہ ۱۴۰ پر ہے درج ذیل ہے:

وما انا من نبی اوعالم اومن ولی اوفقیر اوکبیر ولکن اخبرنی ربی انکم لحالکون فی صبح خامستہ اواقرب منہ بلیقین ترجمہ: اور میں کوئی نبی نہیں ہوں' نہ ولی' نہ کوئی فقیر نہ کبیر لیکن میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ تم ضرور ہلاک ہونے والے ہو۔ صبح خامتہ کو یا اس سے زیادہ قریب وقت پر یقینی طور پر۔

تذکرہ دس جلدوں میں شائع ہونا تھا اور پہلی جلد ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ اس وقت تک چھ جلدیں تیار ہو چکی تھی لیکن شائع صرف پہلی جلد ہوئی۔ مجھے معلوم نہیں میں نے کیوں صبح خامتہ کے الفاظ لکھے لیکن میں نے پورے ہوش میں لکھے تھے۔ یہ الفاظ جہاں تک مجھے یاد ہے حماسہ کے ایک مشہور عربی شعر میں واقع ہوئے ہیں' کیا عجب ہے کہ اس وقت یہ شعر میرے ذہن میں ہو۔

یاراکبا ان الاثیل مظنته فی صبح خامسته وانت موفق

بہر نوع صدہا استفسارات کا جو میری تصنیف کے شائع ہونے کے بعد مجھ سے ہوئے میں نے التزاما" یہی جواب دیا کہ مجھے صبح خامتہ کا مفہوم خود معلوم نہیں' نہ میں نے ان کے بعد اس کا کھوج لگانے کی سعی کی۔ میں صرف سزا کے واقع ہونے کو یقینی سمجھتا تھا کیونکہ وہ میرا حسابی اندازہ تھا۔ سزا کب آئیگی اس کو اہمیت نہ دیتا تھا کیونکہ میں یقین کرتا تھا کہ اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں' بعض اصحاب نے مجھے لکھا کہ حروف ابجد کی رو سے انہوں نے صبح خامہ کے متعلق دریافت کرنے کی سعی کی لیکن انہیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ میں نے بھی کبھی اس طرف سعی نہ کی تھی۔ میرا عقیدہ ہی ان پر نہ تھا۔

۶ فروری ۱۹۵۱ء کے بعد میں مسلسل سوچتا رہا کہ اس منظر کی عبارت اور اعداد کا کیا مطلب ہو سکتا ہے لیکن فرط جوش میں انتہائی کوشش کے باوجود ذہن کسی طرف بھی منتقل نہیں ہوا' نہ اس طرف کہ ۱۳۴۲ اور ۱۳۶۵ کے عداد سنہ ہجری کے ہیں اور اس پر مجھے سخت تعجب ہے۔

۲۷ مارچ کی صبح کے آٹھ بجے جب کہ کھانا کھا رہا تھا یکدم ذہن میں آیا کہ ۳۴۲ کہیں تذکرہ کی اشاعت کا ہجری سن نہ ہو۔ یہ فوراً درست ثابت ہوا' میں خوشی کے مارے اچھلتا تھا کہ تذکرہ کی اشاعت کے سنہ کی اہمیت خدائے عزوجل کے ہاں ہے۔ اب یقین ہوگیا کہ ۱۳۶۵ کے اعداد بھی سنہ ہجری ہیں' اگرچہ یہ اعداد منظر میں سیاہ رنگ کے تھے جس کی میں کوئی توجیہ نہ کر سکتا تھا۔ فوراً معلوم ہوگیا کہ ۱۳۶۵ کا عیسوی سن ۱۹۴۷ء یعنی بنائے پاکستان کا سنہ ہے اب بڑی دقت پیش ہوئی کہ ان دونوں تاریخوں کا کیا لگاؤ آپس میں ہے' ایک روشن کیوں تھی دوسری تاریک کیوں؟

۲۷ مارچ کو بھی کچھ دیر تک اور سوچنے کے بعد مجھے کھٹکا کہ ان دونوں سنوں میں

فرق ۲۳ برس کا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدت رسالت کا ہے!

میرے بدن میں ایک کپکپی پیدا ہوئی لیکن آگے کچھ نہ سوچ سکا اور معاملہ کو ایک وہم سمجھ کر ذہن سے رخصت کر دیا۔

اسی دن پھر ذہن میں آیا کہ ہو نہ ہو ۱۳۶۵ کا اشارہ اس عذاب کی طرف ہے جو ۱۹۴۷ء کے اگست میں اور اس کے بعد مسلمانوں پر مشرقی پنجاب میں آیا اور جس میں کم و بیش ایک کروڑ انسان برباد ہوئے اور اسی وجہ سے ان اعداد کا رنگ سیاہ تھا!

۵ اپریل کو اسی تخیل کے سلسلے میں کہ ۲۳ برس کا فرق نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدت رسالت کا فرق ہے، ذہن میں آیا کہ پاکستان کی سلطنت کا انعام بھی فتح مکہ کے انعام کے مماثل سمجھا جاسکتا ہے، اس لئے سزا کے تخیل کو کیوں نمایاں کیا جائے، لیکن صبح خامسہ کی سطر کے تعزیری رنگ نے اس خیال کی اہمیت کم کر دی۔ نیز اس لئے کہ فتح مکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال سے دو برس قبل واقع ہوئی تھی۔ بہر نوع اس تخیل نے ذہنی تسلی نہ دی اور میں برابر سوچتا رہا بلکہ خواب کے فرمان کے مطابق اپنے کام میں لگا رہا۔

۵ مئی ۱۹۵۱ء (مطابق ۲۸ رجب ۱۳۷۰ھ) کو ٹھیک پونے نو بجے صبح کے مجھے یکایک طلوع ہوا کہ ۶ فروری کے منظر میں جس پر مجھے ادنیٰ سا شک نہ تھا لیکن اس کا مقصد سمجھنے سے ابھی تک قاصر تھا، خامسہ کے الفاظ کے نیچے ن کا ظاہر کرنا خالی از علت نہیں ہوسکتا۔ اس وقت بھی کھانا کھا رہا تھا! پانچ منٹ بعد پھر خیال ہوا کہ اقرب کا الف اور بالیقین کا الف دونوں دیوار پر غائب تھے اور یہ تینوں "بے قاعدگیاں" ضرور کچھ معنی رکھتی ہیں، یہ نقص میں نے اس وقت بھی اپنی آنکھ سے کئی مرتبہ دیکھے تھے، ٹھیک نو بجے جب کہ قید خانہ کا گھنٹہ بج رہا تھا یک لخت ذہن میں آیا کہ ابجد کے حساب سے ان حروف کو جمع کر کے دیکھا جائے۔ دو تین منٹ کے اندر اندر میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ سطر مذکور کے حروف کو (ن کے پچاس عدد ملا کر) اور دو الف نکال کر ۱۹۴۷ء کے اعداد نکلتے ہیں ☆ کم از کم پانچ منٹ تک میں بت بنا رہا اور حیرانی اتنی تھی کہ میرا

فی صُبحِ خامِسۃٍ — 90 100 1151 = 1341

او قرب منہ بلیقین — 7 302 95 202 = 606

1341 + 606 = 1947

دل (جس کو کوئی بیماری نہیں) زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے اس واقعہ کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے دل میں کہا کہ یہ ایک محض اتفاقی امر ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے۔ بلکہ کچھ دیر بعد ۱۹۴۷ء کے اعداد سے تھوڑی نفرت بھی ہو گئی، کیونکہ یہ سن عیسوی تھا۔ مجھے ضد تھی کہ اگر حساب ابجد کچھ شے ہوتا تو اس سطر کے اعداد کو جمع کرنے سے سزا کی تاریخ ۱۳۶۵ نکلتی نہ کہ ۱۹۴۷ء۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی مجھے ۶ فروری کے واقعہ پر بے حد حسابی یقین ہو گیا اور اس کا ولولہ اس قدر میرے سینے میں بلند ہوا کہ میں نے نہایت خشوع و خضوع سے شکرانہ کے نفل فوراً" ادا کئے اور جو کچھ ستائیس برس پہلے اس سطر میں لکھا گیا اس کے متعلق زیادہ یقین ہوا کہ اس سزا کا اشارہ بیشک ۱۹۴۷ء کی سزا کے متعلق ہی ہو سکتا ہے بالخصوص اس لئے کہ جب تک ن کے پچاس عدد جمع اور دو الفوں کے دو عدد منفی نہ کئے جائیں ۱۹۴۷ء کا عدد نہیں بنتا۔ اسی وقت میں نے دشنہ غیب کے دو بند (صفحہ ۴۵ تا ۴۸) جو ۲۰ مارچ سے اس نیت سے چھوڑے ہوئے تھے کہ جب تک یہ منظر مجھے سمجھ نہ آجائے میں اس واقعہ کو قلمبند ہی نہ کروں تین بجے تک پورے کر دیئے اور ۶ مئی کے دس بجے تک آخیر بند (صفحہ ۴۹۔ ۵۰) پورا کر دیا!

اب مجھے روز افزوں یقین ہوتا گیا کہ منظر کی سطر کا بیشتر حصہ سمجھ چکا ہوں لیکن عیسوی سن کے متعلق دل میں کھٹک ضرور موجود تھی۔ ۱۹ مئی کو پانچ بجے شام کے حضرت امام کاظمؑ کی دعا جو انہوں نے قید خانے میں کی تھی اتفاقاً" مل گئی اور میں اس کو دیر تک نماز کے بعد پڑھتا رہا۔ ۲۱/ مئی کو (ٹھیک یاد نہیں رہا کہ کتنے بجے لیکن غالباً" رات کو لیٹے لیٹے) میرے ذہن میں بحث ہوئی کہ صبح خامتہ کی ترکیب ہی از روئے قواعد مشتبہ ہے اور جب تک خامتہ سے پہلے کوئی مونث معدود و مقدر نہ سمجھا جائے، اس مرکب کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ یہ احساس دھندلا سا ہوا اور اس سے زیادہ کوئی بحث ۲۱/ مئی کو نہ ہوئی۔

۲۲/ مئی کو یہ تخیل ذہن میں گونجتا رہا لیکن اسی دن (وقت یاد نہیں رہا لیکن غالباً" چار بجے عصر کے بعد) یک لخت ذہن میں آیا کہ صبح خامتہ" سے مراد صبح عشرۃ خامتہ ہی ہو سکتی ہے! یہ تخیل بڑا نور افروز تھا۔ جلد جلد ایک دو گھنٹہ کے اندر ہی فیصلہ کرلیا کہ صبح خامتہ سے مراد پانچویں دہاکے، کی صبح، یعنی اس کا شروع ہے اور

پانچواں دھاکا' پچاس کا عدد ہے اس کی صبح (یعنی اس کا شروع) ۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء یا اسی قسم کا عدد ہو سکتا ہے۔ تھوڑے سے مزید غور کے بعد او اقرب منه بالیقین کے الفاظ سامنے آئے یعنی سزا پانچویں دھاکے کے شروع میں آئے گی یا یقینی طور پر اس سے ذرا ادھر۔ گویا معا" ذہن میں آیا کہ چونکہ سزا ۱۹۴۷ء میں آئی اور ۴۷ کا عدد پچاس سے ذرا ادھر ہے اس لئے نہ صرف ابجد کے حساب سے بلکہ میری سطر کے لفظوں سے بھی باکل واضح ہے کہ سزا عیسوی سن کے حساب سے ۱۹۵۰ء سے ذرا ادھر واقع ہوگی۔ مزید سوچ بچار کے بعد یہ بھی واضح ہوگیا کہ عیسوی سن کا ظاہر کرنا لازمی امر تھا کیونکہ ہمارے ہاں کے عوام کو ہجری سن کے متعلق ادنیٰ واقفیت نہیں رہی اور اسی عیسوی سن کی نسبت سے پانچواں دھاکہ کہا گیا ورنہ اگر ہجری سن ہوتا تو سزا چونکہ ۱۳۶۵ھ یعنی ساتویں دھاکے کے قریب پڑتی تھی اس لئے خامتہ کی بجائے مابعتہ کے الفاظ ہوتے۔

۲۲/ مئی ۱۹۵۱ء کے اس واقعہ کے بعد میرے ذہن کو کافی تسلی ہے کہ سزا کے الفاظ جو میں نے ۲۷ برس پہلے "تذکرہ" میں لکھے تھے خدا نے مجھ سے ٹھیک لکھوائے اور وہ حرف بحرف پورے ہوئے۔

اس عجیب و غریب واقع کی تشریح میں نے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر من وعن بیان کر دی ہے لیکن جو کچھ ہوا اس کا فیصلہ خدا پر چھوڑتا ہوں۔ نہ اس واقعہ سے پہلے' نہ اس کے بعد نہ آگے چل کر مجھے دعویٰ ہے کہ میں کوئی ولی ہوں نہ فقیر یا معاذاللہ نبی بلکہ سختی سے مصر ہوں کہ میں خدا کا فرمانبردار بندہ بھی نہیں ہوں۔ اس لئے جو شخص مجھے اس واقعہ کے بعد کوئی خدا رسیدہ شخص تصور کرے گا وہ اس گناہ کا آپ ذمہ دار ہوگا۔ میں نے جو کچھ واقعہ قید کے دوران میں ہوا دیانتداری سے بیان کر دیا ہے میرے اس بیان سے یہ نتیجہ بھی اخذ نہ کرلیا جائے کہ میں جو کچھ آگے چل کر کہوں گا وہ بھی درست ہوگا۔ میرے نزدیک غیب کا علم سوائے خدا کے کسی بشیر کو نہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور بات لائق بیان ہے کہ "فی صبح خامتہ" کے حرف کے اعداد (نیچے کے ن کے ساتھ) ۱۳۴۱ بنتے ہیں اور حیرت ہے کہ یہی وہ ہجری سن تھا جس میں یہ الفاظ لکھے گئے یعنی ۱۹۲۲ء میں جب کہ تذکرہ کا عربی حصہ لکھا جا رہا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس غرض سے ہے لیکن یہ انکشاف دلچسپ ضرور ہے۔

اب چونکہ اس میری سطر کو کافی اہمیت حاصل ہوگی ہے۔ اواقرب منہ بالیقین کے الفاظ سے میرے نزدیک یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ مسلمانوں کو صرف ۱۹۴۷ء کی سزا ملنے سے ممکن ہے کہ سزا ختم نہ ہوئی ہو بلکہ کیا عجب ہے کہ وہ سزا ۱۹۵۰ء کے بعد بھی ملے (جیسا کہ ابتک ہندوستان کے مسلمانوں کو مل رہی ہے) کیونکہ یہ بعد کے سن بھی اقرب کے دائرے میں آسکتے ہیں۔

عنایت اللہ خان المشرقی ؒ

۲/ اگست ۱۹۵۱ء

وقت ساڑھے تین بجے

تذکرہ کی دوسری جلد کی تمہید

(علامہ المشرقیؒ کی غیر مطبوعہ تحریر جو دوسری جلد میں شامل نہ ہوسکی)

دین اسلام پر کچھ لکھنے کا خیال ۱۹۱۳ء کے شروع میں انگلستان سے واپسی اور ۱۹۱۹ء کے آخیر میں حکومت ہند سے واپسی کے بعد پہلی دفعہ ۱۹۲۰ء میں ہوا اور ابتدا" یہ تجویز تھی کہ ایک مختصر سار سالہ مسلمانوں کے زوال کے متعلق لکھا جائے جو ہمارے ملک میں کئی لکھنے والے علی الحساب لکھ دیتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ اپنے لئے اس نابکار امت کے ذہن میں ایک مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ اس نیت سے قلم کو پہلی دفعہ ہاتھ میں لیا اور ارادہ کیا کہ کچھ نہ کچھ زور قلم دکھا کر اپنی تحریر کو اخباری دنیا میں بھیج کر دیکھا جائے یا رسالہ خوانوں کو متوجہ کیا جائے۔ انگلستان کے دوران تعلیم میں مشرقی زبانوں میں اعلیٰ امتیاز حاصل کرنے کے باوجود مجھے قرآن یا اسلام یا مسلمانوں کے معمولات سے کوئی خاص شغف نہ تھا بلکہ سائنس اور ریاضی کے مختلف شعبوں میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مذہب کے مضمون پر کچھ لکھنا بھی باعث فخر نہ سمجھتا تھا اور غالب خیال یہ تھا کہ اگر زندگی میں کوئی کام کرنا ہی پڑا تو وہ ریاضیات یا علوم فطرت کی کسی شق کے متعلق ہوگا جس کی تعیین بھی اس وقت تک نہ کی تھی۔ الغرض ۱۹۲۰ء کی یہ کوشش محض اتفاق کے طور پر تھی اور اس زمانے کے ایک مذہبی مولوی کی بے معنی لسانی کا مطالعہ کر کے غصے میں پیدا ہوئی جس کا اظہار وہ ایک شعر زدہ امت کو مسحور

کرنے کے لئے وقتاً" فوقتاً" کیا کرتا تھا۔

عالم خیال کے اس ماحول میں چنانچہ اس موضوع کو جو "تذکرہ" کے مقدمے کے ابتدائی صفحات میں ہے شروع کیا گیا، لیکن چونکہ میرے ذہن کی بناوٹ سراسر علمی تھی میری قلم نے بے معنی لسانی کو دیر تک گوارا نہ کیا اور جلد ہی میرا موضوع علم اور منطق، دلیل اور یقین کی طرف پھرتا گیا۔ مضمون کی روانی میں پہلی تین آیتیں جو میرے سامنے آئیں فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (۳۰:۳۰) کی آیت تھی جو صحیفہ فطرت کو اچھالتی تھی اور دین اسلام کے دین فطرت ہونے کا دعویٰ کرتی تھی، دوسری لن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا (۳۳:۶۳) تھی جو قانون خدا کے اٹل ہونے کا اعلان تھا اور تیسری وعداللہ الذین امنو امنکم وعملوالصلحت یستخلفنھم فی الارض (۲۴:۵۵) کی آیت یعنی آیہ استخلاف تھی جو بادشاہت زمین کا تخیل خدائی وعدہ کی صورت میں پیدا کرتی تھی۔ ان تینوں آیتوں کو میں نے تمام قرآن میں اس وقت قابل توجہ سمجھ کر اپنے زعم میں دھکے سے ان کو علمی رنگ دیا تاکہ مذہب کے متعلق جو کئی قرنوں سے بے دلیل اور عقیدہ کا مجسمہ بن چکا تھا، منطقی طور پر سوچنے کی راہ پیدا کر سکوں۔ اس نہج پر چلتے ہوئے میں نے پھر دھکے سے استخلاف کے معنی "بقا" اور عبادت، شرک اور کفر اور فسق کے ملائی معنوں کو یکسر بدل کر عملواالصلحت کے لچر معنوں کو جو ملا نے زوال کے زمانے میں وضع کر کے تسبیح خواں مسلمانوں کے لئے ساکن ہو جانے کی صورت پیدا کر دی تھی صالحیت اور اصلحیت کے قالب میں ڈھال کر موجودہ سائنس کا سب سے بڑا مسئلہ یعنی بقائے اصلح کا تخیل بے دھڑک رواں کیا اور قرآن کی بظاہر بے معنی اصطلاحوں یعنی عبادت، کفر، شرک اور فسق کو قانون فطرت کا ایک لایزال لازمہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

یہاں تک تو میری دلیل کا زور تھا جو مجھے بہا لے گیا بہت جلد معلوم ہوگیا کہ قرآن حکیم ایک بے مثال طور پر عمیق، بلیغ اور مدلل کتاب ہے جس کی گہرائی آج کے انتہائی طور پر ترقی یافتہ علم اور سائنس کے بغیر واضح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تھوڑی مدت میں قرآن کے اندر ہی پے در پے کئی حیران کن نکتے نمایاں ہوتے گئے اور عیاں ہو گیا

کہ میرا ان مذہبی مصطلحات کے معانی کو بدل دینا میرے اپنے دھکے سے نہ تھا بلکہ ان کے موجودہ ملائی معانی کو قائم رکھنا یکتمون آیت اللہ کے قرآنی احکام کے مطابق اپنے پیٹوں میں آگ بھرنے کے مترادف تھا۔

الغرض اس مختصر مضمون کے لکھنے کا ارادہ جو شروع شروع میں تھا قطعی طور پر بدل گیا اور میرے سامنے قرآن عظیم الشان پہاڑ تھا جس کے تصور سے دماغ کانپ اٹھتا تھا اور قرآن کی انتہائی طور پر مغلق اور ناقابل فہم عبارتوں کو دیکھ کر دل لرز جاتا تھا کہ اس مشکل ترین مرحلے سے کیونکر گزر سکوں گا۔ بالاخر میری نظر فاقرداما تیسر من القران (۲۰:۷۳) کے الفاظ پر پڑی یعنی قرآن میں سے جو آسان حصے ہیں ان کا مطالعہ کیا کرو۔ اس سے اشارہ یہ لیا کہ قرآن کے بعض حصے انتہائی طور پر دقیق ہیں ان کا فوری طور پر سمجھ میں آجانا ازبس مشکل ہے۔ قرآن کے آخری حصے کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اس قطع کی معلوم ہوتی تھیں اور دماغ ان کے مطالب سمجھنے سے گریز کرتا تھا اس لئے میرا واسطہ سردست آسان حصوں کی طرف ہی رہا اور انہی کو پیش نظر رکھ کر دین اسلام کے موضوع کو مدلل اور مکمل کیا گیا۔ جوں جوں میرا مضمون لمبا ہوتا گیا اس میں روانی، منطق، تسلسل اور اطمینان قلب میرے طرز استدلال سے پیدا ہوتے گئے حتیٰ کہ اس مرحلے پر پہنچ گیا کہ دین اسلام کی تشریح کو مکمل کرنے کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے جو ایک نہیں کئی جلدوں میں ہو اور آج کل کے نابکار مسلمان کے لئے ذہنی عیاشی کا مستقل سامان پیدا کر سکے۔

زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تذکرہ کی تصنیف کو ۱۹۲۰ء میں صرف ۳۲ برس کی عمر میں شروع کیا تھا' جو عام طور پر چالیس برس تک پختگی رائے کی عمر نہیں کہی جاسکتی۔ چنانچہ اس تصنیف کی قریباً چھ جلدیں ڈھائی برس کی دن رات کی لگا تار محنت سے اسی عمر میں لکھی گئیں۔ آج چالیس برس پر بھی پینتیس برس مزید گزرنے کے بعد ۷۵ برس کی عمر میں جب کہ قرآن کے مشکل ترین حصوں پر بھی کچھ نہ کچھ عبور پیدا ہوگیا ہے' جب اس ۳۲ برس کی عمر میں لکھی ہوئی تصنیف یا تذکرہ کی پہلی شائع شدہ جلد کو دیکھتا ہوں تو حیرت زدہ ہوجاتا ہوں کہ اس چھوٹی عمر میں بھی میرے ذہن میں اس قدر پختگی پیدا ہو گئی تھی کہ آج "تذکرہ" کی ایک سطر کو بھی بدلنے کے قابل نہیں سمجھتا۔ یہ اور بات ہے کہ اگر آج "تذکرہ" لکھتا تو قرآن کو پیش کرنے کا رنگ مختلف

ہوتا مگر جس رنگ میں یہ تصنیف ۳۲ برس کی عمر میں لکھی گئی تھی اس میں دین اسلام کے اظہار یا قرآن کے مطالب کی تشریح کے متعلق کوئی ناپختگی ایسی نہیں ہے جس کی ترمیم کر کے یہ بقیہ جلدیں شائع کی جائیں۔

اس وقت کہ یہ جلدیں لکھی گئیں، وحی کی ترتیب نزول کا مسئلہ بھی سامنے نہ تھا، بلکہ موجودہ ترتیب کو مسلم قرار دیکر اور قرآن کو ایک مرتب اور تکمیل شدہ کتاب سمجھ کر اس کی آیات کو جگہ جگہ سے لے کر بے دھڑک اپنے موضوع میں چسپاں کر دیتا تھا، لیکن قرآن کی ذیل کی آیت:۔

افلا یتدبرون القران ولو کان من عند غیر الله لوجدو افیہ اختلافا کثیرا (۸۲:۴)

کیا لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے (اور تدبر کے بعد اس کی سب آیتوں کو ایک ہی مقصد اور ایک ہی نصب العین کی تائید میں جاتا ہوا نہیں پاتے کیونکہ) اگر قرآن خدا کے سوا کسی اور کمتر شخصیت کی طرف سے اترا ہوا ہوتا تو وہ ضرور اس میں بے حد اختلاف پاتے۔ کے بموجب قرآن کی آیتوں میں حیرت انگیز توازن اور تطابق ہے اور جس ترتیب سے آیات علی الحساب آگے پیچھے کرنے کے بعد بھی اگر ان کو پیش کیا جائے تو قرآن میں اختلاف پیدا نہیں ہوتا یہ وجہ تھی کہ قرآن پر چھ جلدوں کا طومار لکھنے کے باوجود اس کی ماہیت میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ تصنیف اب بذات خود ایک مرتب اور مکمل تصنیف معلوم دیتی ہے۔

تذکرہ کی پہلی جلد ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی تھی اور ۴۰ برس بعد اب یہ دوسری جلد متذکرہ بالا ضروری تصریح کے بعد ۱۹۶۳ء میں شائع کی جاتی ہے۔ پہلی جلد کی اشاعت کے دوران طباعت اور کتابت کی مشکلات کو دیکھ کر مجبوراً دیباچہ کتاب ۱۳۶ صفحوں میں اور افتتاحیہ کتاب عربی زبان میں ۱۴۴ صفحوں میں لکھنا پڑا تاکہ دین اسلام کا مکمل لائحہ عمل مسلمانوں پر چند لفظوں میں واضح ہو جائے اور پوری دس جلدوں کی طباعت کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اس اہتمام کے باوجود پہلی جلد اس چالیس برس میں صرف واہ واہ ہی پیدا کر سکی اور قوم کو ایک نظم و نسق میں منسلک کر کے غلبہ اسلام پیدا کرنے کا نصب العین کچھ حاصل نہ ہوا۔ البتہ اس قدر ہوا کہ تیئس برس تک تذکرہ کی پہلی جلد کا پیغام نہ سننے کی سزا قوم کو ۱۹۴۷ء میں ملی جس میں ہندوستان کے ایک کروڑ مسلمان

ہلاک ہوئے یا بے خانماں کر دیئے گئے، دس کروڑ مسلمانوں کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ان کی مجموعی طاقت کو اور کمزور کر دیا گیا، ہندوستان کے پانچ کروڑ مسلمانوں کو کالعدم اور بے آواز کر دیا گیا اور پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو بدکردار بے رحم حاکموں کے سپرد کر کے ان کو بے بس کردیا گیا وغیرہ وغیرہ

اب یہ دوسری جلد میری طرف سے اتمام حجت کے طور پر اگلا قدم ہے تاکہ قوم شاید اس آواز کو صحیح معنوں میں سن کر آمادہ عمل ہو جائے اور مال و جان کی پوری قربانی دے کر پاکستان کو فی الحقیقت مضبوط ترین سلطنت بنا کر رہے۔ اگر یہ نئی آواز بھی صدا بہ صحرا ثابت ہوئی اور کوئی حرکت کسی طرف سے پیدا نہ ہوئی تو خدائے قاہر کا قہر تو بے نیازانہ طور پر ہر وقت موجود ہے، اس نے ہزاروں نافرمان امتوں کو ہلاک کر مارا اور اس کے ٹل جانے کی ایک ہی صورت ہمیشہ سے ہے کہ وہ قوم اپنے اعمال کو درست کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ تیاری کی صورت ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ دو چار دس بیس خدا کے بندے اپنی ہمت سے اٹھتے ہیں، قوم چونکہ عام دکھ میں ہوتی ہے اس کو سمجھ آجاتی ہے کہ اپنے دکھ کو ہمت میں بدل کر حالات پر غلبہ حاصل کیا جائے اور خون کی تھوڑی سے ہولی کھیل کر بڑی مدت کے لئے اس دنیا میں آسودگی اور دوام حاصل کیا جائے۔ جس قوم کو یہ سوجھ آگئی وہ بڑی خوش قسمت ہے۔ اللہ بس وما بقی ہوس

(۲۳/ جنوری ۱۹۶۳ء بوقت ساڑھے ۱۲ بجے دن ---- عنایت اللہ خان المشرقی")

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطاب مصر

دیباچہ

۱۳۴۴ ہجری یعنی ۱۹۲۶ء کے اوائل میں دنیا کے مسلمانوں میں موتمر عام کی حرکت ایک ولولہ انگیز حرکت تھی۔ ترکوں نے خلافت کو مسترد کر کے مسلمانوں کے سامنے پہلی دفعہ ایک ایسا مسئلہ پیش کر دیا تھا' جس کی نظیر گذشتہ اسلامی تاریخ میں موجود نہ تھی۔ خلافت کو خود بخود چھوڑ کر جس کے حاصل کرنے کے لئے اسلامی بادشاہ کسی زمانہ میں آرزوئیں کیا کرتے تھے؛ ترکوں نے مسلمانوں پر یہ ثابت کر دیا تھا کہ عالم اسلام کی روحانی قیادت ان کے نزدیک کچھ کار آمد شے نہیں رہی' بلکہ اس "روحانی قیادت" سے الگ تھلگ ہو جانا ہی ان کے لئے عملاً" مفید ہے۔ الغرض تمام اسلامی تاریخ میں آخری دفعہ محکمہ قضاء و قدر کی طرف سے مسلمانوں کو یہ تنبیہہ تھی کہ ان کا شیرازہ قطعا" بکھر چکا ہے۔ ان کا اب کوئی والی وارث اور پرسان حال نام میں بھی نہیں رہا۔ اس شیرازے کے آخری تار و پود تو خیر اس کا برائے نام ڈھانچا اور خاکہ بھی مٹنے کو ہے۔ مرض الموت کی یہ خوفناک علامتیں ہر صاحب نظر کو کپکپا دینے کے لئے کافی تھیں' لیکن ہندوستان کے مسلمانوں میں رسمی اضطراب شاید اس وجہ سے بھی کچھ زیادہ تھا کہ ان کا اخلاقی زوال نسبتا" دیر سے جاری ہے۔ سیاست ان کے ہاں نسبتا" کم ہے۔ مذہب کی صورت سربسر رسمی بن چکی ہے۔ قومیت اور صحیح اخوت مفقود ہے۔ محکومیت کی برائیاں ان کی رگ و پے میں اثر کر چکی ہیں۔ وہ ایک پرانے مریض کی طرح مرض کو کسی کوٹ یا کرتہ کی طرح بدن سے اتار پھینکنے کی آرزو رکھتے ہیں اور جب وہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی تو عمل میں اور تفرقہ انداز اور مزاج میں اور چڑ چڑے اور

کھسیانے بن جاتے ہیں۔ اس بنا پر مصطفیٰ کمال پاشا کا خلافت اسلام کا مسترد کر دینا ہندی مسلمانوں کے نزدیک ایک بڑا جرم تھا۔ وہ ترکوں کو اس ناہموار حرکت پر کوستے تھے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کو برا کہتے تھے۔ اپنے پچھتر (۷۵) لاکھ روپیہ کو جو ترکوں تک پہنچا بھی نہ تھا اور ترکوں نے مانگا بھی نہ تھا' ہندی مسلمانوں کا احسان عظیم قرار دے کر یہ کہنے کا حق جتلاتے تھے کہ ترک احسان فراموش ہیں' بیدرد ہیں' لامذہب ہیں' خلافت کو چھوڑنے میں ایک ہولناک غلطی کر رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ادھر ترکوں کو بجا غصہ اور رنج تھا کہ ان کی پانچ سو برس کی عزیز اور خون شہیداں سے رنگی ہوئی سلطنت پر آخری اور کاری ضرب لگا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے یہی ہندوستانی مسلمان سپاہی تھے' جنہوں نے پندرہ روپیہ کی خاطر ترکوں کے سینے نہایت بیدردی سے چھلنی کر دیئے۔ حرمین کی حفاظت دشمن کے ہاتھ میں دلا دی۔ بیت المقدس کو' جس کی خاطر مسلمانوں نے چھ سو برس تک عالمگیر لڑائیاں لڑیں اور کروڑوں کی تعداد میں شہید ہونے کے باوجود کسی کے ہٹیے نہ ہوئے تیرہ سو برس کے بعد آن واحد میں دشمن کے سپرد کر دیا۔ مکہ کو جہاں سے اسلام پیدا ہوا تھا اور جس کی خاطر یہ تمام خلافت تھی تیرہ سو برس کے بعد آن واحد میں دشمن کی حفاظت میں دے دیا' اخرجوا الیہود و النصری من جزیرۃ العرب کی نبوی وصیت کو (العیاذ باللہ) پاؤں سے ٹھکرا کر بغداد کے سے مقدس مقام اور دجلہ اور فرات کے سے خوبصورت دریاؤں کو' جن کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نھران من انھار الجنتہ فرمایا تھا تیرہ سو برس کے بعد آن واحد میں نصاریٰ کے سپرد کر دیا! حق تو یہ ہے کہ جب مکہ اور مدینہ' بیت المقدس اور بغداد' نجف اور غیر نجف سب کے سب ترکوں کے قبضہ اقتدار سے نکل چکے تھے اور ہندوستانی مسلمانوں کے "جوش ایمانی" کے باعث ہی نکلے تھے تو ترکوں کا "روحانی خلافت" کے قبا کو اور اوڑھے رکھنا مضحکہ انگیز نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ مسلمانوں میں سیاست کیا تھی' جو اس باریک نکتہ کو سمجھ سکتے یا اپنے کئے پر پشیمان ہو کر گردنیں نیچی کر لیتے۔ ترکوں نے خوب کیا کہ ان چند ہندوستانی مہاجروں کو بھی بیک بنی و دو گوش اپنی سلطنت سے نکال دیا جو افتان خیزاں کابل کی راہ سے انگورہ پا پیادہ پہنچے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ وہی ذلیل ہندی ہیں' جو اپنے مسلمان بھائیوں کو عمداً" قتل کرنے کے مجرم ہیں اور جن کی آخرت صرف جہنم ہے!

ترکوں سے اگر کچھ غلطی ہوئی تو یہ کہ انہوں نے اپنے جانشین خلیفہ کے انتخاب کا انتظار نہ کیا، لیکن اس عالم آشوب زمانے میں اس امر کا کیا انتظار ہوتا، ان کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ تمام زرخیز ملک ان کے قبضہ اقتدار سے نکل چکے تھے، مسلمانوں کے اجتماع کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی، بلکہ اجتماع کا احساس بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں مصطفیٰ کمال پاشا نے نہایت صحیح طور پر اور کمال قرآن بنی سے اعلان کیا کہ خلافت اور حکومت دراصل ایک شے ہیں، اس لئے جو قوم حاکم ہے اسی کی خلافت بھی ہے۔ حکومت سے الگ ہو کر "خلیفہ" ہونا بے معنی ہے۔ گویا ان قوموں پر جو دوسروں کی محکوم ہیں صرف "روحانی خلیفہ" بنے رہنا لاطائل ہے۔ جب خلیفہ کا حکم ہی ان پر نہیں چلتا تو پھر "خلافت" کا لفظ ساتھ لگائے رکھنا بے سود ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنا ڈیفنس خوب پیش کیا۔ مگر "خلافت" کے منقطع ہوجانے سے عالم اسلام کی وہ رہی سہی اجتماعی صورت جو برائے نام تھی، ہمیشہ کے لئے منقطع ہوتی ہوئی صاف نظر آئی۔

اس جانکاہ اضطراب کے عالم میں شیخ الاسلام قاہرہ (مصر) کی طرف سے موتمر میں شامل ہونے کی دعوت مجھے موصول ہوئی۔ "تذکرہ" ایک مدت پہلے ان تک، بلکہ شیخ امام سنوسی سابق امیر طرابلس تک پہنچ چکا تھا۔ مصر کے شاہی خاندان کے رکن اعظم عمر طوسون پاشا، وزیر جنگ موسی فواد پاشا، صدر اعظم دیوان ملکی نسیم توفیق پاشا اور مشہور ادیب احمد تیمور پاشا وغیرہم "تذکرہ" کی تعلیم سے بغایت متاثر تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر موتمر قاہرہ میں ہی عالم اسلام کی عالمگیر تنظیم کی کوئی صورت پیدا ہوجائے تو میرا جانا مفید ہوسکتا ہے۔ ادھر خیال تھا کہ سلطان مصر کا خلیفہ منتخب ہو جانا انگریزوں کے لئے فتح مبین ہوگی۔ مسلمانوں کے "روحانی حاکم" بھی اب یہی لوگ ہوا کریں گے۔ گویا اسلامی سلطنتوں کی بیخکنی میں جو مدد انگریز روپیہ کے زور پر لیتے رہے ہیں، وہ آئندہ اپنے خطاب یافتہ سلطان کے "روحانی اثر" سے لے لیا کریں گے اور اس طرح پر مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر دنیا سے نیست و نابود کردینے کا زبردست ہتھیار دشمن کے ہاتھ آجائے گا۔ ان دو اغراض کو پیش نظر رکھ کر میں مستعد ہوا اور ۲۶ اپریل ۱۹۲۶ء کے جہاز "رنبورة" میں سوار ہونے سے پہلے تار دے دی کہ موتمر میں شامل ہونے کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔

۳/ مئی ۱۹۲۶ء کو جہاز پورٹ سعید پہنچا۔ جہاز کے لنگر انداز ہونے سے کچھ دیر

پہلے ہی تین وفد، ایک شیخ الاسلام کی طرف سے، دوسرا موسیٰ فواد پاشا اور تیسرا عمر طوسون پاشا کی طرف سے عرشہ پر موجود تھے۔ مجھے ایک گونہ تسلی تھی کہ علماء اور حکومت دونوں کی طرف سے اظہار محبت ہے۔ اس لئے کامیابی مشکل نہیں۔ دو دن پورٹ سعید ٹھہر کر قاہرہ کا رخ کیا۔ سٹیشن پر علمائے ازہر کا ایک اژدھام تھا۔ علامہ شیخ حسین ولی سیکرٹری موتمر ان کے ساتھ تھے۔ میں کنتنتال ہوٹل میں ٹھہرا۔ اگلے روز شیخ الاسلام، موسیٰ فواد پاشا اور شیخ محمد ادریس سنوسی، جو شیخ امام سنوسی کے بڑے صاحبزادے ہیں، ملاقات کے لئے آئے۔ ملاقاتوں کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا، لیکن یہ واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کا انحطاط سب جگہ یکساں ہے۔ ان کے دلوں میں کوئی مستقل تجویز نہیں۔ موتمر میں میرے تقریر کرنے پر سب سے زیادہ زور تھا۔ میں عذر کرتا رہا کہ تقریریں کرنے کے لئے نہیں آیا۔

شاندار دعوتوں میں جو اس اثناء میں ہوتی رہیں، مسلمان ہر جگہ اپنی حالت پر مطمئن نظر آتے تھے۔ ۱۳/ مئی کو موتمر منعقد ہوئی اور ۲۲/ تک رہی۔ قریباً ہر اسلامی ملک کے نمائندے اس میں موجود تھے۔ حتیٰ کہ پولینڈ (روس) کا قاضی القضاۃ بھی اس اجتماع میں شامل تھا۔ میری تقریر کے بعد موتمر مختلف حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ان کمیٹیوں میں جو کچھ ہوا ہوا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ کسی محکوم بادشاہ کے خلیفہ بنائے جانے کی تجویز مسترد ہوگئی۔

موتمر کے انعقاد کے بعد میں نے عالم اسلام کے لئے ایک مرکزی بیت المال قائم کرنے کی تجویز کو عمل میں لانے کی کوشش کی۔ اس مطلب کے لئے دو ماہ تک مصر میں ٹھہرا۔ بیس ہزار پونڈ کے وعدے مختلف لوگوں سے لئے۔ تجویز یہ تھی کہ سب بادشاہان اسلام اس میں شامل ہوں اور اسی ذریعہ سے اتحاد کی صورت پیدا ہو۔ دس برس تک صرف بیت المال کو وسیع کیا جائے۔ جلالتہ الملک امیر فیصل سے یورپ جاتے ہوئے اسی جہاز میں ملاقات ہوئی۔ اور سلطان مراکش اور سلطان ٹیونس سے پیرس میں۔ جلالتہ الملک ابن سعود سے بھی خط و کتابت ہوئی۔ آخرش مصطفیٰ کمال پاشا کو تجویز سے مفصل آگاہ کیا۔ غازی موصوف نے اس تجویز پر توجہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہ تجویز اس طرح پر مسترد ہوگئی۔ اسی اثناء میں قاہرہ اور مکہ کی دونوں موتمریں بھی صرف چند روز تک زندہ رہ کر انتقال کر گئیں۔

آج خلیفہ مقرر کرنے کے متعلق مسلمانوں کا جوش و خروش جو کچھ تھا قطعاً" نابود ہو چکا ہے ۔موتمر کی تجویزیں یا موتمر کے انعقاد کا نشان تک باقی نہیں رہا۔ "خلافت" کی بے شمار مجلسیں جو ہندوستان میں پیدا ہو گئی تھیں۔ اپنا نصب العین قطعاً" بدل چکی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تیرہ سو برس میں "خلافت" صرف ساڑھے تین برس تک منقطع رہی تھی، لیکن یہ انقطاع آخری ہے۔ قوم کی موت کے آخری آثار نمایاں ہو چکے ہیں۔ اگر مسلمان اس وقت سنبھل گئے اور میری کتاب "اشارات" کی تجویز کو محکم طور پر پکڑ لیا تو اب بھی یہی زندگی کی قطعی امید ہو سکتی ہے۔

اب تک میری تقریر کے کئی ایڈیشن مصر اور ہندوستان میں بلا ترجمہ چھپے تھے، لیکن لوگ اردو ترجمہ بدستور طلب کرتے رہے۔ پشاور میں ایک ترجمہ اردو میں میری مصر کی غیر حاضری میں چھپا تھا، لیکن وہ کئی جگھوں پر صحیح نہ تھا۔ یہ ترجمہ اب میں نے خود کیا ہے۔

۱۰/ اکتوبر ۱۹۳۱ء　　　　عنایت اللہ خان المشرقی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریر مصر (قاہرہ)

(اردو ترجمہ از عربی)

الحمد للّٰہ الذی انزل علی عبدہ الکتب و لم یجعل لہ عوجا ○
قیما لینذر باسا شدید امن لدنہ ویبشر المومنین الذین
یعملون الصلحت ان لھم اجرا حسنا ○ (ا:۔) وکم اھلکنا من
قریتہ بطرت معیشتھا فتلک مسکنھم کم تسکن من بعد ھم
الا قلیلا وکنا نحن الوارثین ○ وما کان ربک مھلک القری
حتی یبعث فی امھا رسولا یتلوا علیھم ایتنا وما کنا مھلکی
القری الا واھلھا ظلمون ○ (ا۔ا۔۲) ولقد ارسلنا موسی
بایتنا الی فرعون وملائہ فقال انی رسول رب العلمین ○
فلما جاء ھم بایتنا اذا ھم منھا یضحکون ○ وما تریھم من
ایتہ الا ھی اکبر من اختھا واخذنھم بالعذاب لعلھم یرجعون
○ وقالو ایایہ السحرادع لنا ربک بما عھد عندک اننا
لمھتدون ○ فلما کشفنا عنھم العذاب اذا ھم ینکثون ○
ونادی فرعون فی قومہ قال یقوم الیس لی ملک مصر وھذہ
الا نھر تجری من تحتی افلا تبصرون ○ ام انا خیر من ھذا
الذی ھومھین ولا یکاد یبین ○ فلولا القی علیہ اسورہ من
ذھب اوجاء معہ الملئکتہ مقترنین ○ فاستخف قومہ فاطا
عوہ انھم کانو قوما فسقین ○ فلما اسفونا انتقمنا منھم
فاغرقنھم اجمعین ○ فجعلنھم سلفا ومثلا للاخرین ○

اما بعد، اے بھائیو! میں سب سے پہلے خدائے عزوجل کی حمد کرتا ہوں جس نے ہم کو پیدا کیا کہ ہم راہ راست پر چلیں اور یہ ممکن نہ تھا جب تک وہ پروردگار عالم ہم سے دین اسلام کا اقرار نہ کراتا اور اپنی اطاعت کی توفیق نہ دیتا۔ اس کے بعد سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام پر درود بھیجتا ہوں، جس نے ہمارے اسلاف اور نیک بندوں کو خدائے واحد کے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی۔ تو خدائے عزوجل کی حمد اور رسولؐ خدا پر درود اس نظر سے ہے کہ انہوں نے ہمیں ایسی روشنی دکھلائی، جس سے ہم بےخوف و خطر اس زمین پر چلتے تھے اور اسی نور کی وجہ سے اس دنیا میں غالب تھے۔ جن لوگوں نے اس دین اور راہ راست کی متابعت عملاً" اور معناً" کی اور جنہوں نے خدائے واحد کے صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کی ان پر ہمارا درود اور سلام ہو۔ وہ دشمنوں کی ناخوشی کے باوجود دین خدا کے اعداء پر غالب رہے اور اسلام کا بول بالا ہمیشہ کرتے رہے۔

اور بھائیو! میں اپنی اور روئے زمین کے مسلمانوں کی طرف سے تم لوگوں کو خوش آمدید اس لئے کہتا ہوں کہ تمہیں جتلادوں کہ ہم سب سے پہلے زمین پر بڑے طاقتور اور اس کے بڑے بادشاہ تھے۔ اس وقت بھی زمین کی وراثت ہمارے اعداء کو ناخوش کرتی تھی اور آج بھی جو کچھ خدائے عظیم نے ہمارے پاس چھوڑا ہے دشمنوں کے لئے باعث رنج و عداوت ہے، لیکن زمین کا مالک صرف خدا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو سب سے زیادہ مناسب سمجھتا ہے اس کا وارث کر دیتا ہے اور یاد رکھو کہ نیک انجام اسی قوم کا ہے جو خدائے واحد کے اٹل قانون سے خوفزدہ رہتی ہے۔

میرے بھائیو! آج ہم اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ سب کے سب اکٹھے ہو کر مسئلہ خلافت پر ایک گہری نظر ڈال سکیں، بلکہ اس مسئلہ کے متعلق جو فیصلہ ترکوں نے ابھی ابھی کیا ہے، اس کو پیش نظر رکھنے کے بعد جس اشد ضرورت کو پورا کرنے کی دعوت اس وقت دین اسلام دے رہا ہے، اس کو باہمی صلاح اور مشورہ سے طے کر سکیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مجلس اسلامی تاریخ میں اپنے رنگ کی سب سے پہلی موتمر ہے، جس میں روئے زمین کے تمام مسلمان نمائندے ایک مرکز پر اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ مشاورت کے فریضہ کو بحسن تمام ادا کریں، بلکہ اپنی طاقتوں کو ایک نقطے

پر بڑی مدت کے بعد پھر جمع کریں۔ تو اے بھائیو! مجھے بے انتہا مسرت اس بات کی ہے کہ میں آج اپنے سامنے اسلامی اجتماع کا ایک عظیم الشان عجیب و غریب پر اثر منظر دیکھ رہا ہوں، دل اس منظر سے نہایت متاثر ہیں اور آنکھوں میں سرور کا عالم ہے۔ اس منظر کے لئے ہم کو فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر اپنے محترم دوست اور بزرگ شیخ محمد ابوالفضل شیخ الجامع الازہر اور ان کے محترم رفقا کا شکر گذار ہونا چاہئے جنہوں نے یہ عظیم الشان موتمر منعقد کی۔ اگرچہ اس کے انعقاد کا خیال ایک مدت سے مسلمانوں کے سربر آوردہ لوگوں کے ذہنوں میں تھا۔ جو عالمگیر محبت اور اخوت اور جو وسیع حمیت اس وقت ہمارے دلوں میں بس رہی ہے اس کا پیدا کرنے والا یہی بزرگ ہے اور جس صدق نیت اور خلوص قلب سے بھی اس کا شکریہ ادا کریں، کم ہے۔ تو اے حضرات! میں ان تمام اصحاب سے جو اس موتمر میں شامل ہیں استدعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے عندیوں کو جو ان کے دلوں میں ہیں ظاہر کرنے کے لئے بلکہ محترم شیخ الاسلام کے ساتھ اپنی عقیدت اور نیاز مندی کے علانیہ اظہار کے لئے ایک تن واحد کی طرح اس چھت کے نیچے سروقد کھڑے ہو جائیں (تمام لوگ سرو قد کھڑے ہوگئے) اور بھائیو! میں آج بصد عجز و خشوع خدائے عزو جل سے التجا کرتا ہوں کہ ہم کو اپنے ان تمام کاموں میں جو ہم اس موتمر میں کریں، متحد رہنے کی توفیق دے، ہمارے قدموں کو مضبوط کرے۔ ہم سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچائے۔ توفیق اور استقامت کی مدد طلب کرنا خدا ہی سے ہو سکتا ہے اور قانون خدا سے ڈرنے والوں کا مددگار اگر ہے تو وہی ہے!

محترم بھائیو! عالم اسلام کے اجتماع کی یہ وہ صورت ہے جو تین سو برس سے مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوئی، بلکہ میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ عالم اسلام نے اس منظر کو اپنی تمام تاریخ میں کبھی نہیں دیکھا، تو میں تم کو سب سے پہلے مبارک باد دیتا ہوں کہ تم ایک جسم واحد کی طرح اس جگہ اس لئے جمع ہوئے ہو کہ اپنی خوفناک مصیبتوں اور مشکلوں سے نجات پانے کے لئے بہترین تدبیریں سوچ سکو۔ اس میں شک نہیں کہ مرض کا پہچان لینا اور علاج کے لئے تیار ہو جانا ہی نصف صحت ہے اور اس بنا پر میں نہایت خلوص، محبت اور درد دل سے ان لوگوں کو جو دور دراز فاصلوں سے سفر کی نہایت سخت تکلیفوں کے بعد اس موتمر میں حاضر ہوئے ہیں، اپنا سلام بھیجتا ہوں اور خدائے عظیم سے بصد عجز و زاری دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری مساعی کو دنیا اور آخرت

میں مشکور کرے، جو تجویزیں اس موتمر میں ہم بالاتفاق قبول کریں، ان پر عمل کرنے اور ان کو عالم اسلام میں جاری اور نافذ کرنے کی توفیق دے۔ خدایا! ہمیں اپنے ہاں سے ہمت عطا کر، کیونکہ تو ہی سب سے بہتر بخشائندہ ہے۔

محترم نمائندو! تم نے بیشک اس چھت کے نیچے ایک عظیم الشان مجلس منعقد کرلی اور مجھے یقین ہے کہ مصر کے علمائے دین اور اس قوم کے بڑے بڑے سرداروں نے بڑی آؤ بھگت سے تمہیں یہاں نوازا ہے، لیکن کیا تمہیں اس بات کی خبر ہے کہ تم ایک ایسے اہم اور عظیم الشان معاملے کے فیصلے کے لئے جمع ہوئے ہو، جس کی نظیر تمام اسلامی تاریخ میں ہرگز موجود نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس موقع پر تاریخی واقعات اور مذاکرات یا پرانے قصوں اور دقیق علمی مباحثوں کے ذریعہ سے اسلامی خلافت کے گذشتہ حالات بیان کرکے تمہارے دماغوں کو پریشان کروں، تاکہ تم آج کے حالات کا ان سے صحیح تقابل و توازن کر سکو۔ اگر میں چاہتا تو میرے لئے یہ امر آسان تھا، لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ مسئلہ جو اس وقت تمہارے سامنے قریباً چار سو برس کے بعد پھر پیش ہوا ہے، ایسا ہے کہ اس کی مشکلات صرف ان لوگوں کے ذہنوں میں ہیں جنہوں نے اسلامی تاریخ کے تمام مراحل کو غور کے ساتھ پیش نظر رکھا ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی بہترین سلطنت یعنی دولت عثمانیہ نے (اور وہ سلطنت غالباً" مسلمانوں کی کمزور ترین سلطنتوں سے بھی زیادہ کمزور سلطنت ہے) سیاسی حالات کو مد نظر رکھ کر خلافت کو مسترد کر دیا ہے۔ ان کو خیال پیدا ہوا ہے کہ خلافت کو اپنے ساتھ اور لگائے رکھنا ان کی موجودہ تہذیب میں حائل ہے ان کی آئندہ ترقی اور تقدم کا مانع ہے، اسی خلافت کے باعث ان کے ملک میں پے در پے فساد ہوتے رہے ہیں اور وہ سکون اور امن جو ترکوں کو نصیب ہونا چاہئے تھا، ایک مدت سے ان کو ارزانی نہیں ہوا، وغیرہ وغیرہ۔ بھائیو! کوئی زمانہ تھا اور اس زمانہ کو کچھ بہت مدت نہیں گذری، جب کہ بڑے سے بڑے متکبر اسلامی بادشاہ اسی خلافت کو اپنے پاس رکھنا اپنے لئے مایہ ناز سمجھتے تھے، اس کو قوت کا سرچشمہ خیال کرکے اس کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر دیتے تھے۔ خلیفتہ المسلمین کی وہ عزت اور شان تھی جو یورپ کے بڑے سے بڑے بادشاہ کو لرزہ براندام کر دیتی تھی۔ اس کا حکم نہ صرف اطراف عالم پر نافذ تھا، بلکہ ان قوموں کے دلوں پر بھی، جو تابع نہ تھیں، عملاً" جاری اور ساری تھا۔ اس کے امرونہی

کی صدا آنکھ کی جھپک میں دور و نزدیک، سب جگہ ہیجان عظیم پیدا کردیتی تھی اور اس کا حکم قریب و بعید سب ملکوں کو مجبور احترام کر دیتا تھا۔ نظم و نسق اس کے حشمت اور جلال کے محور پر قائم تھے اور قوت اور امن کے فرشتے اس کے منصب کی شوکت و احتشام کے باجگذار خادم تھے۔ بھائیو! مسلمانوں کی حالت اور مسلمانوں کے امیر کی حالت ابھی کچھ مدت ہوئی یہ تھی۔ پس آج اگر اس شان و شوکت کے بعد ترکوں نے اسی خلافت کو چار سو برس سے زیادہ مدت تک مضبوطی سے پکڑ کر مسترد کر دیا ہے، اس کو ناکارہ اور لاشئے سمجھ کر پھینک دیا ہے اور ہم آج اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ اس مسترد کی ہوئی اور پھینکی ہوئی شئے کو کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں، جو طوعاً" کرہاً" اس کو ہم پر احسان رکھ کر قبول کرلے۔ تو پہلا سوال جو ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ جس شئے کی خوبیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں، ممکن نہیں کہ کوئی شخص اس کو پھینک سکے اور اگر ترکوں نے خلافت کو رد کر دیا ہے اور ضرور ہے کہ آج اس میں وہ خوبیاں نہیں رہیں، جو کسی زمانے میں اس میں تھیں، بلکہ اگر انہوں نے اس کو ناکارہ سمجھا ہے، تو کئی صدیوں کے حصول تجربہ کے بعد۔ تو ایسی حالت میں ہم کیا کریں کہ اپنی خلافت کو وہی مفید، قابل رشک اور قابل حصول شے بنادیں، جو وہ کسی زمانے میں تھی۔

حضرات! یہی ایک سوال ہے، جس کا حل ہماری تمام بیماریوں کا حکمی اور قطعی علاج ہے اور اگر اسی سوال کے حل کے لئے آج ہم جمع ہوئے ہیں، تو سمجھ لو کہ ہم نے اپنے مرض کو پالیا، سمجھ لو کہ ہم اس سے زیادہ بیمار نہیں رہنا چاہتے، سمجھ لو کہ ہم علاج کے لئے مستعد ہیں اور تنزل کی رفتار واژگوں میں اسی حد تک جائیں گے۔ اس سے نیچے جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اگر ہمارے جمع ہونے کی یہ حکمت ہے تو یاد رکھو کہ ہم آج اپنی گمراہی سے دست بردار ہو چکے، آج کے روز سے ہم کو اپنی زندگی پر نیا یقین پیدا ہوگیا۔ بلکہ ہم نے اس زندگی کے پیدا کرنے کے اسباب مہیا کر لئے، لیکن اگر اس موتمر کا مقصود صرف یہ ہے کہ ہم اس مسترد کی ہوئی خلافت کو جس کو ترکوں نے حقارت سے پھینک دیا ہے اور جس کی قدر و قیمت بھی اس کے پھینکے جانے کی وجہ سے تمام عالم کی نظروں میں صفر ہوگئی ہے، بغیر کسی جدید اصلاح و تشکیل کے چار و ناچار کسی ایسے شخص کے ہاتھ دے دیں، جو اس کو قبول کرلے اور بعد ازاں رسمی طور پر ہمارا

شکریہ ادا کرے، تو میں سب سے پہلا شخص ہوں، جو آپ کی اس موتمر کے مقاصد سے متفق نہیں اور بحیثیت ایک مسلمان کے میرا فرض ہوجاتا ہے کہ اس لغو حرکت میں آپ کا ساتھ نہ دوں، اس اثم وعدوان میں آپ کی کوئی معاونت نہ کروں بلکہ میرے شایان یہ ہے کہ لکم دینکم ولی دین کہہ کر آپ کی موتمر کو یکسر الوداع کہدوں۔

اے حضرات موتمر! مسئلہ خلافت کو صحیح نقطہ نظر سے دیکھنے اور اس کی مشکلات کا فی زماننا مناسب حل اختیار کرنے میں سب سے بڑی دقت جو پیش نظر ہے یہ ہے کہ مسلمانوں نے چند صدیوں سے خلافت کو ایک روحانی غیر مادی اور غیر دنیاوی شئے سمجھ لیا ہے، جس کا تعلق ان کے دنیاوی اعمال اور اجتماعی اخلاق سے "قطعاً" نہیں رہا۔ خلیفہ وقت پچھلی کئی صدیوں سے ایک عضو معطل یا بعبارت اخریٰ ایک امیر معطل ہے، جس کا حکم صرف لوگوں کی زبانوں یا افواہی عقیدوں پر نافذ ہے، لیکن ان کے جسموں، دلوں اور جگروں پر اس کی حکومت کا نشان تک باقی نہیں۔ خلافت کی شان گھٹتے گھٹتے یہاں تک رہ گئی ہے کہ اب کئی قرنوں سے صرف ایک سطحی صورت یا محض نام قائم ہے۔ خطبوں میں "رسماً" نام پڑھ لینا یا خلفائے راشدینؓ کے ساتھ ساتھ درود و سلام میں اس کو شامل کر لینا یا نصرت دین کے الفاظ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کرنا خلیفہ کو ماننے کے مترادف رہ گیا ہے، لیکن خلیفہ کو صحیح معنوں میں اجتماعی اور سیاسی امیر سمجھنا ذہنوں سے "حتماً" نکل چکا ہے۔ اوسط مسلمان کے نزدیک آج دین و دنیا دو مختلف چیزیں ہیں۔ ان کے دائرۂ عمل بالکل جدا جدا ہیں، ان کا تعلق ایک دوسرے سے "حتماً" نہیں، ان کا آپس میں توافق کسی شئے میں نہیں۔ دنیا کو مضبوط پکڑنے کے لئے چونکہ متواتر سعی و عمل کی ضرورت ہے اور ایک گرتی ہوئی قوم کے لیئے سعی و عمل کو شعار بنا لینا چونکہ ازبس مستبعد ہے۔ اس لئے آج کل کے مسلمان اس طرف گئے ہیں کہ دین محض قول ہی قول اور عقیدوں کا نام ہے اور یہی اقوال اور عقائد اقلیم آخرت کی کلید ہیں۔ دنیا ان کے نزدیک ایک مردار اور مردود شئے ہے جس سے کوئی فائدہ متصور نہیں اور جس کی طرف متوجہ ہونا یا جس کو سدھارنا دین دار آدمی کا کام نہیں۔ بھائیو! متنزل اور مردہ قومیں علم سے گریز کرنے کے لئے ایسے ہی بہانے ڈھونڈھ لیا کرتی ہیں اور دنیا کی تاریخ عروج و زوال کا ہر ورق مردہ اقوام کی ان غلط کاریوں سے سیاہ رہا

ہے۔ اسلام جب اس دنیا میں آیا، دین کو دنیا کے ساتھ لایا، نہیں دنیا ہی کو قائم رکھنے کا دین لایا، دنیا کا دین میں مدغم ہونا اسلام تھا، دونوں کی موافقت ہرشئے میں ظاہر تھی۔ نہیں بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دین کو اپنے ساتھ لائے، جو دنیا میں ہر دشمن پر غالب آکر ہم کو مضبوط کر دے اور سب باقی ادیان واہیہ پر چھا جائے۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دین کی تلقین کرتے رہے، جو دنیا میں بلند ہونے کی خاطر تھا، جس کا منتہا یہ تھا کہ دنیا کو مضبوطی سے پکڑا جائے اور اسی غرض سے "الدنیا مزرعته الاخرة" کہہ کر گویا عملاً" اور فعلاً" یہ ثابت کر دیا کہ دنیا کو برقرار رکھنا ہی اصل دین ہے اور دین ہی دنیا کو برقرار رکھنے کا واحد ذریعہ ہے۔ بھائیو! رسولؐ خدا کے وقت میں دین کا مفہوم یہ تھا، لیکن آج یہ دونوں الفاظ مسلمانوں کے نزدیک ایک دوسرے کے متضاد بن چکے ہیں۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق اور مشرق و مغرب کا بعد ہے۔ بھائیو! ترکوں نے مسلمانوں کی اسی ہولناک غلطی کو بالاخر ایک مدید مدت اور نہایت تلخ تجربے کے بعد دیکھ لیا اور اسی لئے خلافت حاضرہ کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دینا مناسب سمجھا۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ ان شدید ترین مصائب اور ہولناک تکالیف میں بھی خلافت کے منصب نے ان کو کوئی عملی اور کارآمد امداد ہرگز نہیں دی۔ وہی مسلمان، جو قسطنطنیہ کے سلطان کو اپنا روحانی خلیفہ مانتے تھے، پچھلی جنگ عظیم میں اس کے خلاف اور ترک قوم کے خلاف جنگ کرنے سے نہیں جھجکے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کے سلطان کے احکام کی عملی اطاعت ان کی مملکت سے باہر کے مسلمانوں نے کسی جگہ نہیں کی، اس کی حمایت میں کسی قوم یا فرد نے کسی طرف سے ایک قدم نہیں اٹھایا۔ اگر سلطان کی اطاعت کسی نے کماحقہ، کی تو خود ان کی اپنی قوم نے کی اور اس عام عصیان کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک آج دین الگ شئے ہے اور دنیا الگ شئے۔ پس ترکوں کو ڈر تھا کہ "روحانیت" کا یہ غلط اور زہر آلود تخیل، جس نے باہر کے مسلمانوں کو اپنے خلیفہ کی بروقت اعانت سے باز رکھا، ان کی اپنی قوم اور اپنے سپاہیوں کو بادشاہ کی اطاعت سے منحرف نہ کردے، ان کے سپاہی بھی شدہ شدہ اس مہلک خیال کی طرف نہ آجائیں کہ "روحانی خلیفہ" کی اطاعت میں اس لئے مضائقہ نہیں کہ باہر کے مسلمانوں نے اس اطاعت کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہادر اور بے مثال قوم ایک آن واحد میں تباہی کے جہنم میں گر

جائے۔ دوستو! میرے نزدیک ایسی خلافت ایک نہایت مضر اور لاطائل شئے ہے اس کو دور ہی سے سلام کرنا واجب ہے، جب تک ہم اس کی قلب ماہیت میں اپنی تمام کوششیں صرف نہ کردیں اور اس کو فی الحقیقت ایک مفید اور نفع مند شئے پھر نہ بنالیں اس کو کسی دوسرے شخص کے سپرد کردینا میری نگاہ میں قطعاً" عبث ہے۔

اے حضرات موتمر! میں جہاں ترکوں کے اس فیصلے میں کہ خلافت کو فی زمانہ مروج معنوں میں اختیار کرنا اس کی آئندہ بہبودی اور نظم و نسق میں حارج ہے، متفق ہوں، وہاں اس امر میں عام لوگوں سے مختلف ہوں کہ مسلمانوں نے "خلافت" اور "خلیفہ" کے الفاظ کو صحیح اور شرعی معنوں میں یا قرآن حکیم کی اصطلاح کے مطابق استعمال نہیں کیا۔ "خلیفہ" یا "خلائف" یا "استخلاف" کے الفاظ قرآن حکیم میں جہاں کہیں استعمال ہوئے ہیں، کسی ایک قوم کے دوسری قوم کے جانشین ہونے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، ان سے مراد ایک قوم کی سیاسی اور اجتماعی حکومت دوسری قوم پر ہے، شخصی حکومت قطعاً" کہیں نہیں، جہاں وہ استعمال ہوئے ہیں، اجتماعی معنوں میں ہوئے ہیں، لیکن "خلیفہ" کا لفظ بحیثیت امیر جماعت یا "روحانی امام" کے قرآن حکیم میں کہیں وارد نہیں۔ مثال کے طور پر میں یہاں سب آیتوں کو پیش کر دیتا ہوں۔ سورۃ انعام میں ہے: وربک الغنی ذوا لرحمتہ ان یشا ینھبکم و یستخلف من بعد کم مایشاء کما انشا کم من ذریتہ قوم اخرین ○ سورۂ اعراف میں ہے: عسی ربکم ان یھلک علو کم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون ○ سورۂ ہود میں ہے: فان تولوا فقد ابلغتکم ما ارسلت بہ الیکم ویستخلف ربی قومنا" غیر کم ولا تضر ونہ شیا" ء ان ربی علی کل شی ء حفیظ ○ سورۂ نور کی مشہور آیت استخلاف میں ہے: وعدالله الذین امنو امنکم وعملوالصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبد لنھم من بعد خوفھم امنا اور اسی طرح پر سوۂ حدید میں بھی اجتماعی معنوں میں استعمال ہے: وانفقوامما جعلکم مستجلفین فیہ سورۂ یونس میں علی ہذاالقیاس ثم جعلنکم خلف فی الارض من بعدھم

لننظر کیف تعلمون ○ ہے۔ سورۂ انعام میں ہے: ھوالذی جعلکم خلٰف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجت اور سوۂ زخرف میں ہے: ولونشاء لجعلنا منکم ملیکتہ فی الارض یخلفون ○ وغیرہ وغیرہ۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ استخلاف صرف اقوام کا ہوا کرتا ہے نہ افراد۔ کا اور خلائف الارض صرف قومیں ہی ہوتی ہیں۔ افراد کا خلیفہ بننا ازروئے قرآن کچھ معنی نہیں رکھتا۔ رہی آیت انی جاعل فی الارض خلفیتہ جو آدم علیہ السلام کے متعلق استعمال ہوئی ہے۔ سو اس آیت سے اس امر کا استدلال کرنا کہ خلیفہ کا لفظ انفرادی معنوں میں استعمال ہوا ہے ایک طویل بحث ہے۔ اس میں مختلف اقوال اور مباحث ہیں، لیکن میرے نزدیک آدم علیہ السلام کا قصہ جو قرآن میں وارد ہے صرف ایک تمثیلی قصہ ہے جس کے مشار الیہ تمام نبی نوع انسان ہیں، ایک فرد واحد کا ذکر اس قصہ میں بھی نہیں اور جب مسلمانوں کا اعتقاد اس امر پر مضبوط ہے کہ آدم علیہ السلام نے کبھی فساد فی الارض یا سفک دماء (قتل) نہیں کیا اور بنی نوع انسان ہی یہ باتیں کرتے رہے ہیں، تو اس خیال کو اور تقویت ہوتی ہے کہ خدائے عزو جل کا ایک فرد واحد کو زمین پر خلیفہ بنانا مقصود نہ تھا۔ فرشتوں کے اس قول سے بھی کہ ہم تیری ہی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان سب کا ارادہ خلیفہ بننے کا تھا نہ ان میں سے کسی رجل واحد کا۔ اور اس قول کی صاف تصدیق ایک حد تک آیت: ولونشاء لجعلنا منکم ملٰکتہ فی الارض یخلفون ○ سے بھی ہوتی ہے، لیکن جب حضرت آدمؑ علیہ السلام اور انکی زوجہ ہی اس دنیا میں موجود تھے اور باقی انسان پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے، تو یہ سوال کہ حضرت آدمؑ کن لوگوں پر خلیفہ مقرر ہوئے تھے، ایک ٹیڑھا سوال ہے، جس کا جواب ان لوگوں سے پوچھنا چاہئے جو "خلیفہ" کے لفظ کو انفرادی معنوں میں سمجھنے کے قائل ہیں۔ ان آیات کے علاوہ خدائے عزو جل کا قول: یداود انا جعلنک خلیفتہ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ہے، جس میں "خلیفہ" کا لفظ صاف طور پر انفرادی ہے، لیکن جو بات سوچنے کے قابل ہے، یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک نبی اور رسول کے زمین پر اپنے قائم مقام ہونے کی وجہ سے اس لفظ کا استعمال کیا ہے اور اسی نائب خدا ہونے کی وجہ سے اس کو کہا کہ چونکہ ہم نے تم کو زمین پر اپنا نائب بنایا ہے،

اس لئے انسانوں کے درمیان انصاف کرو۔ گویا انصاف کرنے کی حجت یہ ہے کہ وہ خدا کا قائم مقام ہے۔ پس نبیؑ کو خلیفہ انفرادی طور پر کہنا اس وجہ سے انسب ہے اور قرآن حکیم میں صرف اسی جگہ پر استعمال ہوا ہے اور اسی لئے یہ لقب ماسوا نبیؑ کے کسی دوسرے شخص کے لئے موزوں نہیں۔ بہر نوع ان تمام آیات قرآنی سے نتیجہ ایک ہی نکل سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ استخلاف سے مراد اقوام عالم کا سیاسی اور اجتماعی تمکن ہے۔ اور آیت: فان تولو افقد ابلغتکم ما ارسلت به الیکم یستخلف ربی قوما" غیرکم ولا تضرو نه شیا کا آیت الا تنفروا یعذبکم عذابا الیماO ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروه شیاء" سے مقابلہ کر کے ظاہر ہے کہ ایک قوم کی زمین پر حکومت کا دوسری قوم کی حکومت سے بدل جانا یعنی اس کا "استبدال" ہی "استخلاف" ہے۔ وہی قوم مستخلف ہے جو زمین پر قوت سے حکومت کر رہی ہے۔ گویا حکومت اور استخلاف ایک شے ہیں، بلکہ استخلاف اور استبقا بھی ایک ہی شے ہیں اور خدا نے ہم میں سے انہی قوموں کے ابقا اور استخلاف کا وعدہ کیا ہے جو امنوا وعملواالصلحت کی مصداق ہیں۔ پس صالحین کا استخلاف ازروئے قرآن اور بقائے اصلح کا مسئلہ ازروئے علم جدید دراصل ایک شئے ہیں۔

پس اے حضرات المؤتمر! خلافت، حکومت اور وراثت زمین ازروئے نص قرآن ایک شے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے جزو لاینفک ہیں۔ خلافت ازروئے قرآن ہمیشہ اجتماعی ہی ہے، قومیں اس کی صحیح مصداق ہیں، افراد کا "خلیفہ" ہونا ازروئے قرآن کہیں ثابت نہیں۔ جو قومیں روئے زمین پر تمکن اور مضبوطی سے متسلط ہیں، وہ سب کی سب بلا لحاظ مذہب و ملت "خلیفہ" ہیں اور اسی نقطہ نظر سے مسلمانوں میں ترک اور افغان قومیں آج صحیح معنوں میں "خلیفہ" ہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں خلیفہ کا لقب بہ معنی امیر جماعت کہیں موجود نہیں۔ مسلمانوں کی جماعت کے امیر کے لئے قرآن نے اولی الامر منکم کے الفاظ تجویز کئے ہیں اور اسی بنا پر صدر اسلام میں خلفائے راشدینؓ امیرالمومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ خلیفہ کا انفرادی لقب جو حضرت ابوبکرؓ کے لئے تھا "خلیفہ نبیؐ" کے معنوں میں استعمال تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیفہ خدا انہی معنوں میں تھے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ اسلام خلیفہ خدا کہہ کر پکارے

گئے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی اسی نقطہ نظر سے "خلیفتہ الخلیفہ" تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرات! آپ اس تمام بحث سے جو میں کر رہا ہوں نہایت متعجب ہوں گے اور کہیں گے کہ نام بہر نوع کچھ شے نہیں اور جس نام سے بھی اپنے امیر کو پکارو کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن اے حضرات! میرا اصرار نام پر اس لئے ہے کہ خلیفہ وقت کو اولی الامر منکم سمجھنے کے بعد ہمارے سامنے معاً" آیت یایھاالذین امنو اطیعوااللہ واطیعوالرسول و اولی الامر منکم پیش نظر ہو جاتی ہے اور ہر مسلمان پر حتماً" اور قاطبتہ" اپنے امیر کی اطاعت بہر نوع اور بہر حال واجب ہو جاتی ہے۔ والا ان کنتم تومنون باللہ کے رو سے عصیان امیر کی حالت میں اس کا ایمان ساقط ہو جاتا ہے۔ امیر کو "خلیفہ" کہنے سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی اور ازروئے قرآن کوئی سند ہمارے پاس نہیں رہتی، جس کی رو سے ہم مسلمانان عالم کو اس اطاعت پر مجبور کر سکیں۔ بھائیو! مجھے خلیفہ کو امیر کہنے پر اصراز اس لئے بھی ہے کہ عوام الناس کسی شے کی باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔ ان کا تمام استدلال ہمیشہ ظاہر پر ہی ہوا کرتا ہے۔ اگر ان کو کسی شے کے ظاہر کے متعلق یقین دلا دیا جائے تو وہ اس کو بلاحیل و حجت اور کمال اعتماد سے تسلیم کر لیتے ہیں اور یہی غالب وجہ ہے کہ انہوں نے آج تک اپنے خلیفہ کی اطاعت کے وجوب کی طرف توجہ نہیں کی اور اگر توجہ کی تھی تو شدہ شدہ وہ سب سبق بھول گئے جو کبھی ان کو خوب ازبر تھا، لیکن اے حضرات! میں اپنے کمال اعتقاد کے ساتھ اس امر پر یقین رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس امر کا اعلان صاف طور پر کر دوں کہ میرے یقین میں قرآن حکیم کی وہ تمام آیتیں، جن میں اطیعواللہ واطیعوالرسول کے الفاظ آئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امیر جماعت کی طرف از خود منتقل ہو کر اس کی اطاعت کو اسلام اور مسلمانیت کا وہ جزو لاینفک بنا دیتی ہیں، جس سے کسی مسلم کو ایک لمحہ کے لئے چارہ نہیں رہتا۔ وہ تمام سزائیں اور عذاب بھی جو عصیان رسولؐ کی پاداش میں قرآن میں درج ہیں، امیر جماعت کی نافرمانی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اسی نقطہ نظر سے میں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تذکرہ" میں اس امر پر نہایت زور دیا ہے کہ اطیعوا الرسول کے الفاظ سے خدائے عزو جل کی مراد ان زبانی یا وقتی احکام کی اطاعت تھی، جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سیاسی اور اجتماعی امیر ہونے کی حیثیت میں فوقتاً" فوقتاً" بالمشافہ دیا کرتے تھے۔ رسولؐ خدا

کے بعد اس طاعت کا وجوب ان احکام کے متعلق لازماً" ہو جاتا ہے' جو امیرالمومنین نافذ کرے۔ ان کی وفات کے بعد یہ منصب صرف امیرالمومنین کا ہے' خواہ وہ کوئی بھی ہو اور آیہ: من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ اس امر کا حتمی فیصلہ کر دیتی ہے کہ رسول اور امیر جماعت کی اطاعت فی الحقیقت خدا ہی کی اطاعت ہے اور ساتھ ہی آیہ شریف: ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر کی اطاعت بہر حالت فرض عین ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بادشاہان تغلق نے اپنے سکوں کی پشت پر الفاظ "من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن" بے خوف خطر لکھ رکھے تھے۔ یعنی "جس نے بادشاہ کی اطاعت کی اس نے گویا خدا کی پیروی کی" اور اسی وجہ سے اس زمانے کے علمائے دین بھی "اطاعت رسولؐ" کی اس تاویل پر متفق تھے۔ بہر نوع یہ تمام بحث اس امر کی دلیل ہے کہ اسلاف صالحین کے نزدیک اطاعت سلطان' اطاعت امیر' اطاعت رسولؐ اور اطاعت خدا عملاً" اور معناً" ایک شے تھے۔ پچھلوں نے اس عظیم الشان درس کو دلوں سے بھلا دیا اور قعر ہلاکت میں گر گئے۔

اے اشراف موتمر! میں کامل یقین اور انتہائی وثوق سے اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ جب تک امیر جماعت کی عملی اطاعت ہر مسلمان کے ذہن میں کالنقش فی الحجر ہو کر اس کے ہر رگ و ریشہ میں جاری اور ساری نہ ہو جائے' خلافت یا امارت کچھ معنیٰ نہیں رکھتی' نہ خلافت سے کوئی مستقل فائدہ مترتب ہو سکتا ہے۔ بھائیو! نہ اس اطاعت کے بدون کسی جماعت کے اندر نظم و نسق پیدا ہو سکتا ہے نہ وہ جماعت دنیا میں اپنی ہستی اعدا کے بالمقابل برقرار رکھ سکتی ہے' نہ کسی صورت میں دشمن پر غالب آ سکتی ہے۔ اگر یورپ آج دنیا میں ترقی کے آسمان پر پہنچ چکا ہے' تو اس کی وجہ اکثر یہی مطلق اور منظم اطاعت امیر ہے۔ اسی لحاظ سے میں نے دین فطرۃ کی اس عظیم الشان شق کو اپنی کتاب "تذکرہ" میں اسلام کا اصل اصول قرار دیا ہے اور جا بجا نص قرآنی سے ثابت کیا ہے کہ اس بے چون و چرا اور دائم و قائم اطاعت کے بغیر نہ کوئی مومن' مومن رہ سکتا ہے نہ متقی' متقی ہے' نہ عابد صحیح معنوں میں عابد ہے نہ صالح کی صلاحیت ازروئے قرآن ثابت ہے' نہ راہ راست پر چلنے کا مدعی صراط مستقیم پر ہے' نہ مغفرۃ اور رحمت کی تمنا کسی معنوں میں درست ہے۔ پس ازروئے قرآن اطاعت امیر سے

کسی مسلمان کو کسی حالت میں مفر نہیں۔ آج مسلمانان عالم پر جو فرض سب سے زیادہ عائد ہے۔ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں اس اطاعت کے فرض ہونے کا نہایت شدو مد سے اعلان کریں، کیونکہ یہی اطاعت امیر ہے، جو ہم سے قطعاً" اور قاطبتہ" نکل چکی ہے اور اے بھائیو! قوم کے افراد کے اندر یہ مادہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان میں ایک دوسرے سے رواداری اور اپنے ساتھی اور پڑوسی کی اطاعت کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے، بلکہ جب تک ہمارے دلوں میں سے اغراض اور شہوات کے بت، لہو و لعب کے بت، لذات نفسانی کے بت قطعاً" فنا نہ ہو جائیں، ہم میں سب ماسوا کو چھوڑ کر تزکیہ نفس نہ پیدا ہو جائے اور دل صرف خدا کی ملازمت کے لئے رہ جائے۔ یہ مرتبہ دوستو! تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب دلوں کے اندر تمام ہولناک بت توڑ دیئے جائیں، جب تفرقہ ڈالنے والے اولیا واصفیا کی عبادت کے بتوں کو یکسر چھوڑ دیا جائے۔ جب تفریق اور تشتت کے ان تمام محبوب شیطانوں کو الوداع کہہ دیا جائے جنہوں نے دلوں کے اندر مضبوط جگہ بنالی ہے۔ گویا بالفاظ دیگر لا یتخذ بعضنا بعضا اربا با من دون اللہ کے الٰہی الفاظ کو پیش نظر رکھ کر: تعالوا الی کلمتہ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ پر معنا" عمل پیرا پھر نہ ہوا جائے۔ یہ وہ عملی توحید او رخدا کو ایک ماننے کا وہ صحیح کیف ہے، جس کو میں نے "تذکرہ" میں اسلام کا اصل اصول کہا ہے انہی بتوں کی پرستش صحیح معنوں میں شرک ہے۔ یہی وہ شرک اور ماسوا کی عبادت ہے جو ہم کو اتحاد اور اتفاق سے ہر لحظہ منع کر رہی ہے اور اسی نقطہ نظر سے خدائے عزو جل نے مشرکوں کی تعریف یہ کی ہے کہ مشرک وہ ہیں جنہوں نے ماسوا کی غلامی کر کے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ در گروہ بن گئے۔ اب ہر ایک گروہ اس بت میں مست ہے، جو اس کے سامنے ہے: ولا تکونو امن المشرکین ○ من الذین فرقو ادینھم وکانو اشیعا کل حزب بما لدیھم فرحون ○

تو اے اسلامی بھائیو! اس توضیح کے بعد میں تمام حضار موتمر کی توجہ اپنی پہلی تجویز کی طرف منعطف کراتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہ موتمر عالم اسلام کے تمام ممالک میں تدریجا" ایک ایسا نظام قائم کرے جس کی رو سے مسلمانوں کے ہر محلہ میں ایک دینی مدیر، ہر گاؤں میں ایک دینی عامل، ہر طبقے اور ملک میں دینی امیر مقرر ہو اس امیر کا عزل

و نصب اس موتمر عام کی طرف سے ہو۔ وہ امیر سب دینی، شرعی اور اجتماعی امور میں لوگوں سے محاسبہ کیا کرے۔ گویا قول خدا کے مطابق سب امور میں اولوالامر کے منصب اعلیٰ پر متمکن ہو۔ جب کبھی کوئی اہم امر در پیش ہو امیر اس موتمر سے مشاورت کرے اور جب کبھی مسلمانوں کے اندر کوئی اختلاف پیدا ہو صلح و امن سے ان کے مابین فیصلہ کرے۔ نزاع و فساد کی صورت اگر کہیں قائم ہو تو معاملات کو موتمر کے سپرد کرے اور یہ موتمر پھر اس معاملہ کو فرمان خدا کے مطابق خدا اور رسولؐ کے سپرد کرے۔ مختصر یہ کہ امیر اپنی قیادت میں وہ تمام باتیں کرے جو مسلمانان عالم کو ایک لڑی میں پھر پرو سکیں ہیں۔ اس امیر کی تنخواہ بھی موتمر دے۔ اس کا فرض مسلمانان عالم کی مصلحت اور ان کے مختلف شعوب کے مابین مصالحت ہو۔ موتمر مسلمانوں سے عام بیعت لے اور ان حالات کی تہہ کو پہنچے جو آج مسلمانان عالم کی بربادی کا باعث ہیں۔ ان اسباب کی تلاش کے بعد موتمر مرض کا علاج ایک قائم مقام اور نمائندہ مجلس کے سپرد کر دے۔ پس اے حضرات کرام! اگر تم میں اس طرح کا کوئی نظام نہ ہو، جس کا اثر تمام عالم اسلام پر تدریجاً حاوی ہو کر رہے۔ تمہاری خلافت کچھ معنی نہیں رکھتی۔ اور نہ اس امر کا کوئی امکان ہے کہ اس کے بدون تمہارے کسی امیر کا حکم فی الحقیقت کسی خطے پر نافذ ہو سکے۔ عمارت اور تعمیر کی یہ وہ خشت اول ہے جو آپ کو اس لئے پیش کرتا ہوں کہ تم اپنی دینی امارت کی تعمیر کو مضبوط بنیاد پر قائم کر سکو۔ میں تم کو اس تجویز پر متفق ہونے اور وثوق تمام سے اس پر عمل کرنے کی دعوت اس طرح پر دیتا ہوں کہ سب کے سب اس چھت کے نیچے اپنے قدموں پر ایک دفعہ اور سرو قد کھڑے ہو جاؤ اور محترم صدر سے استدعا کرتا ہوں کہ اس تجویز پر مسلمانوں کے محترم نمائندوں کے قرعے لے (تمام نمائندے سروقد کھڑے ہو گئے)۔

میرے بزرگو! اس قرار داد پر متفق ہونے اور اس پر حتی الامکان عمل درآمد کرنے کے عزم کر لینے کے بعد مجھے اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے کوئی شے اس سے زیادہ اہم معلوم نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس تجویز کو سب سے پہلے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور یہی فی الحقیقت ہماری تمام بیماریوں کا علاج ہے، لیکن بزرگ بھائیو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس عظیم الشان قرار داد میں کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم میں سے ہر ایک متنفس سالہا سال کی شبانہ روز

محنت، برسوں کے لگا تار اور جانکاہ استقلال اور بجِد صدق نیت اور خلوص سے متفقہ طور پر کام نہ کرے۔ ایسی عالمگیر اور ہمہ رس تجویزیں محض کہہ دینے سے نہیں ہوتیں۔ ان کے لئے سمندر کی سی وسعت والے دل اور جگر، پہاڑوں سے عظیم تر ارباب ہمم اور آسمان کے ستاروں سے زیادہ مرد میدان ہر جگہ موجود ہونے چاہئیں، جو شرک اور کفر کی مہیب اور خوفناک عمارتوں کو چند برسوں کے اندر اندر پیوند زمین کردیں۔ بھائیو! ایسی تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے یہ بھی ازبس ضروری ہے کہ ایک بڑی سعی اور بڑی مدت پیش نظر ہو۔ اس بنا پر میں آپ حضرات کے سامنے اپنی دوسری قرارداد پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس موتمر عام کو جو اپنے اعمال میں قطعاً آزاد ہے۔ آج سے مستقل اور مستمر صورت میں بدل دیا جائے۔ اس کے سالانہ اجلاس ہوا کریں۔ اس کا رسمی مرکز شیخ الاسلام کی سرکردگی میں جامع ازہر ہو، لیکن اس کے اجلاس عالم اسلام کے ہر اہم شہر میں ہوں۔ شیخ الاسلام بہ نفس نفیس ان تمام اجلاس میں حتی الامکان شامل ہو اور ان کی ریاست اور صدارت بالذات کیا کرے۔ تمام شعوب اسلامی کے نمائندے اس موتمر کے اعضا ہوں اور ہر نمائندہ کے لئے ایک تعداد مقرر کرلی جائے، جس کے مطابق لوگ اپنے اعضا منتخب کرسکیں۔ حضرات! اب میں آپ کو اس تجویز پر اتفاق کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ (سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا۔)

تیسری تجویز اے حضرات! جو ان پہلے دو معاملوں کو رو براہ کرانے کے لئے اشد ضروری ہے، یہ ہے کہ یہ موتمر تمام بلاد اسلام کے لئے اس شہر قاہرہ میں ایک مرکزی بیت المال کی بنیاد ڈالے، جو ان مہمات امور اور دیگر رسمی اخراجات مثلاً اعضائے موتمر کے سفر خرچ وغیرہ کی تکمیل میں ہماری مدد کرے۔ حضرات! اسلامی بیت المال کی ضرورت پر اب کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ یہ وہ معاملہ ہے جس پر ہر قریہ ہر شہر ہر ملک اور ہر براعظم میں ہر مسلمان ہر وقت اپنی لیاقت کے مطابق بحث کرتا ہے اور مسلمانوں کی اقتصادی اور اجتماعی بربادی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا کر مرکزی بیت المال کے قیام کو اپنی تمام بیماریوں کا علاج سمجھتا ہے۔ پس میرے نزدیک اس عام تڑپ اور احساس کے زمانہ میں وقت آگیا ہے کہ یہ موتمر دنیا کے ہر گوشے اور کونے میں نہایت سختی سے اعلان کردے کہ کسی مسلمان کی زکوٰۃ، زکوٰۃ نہیں، اس کا صدقہ، صدقہ نہیں،

بلکہ خدا کے نزدیک ان کا قطعاً" کچھ اجر نہیں، جب تک وہ زکوۃ اور وہ صدقہ امیر ملک کے بیت المال میں جمع نہ ہو، لیکن اے حضرات! اس مطلب کے حصول کے لئے اشد ضروری ہے کہ عامل صالح العمل، امین، متقی اور صادق القول ہوں۔ مالی معاملات میں خیانت اور قومی روپیہ کا ہضم کرنا وہ بیماریاں ہیں، جو آج کل بالخصوص ہم میں نہایت افسوسناک حد تک جاری ہیں اور خیانت زر کے متعلق جو رنجدہ واقعات بعض ممالک میں ابھی ہوئے ہیں، اس حزم و احتیاط کے خاص کر موید ہیں۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ اس بیت المال کی ہر شاخ ہر اسلامی ملک میں ہو، جو عوام سے زکوۃ اور صدقات وصول کرے۔ ہر شاخ ہر سال ایک مستقل رقم مرکزی بیت المال کو بھیجے اور مرکزی بیت المال کو ہر شاخ کے اموال پر پورا اور ناطق اختیار ہو۔ تفصیلات بعد میں اکٹھے بیٹھ کر طے ہو سکتی ہیں، لیکن میں اس جگہ اس امر کے اعلان کی جرات کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہر اسلامی حکومت کا بادشاہ خواہ وہ آزاد ہو یا مقید اس مد میں ایک معتدبہ رقم جو اس کی شان کے شایاں ہو ہر سال مرکزی بیت المال میں اظہار ارادت کے لئے بھیجا کرے۔ اس کے بغیر نہ اسلامی ممالک میں عملی تعاون ممکن ہو سکتا ہے، نہ اس کے بدون ہماری پہلی تجویزیں کارگر ثابت ہو سکتی ہیں۔ پس اے حضرات! میری تیسری تجویز تاسیس بیت المال کی ہے اور میں آپ کو اس تجویز پر کامل اتفاق کے لئے سب اصحاب کو دعوت دیتا ہوں۔ (سب اصحاب نے اتفاق کیا)

لیکن اے حضرات موتمر! میں اپنے کمال اعتقاد اور حد اعتراف کے ساتھ اس امر پر یقین کرتا ہوں کہ ان تمام تجویزوں پر عملی طور پر کاربند ہونے اور عالم اسلام کے سامنے اتحاد اور اتفاق کا ایک عظیم الشان موثر اور نتیجہ خیز منظر پیدا کرنے کے لئے سب سے زیادہ اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آج اس موتمر کے سامنے صدق قلب سے اور خدا کو حاضر و ناظر یقین کر کے بلا خوف لومتہ لائم علانیہ اس امر کا اقرار کرے کہ وہ مسلمانوں کے کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتا جو اس وقت ہم میں پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ اعلان کرے کہ ہم میں سے نہ کوئی حنبلی ہے نہ شافعی، نہ مالکی ہے نہ حنفی، نہ سنی ہے نہ شیعہ، نہ اہل حدیث ہے نہ اہل قرآن، نہ وہابی ہے نہ صوفی، نہ اس کے ماسوا کچھ ہے، بلکہ ہم سب خدا کے بندے ہیں اور صرف مسلمان ہیں، جیسا کہ خود خدا نے ہمارے متعلق کہا ہے، ہم کسی امام کے مابین کوئی فرق نہیں دیکھتے جیسا کہ

ہم کسی نبیؑ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم تو درحقیقت خدا ہی کے ہیں۔
حضرات کبار! اس بات کے اعلان کرنے میں کوئی بڑی اہم اور اصولی مشکل ہمارے پیش نہیں ہوتی، کیونکہ اگر ہم میں سے کوئی حنفی ہے تو لازم ہے کہ وہ باقی تین اماموں کا اتباع نہ کرے اور جب وہ تین بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کا فقہ میں انکاری ہے، تو چاروں کے اتباع سے انکار کرنا، اپنا نام کسی امام کے نام پر نہ رکھنا اور ان کو برابر سمجھ کر جو شے حسب پسند ہو، لے لینا کوئی بہت بڑا مشکل کام نہیں۔ اسی طرح پر ایک فرقہ بند شخص جب باقی تمام فرقوں کا منکر ہے، جن میں سے ہر ایک سچ ہونے کا دعوے دار ہے، تو اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ مع اپنے فرقے کے سب کا منکر ہو جائے۔
حضرات! ہمارا مسلک اسلام کے متعلق صرف یہ ہونا چاہئے کہ جس قدر علماء اور اولیاء اور اصفیاء اور مشائخ اور امام اسلام میں گزرے ہیں۔ ہم ان سب کی یکساں عزت کرتے ہیں، ان سب کو برابر مانتے ہیں، ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ کسی کو اپنے اعمال و افعال میں بت بناتے ہیں۔ تو اے اسلامی بھائیو! اگر تم سب اس تجویز پر جسم واحد کی طرح متفق ہو گئے، اس کی صدق دل سے تصدیق کی اور اپنے اعمال و اعتقادات میں خدائے واحد اور قہار کے سامنے ایک رنگ ہو کر آ کھڑے ہوئے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تم آج ہی آنکھ کی جھپک میں اس زمین و آسمان کو بدلا ہوا پاؤ گے اور میں یقین کرتا ہوں کہ تم انشاء اللہ العزیز مستقبل قریب میں کامل فتح پاؤ گے۔ پس میں آپ سب کو اور آپ کے صدر محترم کو اس قرارداد کی طرف نہایت عجز وانکسار سے بلاتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ آپ سب کسی ماسوا کے خوف کے بغیر اس حقیقت کا اعلان کریں، جو آپ کے دلوں میں ہے، میرے نزدیک خدا ہی اس کے لائق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم فی الحقیقت ایمان والے ہو: فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین (بہت سے نمائندوں نے اس قرارداد کو تسلیم کیا اور کامل خاموشی طاری ہو گئی۔)

اے حضرات! اب میں اپنی چاروں تجاویز پیش کر چکا اور چاروں کا آپ نے نہایت عمدہ خیر مقدم کیا۔ اس سمع و طاعۃ کے لئے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ امیرالمومنین کے انتخاب کا مسئلہ تاحال اسی طرح ہے۔ تو اے بھائیو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ وقت کسی امیرالمومنین کے انتخاب کا نہیں۔ مجھے یقین ہے

کہ جب آپ کی موتمر ان چاروں قراردادوں پر ایک حد تک عمل پیرا ہو جائے گی اور مسلمان ایک نظم و نسق میں پروئے جانے کے قابل ہو جائیں گے۔ امیرالمومنین کے انتخاب کا مسئلہ خود بخود آسان ہو جائے گا۔ بھائیو! امیر کے انخاب کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ بالکل آزاد ہو' بڑی قوت اور ہیبت کا مالک ہو' اس کا سیاسی نفوذ تمام عالم اسلام پر مطلق ہو' اغیار اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہوں' دشمن اس سے صحیح معنوں میں خائف ہوں' مصیبت میں اسلام کی دستگیری کر سکے' جہاد بالسیف پر کامل دسترس رکھتا ہو۔ الغرض خدائے عزو جل کے قول کے مطابق زادہ اللہ بسطتہ فی العلم والجسم کا صحیح مصداق ہو۔ بھائیو! ایسا جامع الصفات شخص آپ غور بھی کریں گے تو اس وقت اسلام میں باوجود ہماری آرزو کے موجود نہیں' لیکن اگر ہم نے ان چار تجاویز کو' جو میں نے پیش کی ہیں عملی رنگ دینے کی کماحقہ' سعی کی تو مجھے یقین ہے کہ یہ موتمر ہی امیرالمومنین کی صحیح معنوں میں جانشین ایک مدت تک ہو سکتی ہے' بلکہ مجھے یہ کہنے کی جرات ہے کہ اگر بالفرض ہم کو ایسا جامع الاوصاف امیر قریب مستقبل میں مل بھی جائے تو بھی یہ ضروری ہے کہ ہم اس موتمر کی کامل طور پر محافظت کرتے رہیں' تاکہ آئندہ وقت میں یہی موتمر اس امیرالمومنین کی صحیح طور پر مشیر بن سکے۔ حضرات! آپ کو تاریخ میں ضرور یاد ہو گا کہ یہی خلافت عہد عباسیہ میں ساڑھے تین برس تک منقطع رہی۔ یہاں تک کہ مصر میں اس کی تجدید اس وقت ہوئی جبکہ شاہان مصر کی خلافت صرف برائے نام رہ گئی تھی' تو بہرنوع یہ کوئی نئی بات نہیں کہ مسلمانوں میں آج امیر نہیں رہا۔ بھائیو! میرا اعتقاد تو فی الحقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا امیر دراصل وہ خدائے واحد' قہار' حی و قیوم ہے' جس کو کبھی فنا نہیں۔ یا ان کا امیر رسول عربی علیہ الصلوۃ والسلام ہے' جس کی زندۂ جاوید تعلیم کا اثر اب بھی کروڑہا مسلمانوں کے دلوں پر باقی ہے۔ پس امیر کے انتخاب میں میرے خیال میں اس وقت تک درنگ کرنی چاہئے' جب تک کہ امارۃ کی بنیادیں قطعاً" مضبوط نہ ہو جائیں۔ ورنہ بھائیو! یاد رکھو کہ اگر بنیادوں کو کھڑا کرنے سے پہلے چھت ڈالنے کا سامان کرو گے' تو گھر کا منہدم ہو جانا یقینی ہے۔ پس اے حضرات! میں اپنی اس آخری قرارداد کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ بیک آواز اس امر پر اتفاق کریں کہ خلیفہ کا انتخاب کسی آئندہ وقت کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ (سب حاضرین نے

بالاتفاق اس قرارداد کو تسلیم کیا)۔

حضرات! میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں کہ آپ نے اس موتمر میں میری تجاویز کو نہایت سکون اور کمال مہربانی اور غور سے سنا' حتی الامکان ان پر عمل کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی' لیکن اس دعوت اتحاد و عمل میں میرے لئے مناسب ہے کہ میں اپنے مقام اور اپنی پوزیشن کو واضح کردوں اور وہ یہ ہے کہ میں نہ کوئی بڑا شخص ہوں نہ مجھے کسی شے کا زعم ہے نہ علم و حکمت کا مدعی ہوں نہ ہندوستان کی ان پارٹیوں سے میرا تعلق ہے جو آپس میں ابھی تک دھینگا مشتی کر رہی ہیں انہی معنوں میں میں نہ کسی فرقے کی طرف سے مندوب ہوں او رنہ کسی جماعت کا نمائندہ۔ البتہ میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ آج ہندوستان کے معاملہ فہم اور متنور لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد فرقہ بندی سے قطعاً" بیزار ہو چکی ہے اور اسی لئے کسی ایک فرقہ کی طرف مائل نہیں۔ میں اس بات میں ان کی پہلی صف میں ہوں اور اسی نقطہ نظر سے اگر سمجھ لو تو ان کا نمائندہ بھی ہوں۔ مردم شماری کی اطلاعوں سے بھی جو حکومت ہند کو وقتاً" فوقتاً" ملتی ہیں' یہی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ایک تعداد کثیر اس امر کو پسند نہیں کرتی کہ ان کا نام سوائے مسلمان کے کچھ اور لکھا جائے اور یہی بات ان دس ہزار کے قریب خطوط سے جو مجھے اپنی کتاب "تذکرہ" کی اشاعت کے بعد پچھلے دو برس میں مختلف اطراف سے پہنچے ہیں ظاہر ہے' تو بھائیو! ان تمام باتوں سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں آج مسلمانان عالم کے سامنے ایک عظیم الشان مستقبل دیکھ رہا ہوں اور اسی لئے آپ کو کم از کم مدت کے اندر اس مستقبل کو پالینے اور اپنے ارادوں کو مضبوط کر دینے کی دعوت دیتا ہوں۔ میرا ارادہ نہ تھا کہ میں اس موتمر میں کوئی تقریر کروں' بلکہ خیال تھا کہ جو کچھ آپ کریں اس کو غور سے دیکھتا رہوں' لیکن بعض دوستوں اور بھائیوں نے مجھے تقریر پر مجبو رکیا تو بالاخر میں نے دینی اور اجتماعی اصلاح پر کچھ کہنے کی رضامندی ظاہر کی۔ اخیر میں میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مصر کے ان تمام بڑے بڑے سرداروں اور وزیروں اور حکومت کے بڑے کارندوں کا علی الخصوص محترم شیخ الجامع اور ازہر کے تمام ان علمائے کرام کا صدق دل سے شکریہ ادا کروں' جنہوں نے مصر کی سرزمین پر اترتے ہی میرا عظیم الشان اور مخلصانہ استقبال کیا۔ میں خدائے عزوجل سے ان کے اس بے مثال خلوص کا اجر مانگتا ہو اور اب صرف یہ چاہتا ہوں کہ

جو بات میں اخیر میں کہنے والا ہوں، اس پر کمال سکون سے غور و فکر کیا جائے۔

محترم بھائیو! میں اس بات سے غافل نہیں ہوں کہ امتوں کے عروج و زوال کی داستان کا سلسلہ، جو نشاء آفرینش سے اس دنیا کے اندر جاری اور ساری ہے، فی الحقیقتہ فطری تقدمات اور طبعی تاخرات کے تدرج کی اس لازوال اور اٹل داستان کا سلسلہ ہے، جس کے بست و کشاد پر قدرت رکھنا کسی فرد واحد کا کام نہیں۔ انسانی امتیں سعی و عمل کے ایک لامتناہی سلسلے اور شبانہ روز جدوجہد کے ناپیدا کنار سمندر کے طے کرنے کے بعد تدریجاً" ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک چل کر معراج کی کسی منزل پر پہنچتی ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے ہزارہا نفوس کی متحدہ طاقت علم و عمل ایک لامتناہی اور غیر منقطع مدت تک کام کرتی رہتی ہے اور بالاخر جب وہ اوج و رفعت کی اعلیٰ ترین منزل تک پہنچ کر اپنی تمام مشکلات پر غالب آجاتے ہیں، گوہر مطلوب ہاتھ میں آنے اور طلیعہ مقصود ظاہر ہونے لگتا ہے۔ بعینہٖ اسی بنا پر میرا عقیدہ ہے کہ ایک ارتقا یافتہ قوم کے تنزل اور ہبوط کے لئے بھی قانون فطرت کی خلاف ورزی کا ایک ناپیدا کنار سلسلہ ہونا چاہئے۔ اس کے قعرمذلت میں پہنچنے کے لئے بھی ذنوب و عصیان او رقانون خدا سے بغاوت کا ایک غیر منقطع تواتر ضروری ہے۔ ایک متنفس کی انفرادی سعی کسی امت کو معراج کے بام بلند پر فی الفور پہنچانے کے لئے اتنی ہی بے حاصل ہے جتنی کہ ایک فرد واحد کی انفرادی واماندگی اس امت کو فوراً قعر حفیض میں گرانے کے لئے بے اثر ہے۔ اس کی مثال ایک قطرہ اور دریا کی مثال ہے۔ ان کی نسبت ایک ذرہ اور صحرا کی نسبت ہے۔ امتوں کو بام عروج تک پہنچنے کے لئے مدت مدید اسی طرح درکار ہے جس طرح کہ ان کو تنزل کے انتہائی مدارج طے کرنے کے لئے طول و طویل عمریں ضروری ہیں۔ ان مدتوں میں لوگ ظلم وفسق کرتے کرتے گناہوں میں شرابور ہو جاتے ہیں اور بالاخر جب ان کی بداعمالیوں کا کاسہ لبریز ہو جاتا ہے، تو محکمہ قضاؤ قدر سے ان کی ہلاکت کا فرمان خسروی جاری ہو جاتاہے۔جب یہ ہوتا ہے، تو ان کی حالت فاذا جاء اجلهم لا یستا خرون ساعته ولا یستقد مون ○ کے مصداق ہو جاتی ہے۔

حضرات! یہ وہ قانون خدا ہے، جو تمام روئے زمین پر جاری اور ساری ہے، لیکن دریا خواہ کس قدر لمبا اور چوڑا ہو یا اس کا طول و عرض کس قدر ناپیدا کنار ہو جائے

دریا کا قوام بہرنوع ایک قطرہ ہی ہے اور صحرا خواہ کس قدر بیکران اور بے پایان ہو اس کے وجود کی بنیادی اصل ایک ذرہ ہی ہے۔ اس بنا پر بھائیو! میں ذرے اور قطرے کو حقارت سے ہرگز نہیں دیکھتا۔ مجھے یہ کہنے کی مجال نہیں کہ دریا اور صحرا کی تعمیر میں قطرے اور ذرے کی کچھ شرکت نہیں۔ مجھے یہ دعویٰ کرنے کی طاقت نہیں کہ قطرہ اور ذرہ محض لاشئے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ ان دونوں کا ایک مستقل بے مثال اور مفرد وجود ہے جو دریا یا صحرا میں مل جانے سے ہرگز فنا نہیں ہوتا۔ یہ دو عظیم الشان ہستیاں دو جزء لا یتجزے ہستیاں ہیں، جن کے بعد تقسیم محال ہے۔ نہیں بلکہ وہ دونوں دریا اور صحرا کے بے پایاں وجود کا وہ باعث اول ہیں، جن کے بغیر دریا اور صحرا کا وجود ممکن نہیں۔ اسی بنا پر میرا یقین ہے کہ امتیں جس وقت عروج اور صعود کے لئے آمادہ ہوتی ہیں تو پہلا ہیجان، جو ان کے اندر سے اٹھتا ہے صرف افراد میں ہوا کرتا ہے۔ پہلا قدم جو ترقی کی طرف اٹھتا ہے افراد ہی اٹھایا کرتے ہیں۔ پہلی صدا جو ان کو نیند سے جگاتی ہے، صرف ایک فرد واحد کی صدا ہوا کرتی ہے۔ اسی کی دھیمی اور باریک آواز مردوں کو جگانے میں صور اسرافیل کا کام دیتی ہے اور اخلاق و اعمال کے دائرہ میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیتی ہے۔ بھائیو! وہ عرب کے ایک یتیم، بیکس اور بے یارو آشنا شخص ؐ کی آواز ہی تھی، جو بجلی کی طرح اطراف عالم میں کوند گئی اور جس نے زمین کو ایک کونے سے دوسرے کونے تک بنیادوں تک ہلا دیا۔ وہ ایک غلامی میں پلے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کی صدا ہی تھی جس نے محکوم بنی اسرائیل کو چند برسوں کے اندر اندر پا بر کاب کر دیا۔ تم کہو گے کہ وہ لوگ انبیاؑ تھے، ان کے اندر خدائی آواز بول رہی تھی، وہ مامور من اللہ تھے، وہ فرستادۂ خدا تھے۔ یہ درست ہے، مگر وہ سب فرد واحد ہی تھے، انسان ہی تھے، بحر ہستی میں ایک قطرہ ہی تھے، صحرائے کون و مکان کے ایک ذرہ ہی تھے۔ پس اے دینی بھائیو! اقوام کی ترقی اور تنزل کے صحیح کارندے صرف افراد ہی ہیں۔ اسی بنا پر میں آپ سے کہتا ہوں کہ فرداً فرداً سعی و عمل کے لئے تیار ہو جاؤ، اپنے ذاتی عمل سے ایک لازوال حرکت پیدا کر دو، اس بات پر اڑ کر منجمد نہ ہو جاؤ کہ ہم تبدیلی کرنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتے، جب تک خدا ہمارے لئے حالات کو خود نہ بدلے۔ جان لو کہ خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم آپ اپنی حالت کو نہ بدلے اور قانون خدا سے ڈر کر سعی و عمل کرنے والوں ہی کا سچا دوست خدا ہے۔ اب آخر

میں میں ان اشعار پر اس کلام کو ختم کرتا ہوں، جو میں نے جہاز میں مسلمانوں کی حالت پر حسرت زدہ ہو کر جلد جلد لکھے عربی اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

ترجمہ

(۱) مسلمانوں نے آج بادشاہت کو مسترد کر کے ذلت اور مسکنت کی وہ زندگی اختیار کر لی ہے، جو پستی کی طرف لے جا رہی ہے۔۱۲ (۲) انہوں نے زندگی کے بعد موت کو پسند کرلیا ہے اور اعلیٰ چیز کے بدلے ادنیٰ شے لے لی ہے۔۱۲ (۳) ان کی قسمت کا ستارہ زوال پذیر ہو چکا ہے اور اب کوئی شخص ان کے نور سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔۱۲ (۴) اس کا انجام یہ ہوگا کہ ان کے گھر کسی ایسے غاصب اور دہشتناک بادشاہ کے قبضہ میں ہوں گے، جس کے قہر کی کوئی مدافعت نہیں۔۱۲ (۵) اور فرشتوں کو تو ان کے حبل ورید کے گرد دیکھے گا کہ ان کی شاہ رگ کو یوں پکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے خلاصی نہیں۔۱۲ (۶) مسلمانوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو محکمہ قضا وقدر سے فیصلہ ہوا کہ اس نابکار قوم کی جڑ صبح تک کاٹ کر رکھ دی جائے۔۱۲ (۷) اے مسلمانو! تمہارا برا ہو کہ تم ایسے راستے پر چلے جس پر گھاٹا ہی گھاٹا تھا۔۱۲ (۸) بہادروں نے تمہیں میدان سے بھگا دیا تو بے وقوفو! کیا تم نہیں جانتے تھے کہ یہ زمین یا تو کھیتی ہے یا اکھاڑا۔۱۲ (۹) اسلام کے بیٹو! تم پر حیف ہے، کیونکہ تمہاری خود کشی کی داستان نہایت شرمناک ہے۔۱۲ (۱۰) تمہارے آپس کے نزاع سے تمہاری ہوا اکھڑ گئی اور اگر منع نہ ہوئے تو جو باقی ہے وہ بھی اکھڑ جائے گی۔۱۲ (۱۱) تم زمانہ میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تو کیا کوئی علاج ایسا ہے کہ پھر اکٹھے ہو جاؤ۔۱۲ (۱۲) تم نے اپنی دنیا گم کردی۔ پھر زندگی تم سے ایسی گم ہوئی کہ واپس نہیں آسکتی۔۱۲ (۱۳) تم نے خدا کے حکموں کو پس پشت ڈال دیا۔ تو پھر خدا تمہاری تذلیل کے لئے ایسی قوم لے آیا جس کو کچھ نہیں کر سکتے۔۱۲ (۱۴) اے دین محمدؐ کی قوم! تم پر افسوس ہے کہ تم نے دین سے وہ مخول کیا جو کوئی نہیں کرتا۔۱۲ (۱۵) تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ اب بادل بھی زار قطار رو رہا ہے۔۱۲ (۱۶) تو اے دین محمدؐ کی قوم! کچھ دیر خدا کی دردناک مار کا انتظار کرو اور اگر یہ نہیں کرتے تو توبہ کرو اور پھر توبہ کرو۔۱۲

رقمزدہ ۱۰/ مئی ۱۹۲۶ء عنایت اللہ خان المشرقی"

یہ نظم (بزبان عربی) آپ نے ۱۹۲۶ء میں دوران سفر جہاز میں اس وقت لکھی جب آپ موتمر خلافت مصر میں بطور مندوب ہند تشریف لے جا رہے تھے۔ اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ اکیس برس پہلے کہی ہوئی بات بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کے متعلق ۱۹۴۷ء میں اور اس کے بعد آج تک کس قدر لفظ بلفظ درست ثابت ہوئی۔ اشعار کی صورت میں یہ اعلان انہوں نے ۱۳/ مئی ۱۹۲۶ء کو فرمایا تھا۔ اگر "خطاب مصر" پر چھاپہ شدہ تاریخ کو غور سے دیکھیں تو ہمیں ایک حیرت انگیز مخفی رازان اشعار میں ملتا ہے یعنی ہر شعر کے بعد بارہ (۱۲) کا عدد صاف صاف لکھا ہے جس پر انتہائی غور و فکر کے بعد بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس (۱۲) کے عدد کا مطلب کیا ہے؟

ہمارے خیال میں یہ عدد مغرب والوں کے اس آخری انجام کی تاریخ کی ابتداء کی طرف اشارہ ہے جب مغرب میں دوسری عالمگیر جنگ رونما ہوئی ہو گی اور اسی کے طفیل تمام مشرق سے مغربیوں کا جناہ نکل گیا تھا۔ گویا ۱۳/ مئی ۱۹۲۶ + ۱۲ = ۱۳/ مئی ۱۹۳۸ء کے بعد مغربیوں کے زوال کی تاریخ خدا کے فرشتوں نے لکھنا شروع کر دی تھی اور بظاہر ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ انہی تاریخوں میں انگلستان کا وزیراعظم جرمنی گیا اور وہاں حیرت انگیز سامان جنگ کا ملاحظہ کرنے کے بعد وہ ہٹلر کی تیاری سے ایسا خوفزدہ ہوا کہ واپس پہنچتے ہی اس نے مستعفی ہونے کی تمنا ظاہر کر دی اور ستمبر ۱۹۳۹ء میں جنگ چھڑ گئی۔

بہر حال اگر حضرت علامہ مشرقی" آج ہم میں موجود ہوتے تو ہم ان سے اس معمہ کے متعلق ضرور پوچھتے۔ اب یہ معمہ صحیح طور پر خدا ہی کو معلوم ہے کہ یہ (۱۲) کا عدد ہر شعر کے بعد کیوں لکھا ہے؟ بہرکیف! علامہ المشرقی" کے فصیح و بلیغ خطبہ کو سن کر شیخ الازہر نے برملا اعلان کیا کہ ایسی لاجواب عربی میں خطبہ میں نے پہلے کبھی نہیں سنا۔

نمائندگان ملت کا کردار

موتمر خلافت مصر کے زیر اہتمام جامعہ ازہر کا شاہی ہال نمائندگان ملت کے دھواں دھار خطابات سے گونجتا رہا۔ سب نے مسئلہ خلافت کی وضاحت میں علم کے دریا بہائے لیکن علم و حکمت کے ان موتیوں میں مایوس قوم کا گوہر مقصود قطعاً موجود نہ تھا۔ کوئی ٹھوس اور نتیجہ خیز تجویز ان پانچ دنوں میں موتمر کے سامنے نہ آئی۔ خوبصورت الفاظ

کے جام و سبو تھے جو گردش میں آ کر سب کو بے خود بنا رہے تھے۔ قوم کی موت کا مرثیہ تھا جو سریلے انداز میں پڑھا جا رہا تھا اور سب جھوم جھوم کر واہ واہ کر رہے تھے۔ جبہ و دستار میں لپٹے ہوئے یہ نمائشی گلدستے قوم کی اس موت میں لمبی لمبی تقریریں جھاڑ رہے تھے۔ انہیں اس بات کی شرم نہ تھی کہ قوم کی کشتی بھنور میں ہے اسے نکالنے کے لئے مرثیہ خوانی کا بے سرا راگ شایان شان ہرگز نہ تھا۔

فرنگی کا جذبہ انتقام

حضرت علامہ المشرقی" کے پر مغز اور انقلاب انگیز خطاب نے فرنگی سامراج کو لرزہ براندام کر دیا کیونکہ محکوم خدیو مصر کو خلیفہ بنا کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے زیر نگین رکھنے کی سازش اپنی موت آپ مر چکی تھی اور دنیائے اسلام پر سے اس خطرۂ عظیم کے مہیب بادل چھٹ گئے تھے انگریز حکمران بہت چراغ پا ہوئے۔ انہوں نے علامہ مشرقیؒ کو اس حق گوئی اور اسلام دوستی کا مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ حکومت برطانیہ نے آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے کہ مصر سے واپسی پر بمبئی کی بندرگاہ پر اترتے ہی گرفتار کر لیا جائے لیکن اس مرد خدا نے اپنے مستقبل کے پروگرام کے پیش نظر یورپ اور دوسرے ممالک کی سیاحت کو ضروری سمجھا اور مصر سے سیدھے ادھر چلے گئے۔ جب آپ چار ماہ کے بعد واپس ہندوستان تشریف لائے تو وارنٹ کی معیاد گزر چکی تھی اور آپ نے پورے انہماک کے ساتھ اپنے نئے عزم سفر پر غور و خوض شروع کر دیا۔

جامعہ ازہر میں تذکرہ پر خطابات

مصر میں دو ماہ قیام کے دوران آپ نے جامعہ ازہر کے پروفیسروں کی درخواست پر انہیں تذکرہ کی تعلیم پر سیر حاصل لیکچرز دیئے۔ اس پر انہیں جامعہ ازہر کی طرف سے " علامہ" کا خطاب دیا گیا۔

موتمر خلافت قاہرہ میں شیخ امام السنوسی کا تاریخی کردار!

یہ غالباً ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے۔ نماز مغرب کے بعد حضرت علامہ المشرقی" کے دولت

کدہ واقع اچھرہ کے باہر صحن میں احباب کی ایک مجلس آراستہ تھی اور علامہ صاحب بہ نفیس نفیس ان احباب میں میر مجلس کی حیثیت سے رونق افروز تھے۔ اس روز لیبیا کے سابق شاہ ادریس سنوسی کی تخت نشینی کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ ایک صاحب نے امیر طرابلس امام شیخ السنوسی مرحوم کے اس فرزند ارجمند کا ذکر چھیڑا تو ہمیں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ تھا کہ شاہ ادریس سنوسی کے والد مرحوم امام شیخ السنوسی نے، جو اپنے دور کے شہرہ آفاق مجاہد اعظم اور زعیم ملت بھی تھے۔ "تذکرہ" کی اشاعت پر بذریعہ خط پر زور الفاظ میں علامہ صاحب کو خراج تحسین پیش کیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ "جس طرح آپ نے اسلام کو سمجھا اسے باقی مسلمانوں کو بھی سمجھاؤ اور "تذکرہ" کی بقیہ نو جلدیں جلد شائع کرو، ورنہ قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا دامن"۔

علامہ صاحب عام مجلسوں میں تو درکنار، نجی محفلوں میں بھی اپنے ہم عصر مشاہیر عالم سے ذاتی تعلقات کا ذکر شاذو نادر ہی چھیڑا کرتے تھے لیکن اس روز وہ شاید کچھ موڈ میں تھے کہ دلستاں کھل گیا اور امام شیخ السنوسی مرحوم اور ان کے فرزند ارجمند سے ملاقات کا ایک ایسا تاریخی واقعہ سامنے آیا جس نے سچ پوچھو تو عالم اسلام کی تاریخ میں ایک بے مثال انقلابی کردار ادا کیا۔ اس واقعہ کا تعلق ۱۹۲۶ء کی موتمر خلافت قاہرہ کے ایام سے ہے۔ اس کانفرنس میں جو احیائے خلافت کے نام سے حکومت مصر کے ایماء پر شیخ الازہر نے دارالسلطنت قاہرہ میں طلب کی تھی۔ علامہ المشرقی "بھی اسلامی ہند کی نمائندگی کے لئے مدعو کئے گئے تھے اور ان کے علاوہ عالم اسلام کے ہر گوشے سے نمائندگان کی بہت بڑی تعداد شریک موتمر تھی۔ اس صورت حال کے پس منظر میں ربع صدی قبل کی یادیں تازہ کرتے ہوئے علامہ صاحب نے جو تفصیل بیان کی ان کے اپنے الفاظ میں سنئے۔

"خلافت کانفرنس" کے دوران میں قاہرہ کے "کنتنتال ہوٹل" کی آخری منزل میں قیام پذیر تھا۔ کانفرنس کے اجلاس جاری تھے اور میں مندوبین کی لچھے دار لیکن بے مغز تقریروں سے بیزار ہو کر موتمر سے خطاب کرنے کا ارادہ ترک کر چکا تھا۔ اس سلسلے میں ایک شام مصر کے چند نمائندین مجھے خطاب کے لئے مائل کرنے تشریف لائے تھے۔ ان سے گفتگو جاری تھی کہ ہوٹل میں اچانک ایک ہل چل سی نمودار ہوئی اور ہوٹل کے دو ذمہ دار

ملازم بھاگم بھاگ اوپر پہنچ کر مجھ سے گویا ہوئے۔ "سیدی! امام السنوسی آپ سے ملنے تشریف لائے ہیں اور اوپر آرہے ہیں"۔
طرابلس کے امیر اور مجاہد اعظم کی عمر اسی وقت ایک سو پچیس سال سے بھی متجاوز تھی۔ اس پیرانہ سالی میں وہ آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو چکے تھے لہذا ہمارے لئے یہ تصور کرنا بھی مشکل تھا کہ وہ چار منزلیں طے کر کے ہم تک پہنچنے کی ہمت کریں گے۔ یہ کچھ سنتے ہی ہم بدحواس سے ہوگئے اور سیڑھیوں کا رخ کرتے ہوئے جلدی سے نیچے اترنے لگے۔ ہم نے کم و بیش نصف سیڑھیاں طے کی تھیں کہ عالم اسلام کے بزرگ ترین زعیم کو سیڑھیاں چڑھتے سامنے پایا۔ ان کے فرزند ادریس سنوسی ان کا ایک بازو تھامے ہوئے تھے اور دوسری جانب ایک اور شخص انہیں سہارا دیئے اوپر لا رہا تھا"۔
"میں ان کے پاس پہنچ کر رکا تو انہیں اس سے آگاہ کیا گیا۔ اور میرا نام سنتے ہی انہوں نے فرط شفقت سے گلے لگا لیا۔ میں نے کہا "حضرت! آپ نے اس قدر تکلیف فرمائی۔ مجھے حکم بھیج دیا ہوتا تو میں خود بخود حاضر خدمت ہو جاتا"۔ لیکن امام السنوسی کا جواب تھا کہ "نہیں! میرے لئے صاحب تذکرہ کے پاس خود پہنچنا ضروری تھا"۔
پھر وہ سیڑھیاں طے کرتے اوپر پہنچے اور خلیہ کی خواہش کی۔ اس کے بعد وہ ایک بند کمرے میں میرے ساتھ بیٹھ گئے، صرف ادریس ان کے ساتھ کمرے میں موجود رہے۔ بند کمرے کی اس خاموش سی فضاء میں شمالی افریقہ کے اس مجاہد اعظم نے ایک بہت بڑے راز سے نقاب الٹنا شروع کیا۔ وہ کہہ رہے تھے "خلافت کانفرنس عالم اسلام کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ یہ وہ ڈھونگ ہے جو افرنگی سرکار نے اپنے پٹھو خدیو مصر کو مسلمانوں کا خلیفہ بنانے کے لئے رچایا ہے۔ اس موتمر کے اکثر و بیشتر نمائندے اس مقصد کے لئے خریدے جا چکے ہیں۔ بہت سے ایسے خود ساختہ لوگوں کو موتمر میں شریک کیا گیا ہے جو کسی کے نمائندے نہیں بلکہ افرنگی سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے سوا اور کچھ نہیں جانتے اور اس موتمر کا انجام اس

کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ افرنگیوں کا ایک پٹھو کثرت رائے سے خلیفتہ المسلمین بن جائے گا اور اس کٹھ پتلی خلیفہ کی اپنی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھ میں ہوگی"۔

یہ کہتے ہوئے امام نے گہرا سانس لیا اور پھر گویا ہوئے۔ "میں جانتا ہوں کہ اس سازش کو ناکام بنانا میرے بس کی بات نہیں۔ لیکن جب موتمر کے مندوبین میں آپ کا نام سامنے آیا تو مایوسی کے اندھیرے میں امید کی ایک کرن سی ابھرتی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے آپ کے "تذکرہ" میں جو کچھ پڑھا تھا وہ اس یقین و اعتماد کے لئے کافی تھا کہ اس قیامت میں جو عالم اسلام پر ٹوٹنے والی ہے آپ ملت اسلامیہ کے کام آسکتے ہیں اس لئے میں اس بوڑھی عمر میں اسی قدر طویل سفر طے کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کو اس موقع پر کیا کردار ادا کرنا چاہئے لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کی مومنانہ فراست ہماری ملت کو اس خطرناک سازش سے بچا سکے گی، جس کا تانا بانا اس کے سامراجی دشمنوں نے تیار کیا ہے"۔

یہ کہتے ہوئے شیخ السنوسی نے اپنے بیٹے ادریس سے میرا تعارف کرایا اور فرمایا کہ "وہ زندگی کے آخری دن پورے کر رہے ہیں لیکن وہ اپنے بیٹے سے یہ امید کریں گے کہ عالم اسلام کی آئندہ آزمائشوں میں وہ میرا ہر ممکن ساتھ دے"۔

"امام السنوسی اپنی زندگی کا آخری فریضہ ادا کر کے رخصت ہوگئے لیکن مجھے ہیجان و اضطراب کے ایک ایسے طوفان کے سپرد کر گئے جو زندگی کا سکون و اطمینان زیر و زبر کر ڈالتا ہے۔ مجھے ایسی ہولناک سازش کا سامنا کرنا تھا جو دنیا کی سب سے بڑی سلطنت نے تیار کر لی تھی اور مصر کے بادشاہ اور خدیو عالم اسلام کو اس کے چنگل میں جکڑنے کے لئے تمام ذرائع و وسائل کام میں لائے ہوئے تھے۔ میں رات گئے تک اس دام فریب کو توڑ ڈالنے کے پیچ و تاب میں مبتلا رہا۔ کئی تجاویز ذہن میں آئیں اور بالاخر میں نے اگلے روز موتمر سے خطاب کرنے اور دشمنان اسلام کے کئے کرائے پر پانی پھیرنے کا عزم کر لیا۔ مبینہ پس منظر کی روشنی میں میں نیا خطاب تیار کرنے

بیٹھ گیا۔ رات بھر میرا دماغ اور ہم برابر کام کرتے رہے اور صبح سویرے جب مشرق سے آفتاب ابھرا تو میں اس کا آخری حصہ مکمل کر رہا تھا۔ اسی سہ پہر کو موتمر خلافت قاہرہ میں مجھے بر سر خطاب آنے کی دعوت دی گئی اور جب میں نے یہ معرکۃ الاراء خطاب ختم کیا تو پوری موتمر کا رخ بدل چکا تھا اور مصر کے پاشا یہ محسوس کر رہے تھے کہ جو کھیر انہوں نے بڑی محنت سے تیار کی تھی وہ دلیا ہو کر رہ گئی ہے۔ میں نے ایوان کی وسعتوں پر بھرپور فاتحانہ نگاہ ڈالی۔ تیر نشانے پر بیٹھا تھا اور خدیو مصر کو خلیفہ اسلام بنانے کا منصوبہ ناکامی سے دوچار تھا۔ یہی خطاب بعدازاں "خطاب مصر" کے نام سے مشہور ہوا اور عرب ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں بار بار شائع ہوا"۔

علامہ صاحب یہ واقعہ سنا چکے تو ہم نے ان سے پوچھا کہ خطاب مصر کے دیباچے میں تو بتایا گیا ہے کہ یہ خطاب بحری سفر کے دوران مرتب ہوا تھا۔ علامہ صاحب مسکرائے اور جواباً بتایا کہ "تقاضائے مصلحت یہی تھا کہ اصل حقیقت پردۂ راز میں رہے۔ میں نے اپنا پہلا خطاب ضائع کر دیا اور ظاہر یہی کیا تھا کہ یہ تازہ خطاب پہلے سے تیار شدہ ہے"۔

عنایت اللہ خاں یورپ کے دورے پر:

موتمر سے فارغ ہو کر آپ بذریعہ جہاز عازم یورپ ہو گئے۔ اگلے دن انہیں معلوم ہوا کہ امیر فیصل بھی اسی جہاز میں سفر کر رہے ہیں۔ آپ ان سے ملاقات کے سوال پر غور کر رہے تھے کہ امیر فیصل کا ایک ملازم یہ پیغام لے کر آگیا کہ امیر کی خواہش ہے کہ آج شام کی چائے ان کے ساتھ پئیں وہ بعض امور پر آپ سے تبادلہ خیالات کرنے کے بھی خواہش مند ہیں۔ آپ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد یہ دعوت قبول کر لی۔

اسی روز شام کے وقت امیر فیصل اپنے خاص کیبن میں صاحب تذکرہ کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ بات چیت موتمر خلافت تک پہنچی تو امیر نے کہا کہ میں نے اخبارات میں آپ کا تاریخی خطبہ پڑھا ہے لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے مسلمانوں سے کہیں زیادہ اس خطبے نے اسلام کے دشمنوں اور شاطران یورپ کو متاثر کیا ہے کیونکہ آپ نے اس موتمر میں جو تجاویز پیش کی ہیں وہ اس قدر ٹھوس اور نتیجہ خیز ہیں

کہ انہیں بروئے کار لانا ان کی ہوس اقتدار کا گلہ گھونٹنے کے مترادف ہے۔ علامہ صاحب نے امیر کی طرف حیرت سے دیکھا اور کہا کہ میں نے اپنے پورے خطبے میں اہل یورپ کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی تعلق ان سے ہے۔ امیر فیصل نے بتایا کہ اس جہاز میں سوڈان کے ریذیڈنٹ جنرل ہملٹن سفر کر رہے ہیں انہوں نے آج ہی صبح کہا تھا کہ اس جہاز میں ایک خطرناک مسلمان سفر کر رہا ہے۔ علامہ مشرقی کو ہملٹن کے نام پر وہ زمانہ یاد آگیا جب وہ صوبہ سرحد کے گورنر تھے۔ انہوں نے امیر کو اس سے اپنی پرانی چپقلش اور لڑائیوں کی تفصیل بیان کر دی۔ امیر فیصل نے کہا کہ شاید اسی لئے وہ آپ سے ملتے ہوئے ڈرتا ہے۔ آپ نے امیر فیصل کو اس امر پر آمادہ کرلیا کہ وہ عالم اسلام کے بہترین مستقبل کے پیش نظر مصطفیٰ کمال پاشا، سلطان ابن سعود اور دوسرے مسلمان بادشاہوں کے ساتھ مرکزی بیت المال کے قیام کے سلسلے میں خط و کتابت کریں۔ کیا عجب ہے کہ آپ کے ذریعے یہ تجویز زیادہ کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔

اسی سلسلے میں آپ کی ملاقات شاہ مراکش اور شاہ تیونس سے پیرس میں ہوئی۔ انہوں نے بھی اس سلسلے میں وعدے کئے لیکن یوں معلوم دے رہا تھا کہ عالم اسلام خواب خرگوش میں مست ہے اور وہ بھول چکا ہے کہ وہ کونسا راستہ تھا جس پر چل کر ان کے آباؤ اجداد نے دنیا کو زیر نگیں کرلیا تھا اور پرچم اسلام کے پھریرے ایک مدت تک دنیا میں امن و آشتی اور خوشحالی و فارغ البالی کا پیغام دیتے رہے۔

جرمنی میں آئن سٹائن اور ہٹلر سے ملاقاتیں:

جرمنی کی حالت کا نقشہ علامہ المشرقی ؒ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

۱۹۱۴ء کے جنگ عظیم کے بعد جرمنی کو شکست ہوئی۔ قیصر ولیم کی ہولناک عسکریت جو پچھلے پچیس سال کی مادی کوششوں کا عظیم الشان نتیجہ تھی صرف چار سال کی جنگ سے یکسر فنا ہوگئی۔ قوم کے افراد میں کسی عنوان سے اس کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ۱۹۱۸ء کے ماہ نومبر میں جرمن قوم نے قیصر کو تخت سے اترنے پر مجبور کر دیا۔ ہوہن زولرن کا مغرور خاندان جس سے تمام یورپ لرزہ براندام تھا چشم زدن میں تہ خاک تھا۔ وہ قوم جس نے چار سال پہلے تمام دنیا کو دعوت جنگ دی تھی، جس کا ادعا یہ

تھا کہ سب سلطنتیں آئیں اور مل کر اس کی بے پناہ عسکریت سے مقابلہ کر دیکھیں، آنا" فانا" نہ صرف اس عسکریت کے بانی سے بگڑ بیٹھی بلکہ عسکریت ملوکیت اور شہنشاہی کے تمام نظام سے بگڑ گئی! ۱۹۲۶ء میں یعنی لڑائی کے ختم ہونے کے آٹھ سال بعد میں جرمنی میں تھا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ برلن، برسلا، منچن، لائپزنگ، اور تمام بڑے بڑے شہروں میں ایک ایک گھر قیصر، قیصریت اور شخصی حکومت کے خلاف ہے، عسکریت اور جندیت کی بجائے ہر جگہ امن اور صلح، ذلیل اور شکست خوردہ ہو کر رہنے کا چرچا تھا۔ جرمن لوگ اس قدر بے حمیت اور بے غیرت ہو گئے تھے کہ اپنی شکست کا ذکر فخر و ادعا سے کرتے، قیصر کے وجود کو دنیا کی بڑی لعنت شمار کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۱۱ء میں جبکہ میں انگلستان میں تھا ہمارے دارالاقامت میں ایک نوجوان جرمن لیڈی انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مقیم ہوئیں۔ ہم جب کھانے پر اکٹھے ہوتے اس سے قیصر کے متعلق پوچھتے اور اکثر قیصر کو برا کہہ کر اس کو تنگ کرتے۔ ایک دن میرے ایک ہم جماعت کی زبان سے قیصر کے متعلق کچھ نازیبا فقرے تمسخر میں نکل گئے۔ وہ جرمن لیڈی جس کے چہرے پر ہماری باتوں کو سن کر ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا تھا اس دفعہ زار و قطار رونے لگیں، ہم ہنستے ہنستے دم بخود ہو گئے۔ وہ بیگم اتنی دیر تک روئیں کہ بالاخر ہمیں اپنی غلطی کا شرمندہ کن احساس ہوا اور ہم نے توبہ کی کہ انہیں قیصر کے متعلق کچھ نہ کہیں گے۔ ۱۹۱۲ء میں جرمن قوم کی یہ حالت تھی لیکن ۱۹۲۶ء میں تمام کائنات بدل گئی۔

مجھے ایک نہایت مقتدر لیڈی نے جو جرمنی میں میرے استقبال کے لئے مقرر تھیں وہاں پہنچتے ہی کہا کہ "تذکرہ" میں قوموں کی زندگی کا قانون "جہاد بالسیف" لکھا ہے اور تم ایسے ملک میں آئے ہو جہاں جہاد کو دنیا کی سب سے بڑی لعنت سمجھتے ہیں اس لئے میں مناسب سمجھتی ہوں کہ تمہاری ملاقات سب سے پہلے ان مشہور پروفیسروں سے کراؤں جنھوں نے پچھلے کئی سالوں سے "صلح و امن" کا راگ الاپ کر جرمنی کو ذلت اور شکست کا جنہم بنا دیا ہے! بڑا مزہ یہ تھا کہ جرمنی کا صدر اس وقت دنیا کا سب سے بڑا سپاہی ہنڈن برگ تھا اور یہ لیڈی صاحبہ اس کی قریبی عزیز بلکہ تمام جرمنی میں صاحب رسوخ تھیں۔ میں نے اس کے قول کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اگر جرمنی اس ذلت میں گرفتار ہے تو جرمنی کا سردار کیوں سپاہی ہے! اس اعتراض کا خاطر خواہ جواب

مجھے نہ ملا۔ مگر چند روز کے اندر یہ ثابت ہوگیا کہ لیڈی صاحبہ کا قول درست ہے! میں چاہتا تھا کہ "تذکرہ" کی تعلیم کو جرمن قوم کے سامنے پیش کروں اور جرمنی کے بڑے بڑے پروفیسر مجھے خوف دلاتے تھے کہ یہ ماحول درست نہیں، تمہاری آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوگی اور کیا عجب کہ جرمن قوم تمہیں تقریر کی سٹیج پر "ہوٹ" کریں اور رسوا کر کے اتار دیں!

پروفیسر آئن سٹائن سے ملاقات:

مشہور پروفیسر آئن سٹائن سے اس کے گھر میں آپ کی ملاقات کامل ڈیڑھ گھنٹہ تک خلاف امید رہی۔ آئن سٹائن تذکرہ کی تعلیم سے کافی متاثر تھا لیکن جنگ عظیم اول میں جرمنی کو جو شکست فاش ہوئی اس کا رد عمل جہاں جرمن عوام کے ذہنوں پر کافی یاس انگیز تھا وہاں دنیا کا یہ سب سے بڑا سائنس دان بھی کم متاثر نہ تھا۔ رات کے کھانے کے بعد علامہ المشرقی" نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے سوال کیا کہ کیا جرمن قوم میں کوئی ایسا عنصر موجود ہے جو گذشتہ جنگ عظیم کی شکست کا انتقام لینے کی تڑپ رکھتا ہو؟ آئین سٹائن نے جواباً کہا کہ جرمن جنگ سے نفرت کرتے ہیں اور وہ ہر ایسے شخص کو جو جنگ کا نام لیتا ہے اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ جرمنی کے فوجی رہنما فیلڈ مارشل ہنڈن برگ میں بھی یہ جرات نہیں کہ وہ جرمنی کو جنگ کی ترغیب دے سکے۔ اس کے جواب میں آپ نے جو دلائل دیئے لیڈی آئن سٹائن بھی علامہ مشرقی" کی حمایت میں ہوگئی وہ بار بار اپنے خاوند سے کہتی رہی کہ عنایت اللہ خان کی دلیل قابل لحاظ ہے تم اس پر غور کرو۔ اس نے علامہ مشرقی" سے کہا کہ ہمارے معزز مہمان! آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔ آپ کے دلائل نے میرا پہلا نظریہ بدل دیا ہے اور آج پہلی دفعہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ واقعی ہماری امن پسندی ہمیں مزید تباہ کردے گی۔ اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ وہ ان دلائل پر غور کرے۔

ہر ہٹلر سے ملاقات:

انہی ایام میں مشہور پروفیسر وائل سے ملاقات کے سلسلے میں ہر ہٹلر سے بھی آپکی ملاقات ہوئی۔ پروفیسر نے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ "یہ بھی بڑے حضرت ہیں! جرمنی

کی مزدور جماعت کے ایک بڑے کارکن ہیں"۔ علامہ المشرقیؒ نے مصافحہ کیا اور ہٹلر نے کہا کہ میں نے آپ کی تصنیف "تذکرہ" (جو اس وقت میز پر رکھی تھی) مطالعہ کی ہے اور میں نے وہ خطبہ بھی پڑھا ہے جو آپ نے مصر کی کانفرنس میں دیا ہے۔ آپ نے ہٹلر سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اسلامی دنیا کی سیاسیات سے کافی دلچسپی ہے۔ آپ نے پہلی ملاقات میں ہی ہر ہٹلر کو اپنے خیالات اور پروگرام سے متفق کر لیا اور دو دن بعد برلن کے سب سے بڑے پبلک ہال میں جرمن قوم ایک ہندوستانی پروفیسر اور شہرہ آفاق سکالر کا حیات انگیز پیغام سننے کے لئے جمع تھی۔ یہ جرمنی میں بیداری کا پہلا بگل تھا جسے جرمن قوم نے نہایت توجہ اور انہماک سے سنا۔ مایوسی کا جادو ٹوٹ گیا۔ آپ نے کئی اور اجتماعات سے خطاب کیا۔ ایک جگہ ایک سوال ہوا جس کا آپ نے نہایت تسلی بخش جواب دیا اور ایک اخبار نے ازراہ تمسخر لکھا کہ "غلام ملک کا ایک پروفیسر ہزاروں میل دور سے جرمن قوم کو بادشاہت اور عسکریت کی تعلیم دینے آیا ہے۔ جرمنوں کے لئے کھلا موقع ہے کہ وہ اس کے قیمتی دلائل پر غور کریں اور جو پیغام وہ ہمارے لئے لایا ہے اس کی اہمیت کو سمجھیں۔"

عنایت اللہ خان نے جرمنی کی سرزمین پر بیداری کا پہلا بگل بجایا اور جرمن قوم کو گہری نیند سے بیدار کر دیا۔ مردہ جسموں میں ایک نئی حرارت پیدا ہو گئی اور اس بدلتی ہوئی فضا میں ہر ہٹلر نے آپ کی تقاریر اور تذکرہ کی تعلیمات کی روشنی میں نازی تحریک کی تنظیم کا کام شروع کر دیا۔

ہندوستان میں واپسی!

آپ ۱۹۲۶ء کے آخر میں ہندوستان واپس لوٹ آئے اور جنوری ۱۹۲۷ء میں پشاور میں اپنی ڈیوٹی سنبھال لی۔ آپ نے "تذکرہ" کی باقی جلدوں کی اشاعت فی الفور منسوخ کر دی اور "تذکرہ" کے قرآنی پروگرام کو عملی صورت دینے کا فیصلہ کر لیا۔ مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور اقتصادی بدحالی عروج پر تھی۔ کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ گری ہوئی امت کے سرفراز ہونے کا راز کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیڈر بھانت بھانت کی بولیاں بول کر قوم کو پریشان کر رہے تھے۔ قرآن اور اسلام کا نام ان کی زبانوں پر اکثر سنا جاتا تھا لیکن یہ سب رسمی اور دکھاوا تھا کسی کا اس پر دلی یقین نہ تھا اور نہ ہی کسی میں اس پر عمل

کرنے کی ہمت تھی۔

ان حالات میں عنایت اللہ خان نے مسلمان قوم کو سربلند کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور تحت الثریٰ میں گری ہوئی قوم کو اوج ثریا تک پہنچانے کا پروگرام ترتیب دینا شروع کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

میں نے "تذکرہ" لکھنے کے بعد پورے دس برس انتظار کیا کہ کہیں سے کوئی آہ نکلے جو نیستی کے خرمن کو یکسر آگ لگا کر رکھ دے۔ پورے دس برس واہ واہ ہی نکلتی رہی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم "تذکراتے تذکراتے" سو گئی۔ کئی برس کے انتظار اور سوچ کے بعد مجھ جیسے کند ذہن کو پتہ چلا کہ اگر بیمار کو لوریاں دیتے رہو گے تو نقاہت اور کمزوری کا اثر یہ ہو گا کہ وہ اور سوئے گا۔ اس میں اٹھنے کی طاقت لوریاں دے دے کر کہاں آئے گی۔ وہ تبھی اٹھے گا جب اس کو اٹھنے کا ڈھنگ سکھاؤ، نہیں، اٹھا دو۔ پاؤں پر اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر کھڑا کر دو۔ وہ بیٹھنے لگے پھر کھڑا کر دو۔ اس کو بیٹھنے نہ دو۔ اگر اٹھنے کی طاقت کے باوجود مکر کرتا ہے اور توفیق نہ ہونے کا عذر کرتا ہے تو حضرت عمرؓ کا درہ مار کر اٹھاؤ اور خود مجنوں بن جاؤ۔ لوگ آپ کی اس مار کو سہہ لیں گے اور اٹھنا اور چلنا تو درکنار بھاگیں گے۔ میں اگر تفسیروں اور کتابوں کو قوم کا علاج سمجھتا تو اس میں مجھے فائدہ تھا۔ میرے پاس "تذکرہ" کی دوسری چار جلد کی فرمائشیں اتنی پڑی ہیں کہ اگر دوسری جلد نکالوں تو ایک سال کے اندر اندر پندرہ ہزار "تذکرہ" بک سکتا ہے اور ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ آ سکتا ہے۔ میری باقی پانچ جلدوں کے صرف مسودے کا ایک شخص مجھے سوا لاکھ روپیہ اصرار سے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ طبع ہوتے وقت صرف اس کی نگرانی کریں۔ باقی سب میرا خرچ ہو گا۔ یہ سب دماغی عیاشیوں کے نتیجے ہیں اور میرے آئندہ پروگرام کے خلاف۔ میں اگلے دس برس کے اندر مسلمان کو عمل کی مستقل منزل پر پہنچانے کے درپے ہوں اور مرنے سے پہلے (خواہ وہ بستر مرگ پر ہی کیوں نہ ہو) مسلمانوں کے پھر غالب آ جانے کی خوش خبری سننا چاہتا ہوں۔ "تذکرہ" کی باقی جلدیں، قرآن کی مکمل تفسیر میرے ہاتھ سے اس وقت نکلے گی جب اسلامی شوکت

اور ابہت کا پھریرا دنیا میں پھر لہرا رہا ہو گا اور کیا عجب ہے کہ مسلمان اسی وقت، اس پھریرے کو لہراتے دیکھ کر کہیں کہ قرآن کی مکمل تفسیر ہو چکی اب اس کے لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

میرے ہاتھ سے ایسی تفسیر کا لکھا جانا اس وقت میری انتہائی خوش قسمتی کا باعث ہو گا۔

(مقالات اول ص ۱۴۹-۱۵۰)

ضمیمہ

زیر نظر کتاب "المشرقی" (جلد اول) کے صفحہ 59 پر حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی علیہ الرحمتہ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ انہوں نے تین اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیمی عہدوں پر مامور کرنے کی سفارش برطانوی حکومت سے کی تھی۔ ان کی کوشش سے حکومت کو اپنی پالیسی تبدیل کرنا پڑی اور مسلمانوں کو پہلی بار اعلیٰ تعلیمی عہدوں پر مامور کیا جانے لگا۔

مصنف نے 1964ء میں برطانوی مرکزی محکمہ تعلیم کی ایک نوٹ بک سے، جو اتفاقاً "علامہ مشرقی ٹرسٹ" میں اس وقت دستیاب ہوئی، ایک نوٹ نقل کر کے محفوظ کر لیا تھا جو علامہ مشرقی" نے بہ حیثیت انڈر سکریٹری 19 فروری 1918ء کو تحریر فرمایا تھا جسے اب مذکورہ دعوے کی صداقت میں پہلی بار شامل اشاعت کیا جا رہا ہے:

COPY FROM "NOTES"

EDUCATION - A JUNE 1918

It is noticeable that out of these candidates no Mussalman has been suggested by the local Government to be good enough to fill a vacancy. Such a position if accepted by the Government of India would evidently be the cause of discontent among the Mussalmans. It goes without saying

that there are men of very high qualifications at present existing among the Moslems, who would fill almost any of these posts with credit. We have recently had the case of Mr. Afzal Hussain of Cambridge who gained rare honours and was recommended by the Secretary of State for an appointment. Mr. Qazi of the Punjab who is a Wrangler and was a Government State Scholar is another examples. Mirza Ali Mohammad, Khan of North-West Frontier Province is a man of high qualification and is an exceedingly successful Inspector. Dr. Iqbal of Lahore is another highly qualified man, who has already acted for sometime in the Indian Educational Service. There is a man named Mr. S.S. Alam of Cambridge on the waiting list who possesses high qualifications. I would be inclined to say that consideration should be given to this aspect of the question as well.

For further remarks please see statement put up. The qualifications of each man are considered there in details. Educational Commissioner may be requested to advise.

INAYATULLAH KHAN
19-2-1918

سچائی کی صحیح تعریف!

خوش قسمتی یا بدقسمتی سے تمام روئے زمین پر مذہب کے متعلق ہر شخص کا دعوئ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ دنیا میں یہ نعرہ کہ حقیقت کیا ہے؟ بعینہ وہ نعرہ تھا جو سلطنت روما کے مشہور مجسٹریٹ پانطس پائیلٹ (PONTUS PILATE) نے بے اختیار عین اس وقت جب کہ خود حضرت عیسیٰ

علیہ السلام ایسا عظیم الشان انسان بہ حیثیت ملزم اس کے سامنے کٹہرے میں کھڑا تھا، لگایا اور آج تک کوئی شخص اس عظیم الشان سوال کا قطعی اور فیصلہ کن جواب نہیں دے سکا۔ یہ ایک عجیب و غریب بات ہے کہ ہر فرد جو کسی مذہب کو مانتا ہے اس کے متعلق دعویٰ کرتا ہے کہ وہ "سچا" ہے۔ نہیں، بلکہ دنیا میں سچائی صرف اسی کے مذہب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی زندہ ضمیر کی آواز اس کے متعلق کچھ بھی ہو لیکن وہ بہرحال اور بہ ضدا اسے سچے کہنے پر مصر ہے۔ میرے خیال میں یہاں ایک ناقابل حل معمہ ہے جس میں تمام دنیا آخری انسان تک مبتلا ہے۔ اکثر اشخاص جانتے ہیں کہ کار لائیل (CARLYLE) جیسے معقول پسند انسان اور ممتاز ترین فیلسوف کو بھی (کیونکہ اس کا اپنا مذہب عیسائی تھا) اپنے عیسائی قارئین کے سامنے "بطل انبیاء" کا مضمون پڑھتے وقت پہلی ہی چند سطروں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو انبیائے جہان کے زمرہ سے علیحدہ کر کے خارج از بحث کرنے کے لیے معذرت کرنی پڑی، پیشتر اس کے کہ وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک تعریفی حرف زبان پر لا سکے!

یہ وہ معمہ ہے جس کی پیچ در پیچ بھول بھلیوں میں تمام دنیا مبتلا ہے یعنی ابطال کی عبادت، سچائی کی عبادت یا خدا کی عبادت سے پہلے تعصب کی عبادت۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ تعصب اور جذبات کی عبادت خفیہ طریقے سے انسان کے اخلاق سے بالکل علیحدہ کر دی جائے تو آج دنیا کے تمام مذاہب کے درمیان سب اختلاف نیست و نابود ہو جاتا۔ لیکن ابھی اس حیران کن حقیقت کی طرف غور کرنا باقی ہے کہ بنی نوع انسان نے عام طور پر اپنے مذہب کو "سچائی" تسلیم کیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ تمام دنیا میں مخصوص سمت تخیل حیرت انگیز طور پر غلط ہے۔ میرے بلکہ ہر ایک شخص کے نزدیک سچائی ہمیشہ سے وہ شئے رہی ہے جس پر دنیا کا ہر فرد و بشر بعینہ کسی ادنیٰ سی جھجک اور تامل کے متفق ہو گیا ہو۔ کوئی علمی سچائی مثلاً یہ کہ "آگ جلاتی ہے" ہر شخص کو بلا عذر اس حقیقت پر متفق کر دیتی ہے،

نہیں، آگ کے جلانے کے متعلق کسی جگہ کوئی دو شخص مختلف رائیں نہیں رکھتے۔ ہر حسابی بلکہ "رواجی" سچائی بھی مثلاً یہ کہ "دو اور دو چار ہوتے ہیں" اسی معیار سے ہمیشہ سے پرکھی جاتی ہے۔ کہ سب اس پر متفق ہیں۔ لیکن یہ مذہب اور صرف مذہب ہی ہے جس کے سچ ہونے کا نہایت عجیب و غریب طور پر صرف وہی شخص دعویٰ کرتا ہے جو اس کا پیرو ہے اور ہر دوسرا شخص اس سچائی کو رد کرنے میں سب سے پیش پیش ہے!

اس مسئلے میں کچھ اور بھی گہرا جانے کی ضرورت ہے۔ دنیا کی تمام سچائیاں بنی نوع انسان کو متفق کرنے کے لیے آتی ہیں یہ اس لیے کہ سچائی ہر جگہ ایک ہی شئے ہے۔ ہر شخص اس کو اس لیے بطور حقیقت تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے کہ وہ اس سچائی کا مفید ہونا بہروقت اور بہرحال اپنی آنکھوں کے سامنے عملاً دیکھتا ہے برخلاف اس کے مذہب وہ سچائی ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے، ایک ملک کو دوسرے ملک سے، اور ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرتی ہے اور باوجود اس تمام افتراق کے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مذہب "سچا" ہے۔

کیا ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر پھر ہم یہ نہ کہیں کہ تمام دنیا مذہب کے بارے میں بے پناہ طور پر غلطی میں پھنس گئی ہے کیونکہ وہ مذہب کے صرف "انفرادی طور پر سچا" ہونے سے مطمئن ہے اور کبھی اس بات کی طرف دھیان نہیں کرتی کہ آیا وہ انفرادی سچائی عام طور پر مسلم یا عالمگیر سچائی بھی ہے؟ حتیٰ کہ صدر ناگوار حالات میں شاید کوئی مرد معقول بھی رسمی اور اعتقادی مذہب کی اس معماتی حقیقت پر توجہ دینا گوارا نہ کرتا لیکن مذہب کے وجود کے متعلق ایک خطرناک بلکہ دہشت انگیز اہمیت ہے جو قرون ماضیہ کی عالمگیر تاریخ ہی اپنے بھیانک اور خون آلودہ صفحات میں عیاں کر سکتی ہے۔

کیا یہ عام طور پر درست نہیں کہ روئے زمین کی اکثر بڑی سے بڑی لڑائیاں لڑی اور جیتی، یا لڑی اور ہاری اس لیے گئیں کہ وہ مذہب اور صرف مذہب کی

خاطر تھیں ! ہاں، کیا یہ ایک مسلم حقیقت نہیں کہ روئے زمین پر سب سے بڑے بین الاقوامی انقلابات اور سیاسی جغرافیوں میں سب سے اہم تبدیلیاں اس واسطے واقع ہوتی رہیں کہ ایک قوم دوسری قوم پر صرف مذہبی فوقیت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ دنیا کے اکثر مخلص ترین خون، جو انسان نے آج تک بہائے ہیں اکثر اسی رسمی اور اعتقادی مذہب کی انفرادی سچائی کا بول بالا کرنے کے لیے بہائے جس کو ہر دوسرا اس ولولے اور سرگرمی سے دنیا کے تمام جھوٹوں میں سے بڑا جھوٹ شمار کرتا ہے اور یہ کہنا بھی مساوی طور پر سچ ہے کہ بنی نوع انسان اس تمام مضحکہ انگیز خودکشی اور استہلاک کے بعد جو ہزارہا سال سے جاری ہے اب تک بھی ذرہ بھر عقل مند اور زیرک اس معاملے میں نہیں ہوئی !

نقیب فطرت حضرت علامہ مشرقیؒ

"المشرقی" (جلد اول) اختتام پذیر ہوئی !

آئندہ جلدوں میں حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خاں المشرقیؒ کی خاکسار تحریک کے سرخ ہلالی پرچم تلے غلبہ اسلام اور آزادی و حریت کے لیے تاریخ ساز جدوجہد کی تفصیلات سامنے آئیں گی کہ انہوں نے کس طرح اپنا گھر بار علیت۔ وجاہت اور مال و اولاد قربان کر کے، غلامی پر قناعت کر جانے والی اور فرنگی سامراج کی وحشت و بربریت تلے دبی ہوئی مسلمان قوم کو اپنے زور بازو سے اقتدار اعلیٰ تک پہنچنے کا راستہ دکھایا !

المشرقی ریسرچ اکیڈمی گجرات پاکستان

